جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف



اسم الكتاب : نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

تأليف : ..... فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع .....الاول سنه 1447ھ بمطابق 2025

تنضید: ابو منقادر رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ عنہ

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شريف آباد باجوڑ پاکستان

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

خلاصہ کلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ساری دنیا تاریک ہو چکی تھی۔ ربع مسکون پر جہالت کی اندھیری رات یوں چھائی ہوئی تھی دنیا کے کسی بھی حصے، خطے اور ملک میں روشنی کی کرن دکھائی نہ دیتی تھی۔ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی زمانے کے علاوہ دنیا پر اس سے پہلے کبھی ایسا وقت نہیں آیا تھا کہ ایک ہی وقت میں ہر جگہ تہذیب و تمدن، للھیب واخلاق، علم و حکمت اور معرفت الٰہی سب کے سب اس طرح برباد ہوئے ہوں کہ پوری دنیا تیرہ و تار ہو کر رہ گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کی کیفیت یوں بیان فرمائی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾(الروم:۴۱)

"لوگ جو برے کام کر رہے ہیں۔(شرک و خرافات اور کفر و گناہ والے) ان کی وجہ سے خشکی اور تری (سمندروں کے ٹاپوؤں میں بھی) فساد پھیل گیا ہے۔(اب اللہ تعالیٰ اپنا رسول جو بھیجنا چاہتا ہے تو) اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے کچھ کاموں کی سزا ان کو دنیا میں بھی چکھائے تاکہ وہ ان برے کاموں سے باز آجائیں۔"

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دنیا میں بسنے والے انسان دینِ اسلام، عقیدۂ توحید، عدل وانصاف اور امن و ایمان کے تمام تقاضے پورے کر رہے ہوں اور اللہ ان میں کوئی نبی مبعوث کر دے۔ قرآن حکیم اور احادیثِ مبارکہ کے بے شمار دلائل اس بات کی تائید میں موجود ہیں کہ جب یہ سب کچھ انسانوں میں نہیں رہتا تھا تب اللہ تعالیٰ انہیں سیدھا کرنے کے لیے ان میں اپنے نبی اور رسول بھیجا کرتا تھا۔ جیسے کہ اللہ ذوالجلال نے یہ بات اصولاً فرمادی:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَلْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝﴾(الاعراف:۹۴)

"اور جب ہم نے کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا (اور بستی والوں نے اس کی تکذیب کی) تو وہاں کے رہنے والوں کیہم نے محتاجی (قحط سالی وغیرہ) اور بیماری (طاعون وغیرہ) کے ساتھ پکڑ کی کہ شاید وہ گڑگڑائیں۔(اور عاجزی اختیار کریں۔)"

چنانچہ چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر اور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز سے ہی اس دور کے کچھ صاحبِ علم لوگ اس ہستی کی بعثت کا انتظار کرنے لگے تھے کہ جس کا تذکرہ وہ اپنی کتابوں میں پڑھ رہے تھے اور جس کے آنے سے پوری دنیا کے شرک و خرافات اور ظلم واستبداد والے اندھیروں نے چھٹنا تھا۔ نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی واحد وہ کامل ترین مبارک شخصیت ہیں کہ جن کی حیاتِ طیبہ اور سیرت مطہرہ کے تمام تر پہلو ہر طرح کامل و مکمل اور دنیا جہان کے تمام انسانوں کے لیے مکمل اسوۂ حسنہ اور قابل اتباع ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی وہ واحد شخصیت ہیں کہ جنہوں نے دنیا جہان کے اُن تمام نئے علوم و معارف کی اساس کا تعارف پیش فرمادیا ہے کہ جن کا وجود بھی دنیا میں پہلے بالکل ہی ناپید تھا۔ پھر یہ کہ اللہ رب العزت کی آخری کتاب قرآن عظیم کے علوم و معارف پر جتنا کام ہوا ہے؛ اوّلاً اتنا علمی و تشریحی اور تفسیری کام دنیا کی کسی اور کتاب پر نہیں ہوا۔ اس کے بعد جتنا علمی کام نبی معظم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث مبارکہ پر ہوا ہے اتنا علمی کام ملت اسلامیہ کے علاوہ کوئی دوسری قوم و ملت اپنے کسی نبی کے متعلق نہیں کر سکی۔ اُمت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام پر یہ

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اللہ عزوجل کا خاص فضل ہے۔ پھر علماء اُمت اسلامیہ نے حسب ضرورت سیرت مطہرہ اور احادیث مبارکہ والے دونوں موضوعات پر الگ الگ بھی کام کیا ہے اور کہیں کہیں ایک ساتھ بھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ پر دنیا کی مختلف زبانوں میں اس قدر کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ اُن کا احاطہ شمار میں لانا ممکن ہی نہیں رہا۔ پھر یہ کہ جیسے ہر خوشبودار پھول کی خوشبو الگ الگ ہوتی ہے، اسی طرح ہر سیرت نگار کا اندازِ تحریر دوسروں سے الگ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ سیرت نگاری کے مراجع و مصادر کو ہی شمار کرنا چاہیں تو اس پر بذاتِ خود ایک بڑی کتاب تیار کرنا پڑے۔ کتاب کے آخر میں پیش کیا جارہا ہے... نے نبی خاتم الرسل محمد مصطفی و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کو سوالات و جوابات کے انداز میں جس جامع اُسلوب کے ساتھ عامۃ الناس اور طلاب علم کے لیے تیار کیا ہے۔

۱۔ قرآن حکیم اور اس کی بعض مستند تفاسیر

۲۔ صحيح البخاری للإمام محمد بن اسماعيل البخاری رحمه الله

۳۔ صحيح الإمام مسلم بن الحجاج رحمه الله

۴۔ كتب السنن الأربعه

۵۔ مسند الإمام احمد بن حنبل رحمه الله

۶۔ السيرة النبوية لابن ہشام

۷۔ الروض الأنف للسهيلی

۸۔ البداية والنهاية لابن كثير

۹۔ السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية للدكتور مهدی رزق الله أحمد

۱۰۔ الرحيق المختوم لفضيلة الشيخ صفی الرحمن المبارکفوري رحمه الله

۱۱۔ فقه السيرة لمحمد الغزالی رحمه الله

۱۲۔ سيرة الرسول صلی الله عليه وسلم محمد عزت دروزه رحمه الله کی

۱۳۔ دکتور اکرم ضياء العمری کی السيرة النبوية الصحيحة

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۱۴۔ فضیلة الشیخ عبداللّٰہ بن الامام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللّٰہ کی: مختصر سیرة الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۱۵۔ الثعالبی کی: معجز محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۱۶۔ جناب قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوری رحمہ اللہ کی: رحمة للعالمین

۱۷۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان التمیمی البستی رحمہ اللّٰہ کی: السیرة النبویة وأخبار الخلفاء

۱۸۔ محمد الخضر حسین کی: محمد رسول اللّٰہ خاتم النبیّین صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۱۹۔ جناب شیخ/ عبدالحمید الخطیب کی: سیرت سیّد ولد آدم

۲۰۔ دکتور/ سلیمان بن حمد العودہ کی: السیرة النبویة فی الصحیحین وعند ابن اسحاق

۲۱۔ مصنف ھذا الکتاب فضیلة الشیخ عبداللہ المرزوق حفظہ اللّٰہ کی: الرحمة المھداۃ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۲۲۔ اسی طرح تیس عدد علماء عصر حاضر کی علمی کاوش کا ایک جدید نمونہ روز گار "نظرۃ النعیم" کا تذکرہ بھی قابل تذکرہ ہے۔

ابو عطاء المنعم رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ۔ 10 صفر 1447ھ۔۔4 اگست 2025 یوم الاثنین

سیرت سیّد الحبیبۃ والبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سوالات وجوابات کی روشنی میں

س:۱... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد (محترم) کا نام کیا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد فوت ہوئے تو آپ کی عمر اُس وقت کتنی تھی؟ ج:۲... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ تھا، اور جب وہ فوت ہوئے تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اماں جان کے بطن میں بحالت حمل تھے۔

س:۲... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام کیا تھا؟ اور جب وہ فوت ہوئیں تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی اور یہ کہ آپ کی والدہ کی وفات کہاں ہوئی تھی؟

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج:۲... نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا نام آمنہ بنت وہب تھا اور آپ قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب رسول اللہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کو پہنچی تو وہ فوت ہو گئیں اور اُن کی وفات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان "ابواء" نامی مقام پر ہوئی تھی۔

س:۳... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متفق علیہ حسب و نسب بیان کریں اور یہ بتلایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کس قبیلے سے تھا؟

ج:۳... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا متفق علیہ نسب یوں ہے: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصي بن كلاب بن مرة بن كعب بن لوي بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة بن إلياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کے قبیلہ قریش (کی شاخ بنو ہاشم) سے تعلق رکھتے تھے۔

س:۴... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کون سے دن، کون سے مہینے اور کون سے سال میں ہوئی تھی؟

ج:۴... اللہ کے حبیب و خلیل نبی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ماہ ربیع الاوّل (کی نو تاریخ) سوموار کے دن (عام الفیل میں) شمسی مہینہ اپریل ۵۷۱ء میلادی کی بیس تاریخ میں ہوئی تھی۔

س:۵... جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی اُس سن کا نام کیا اور کیوں رکھا گیا تھا؟

ج:۵... جس سال نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی اُس سن کا نام "عام الفیل" رکھا گیا تھا۔ اس لیے کہ اُس سال یمن کے بادشاہ ابرہہ حبشی نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا اور اس کے ہمراہ بہت سارے ہاتھی تھے تاکہ وہ ان کے ذریعے بیت اللہ الحرام کو منہدم کر دے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابرہہ اور اس کے لشکر پر ابابیل پرندوں کا ایک لشکر بھیج دیا، جنھوں نے ان لشکریوں پر (اوپر سے) کنکر نما کھنگرے پتھر پھینکے، کنکروں نے ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ قرآن میں اِنھیں کے واقعہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے "سورۃ الفیل" نازل فرمائی ہے، جس کی پانچ آیات ہیں۔

س:۶... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کون سے شہر میں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کون سے شہر میں؟

ج:۶... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جزیرۃ العرب کے) شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (اسی جزیرہ نما کے) شہر مدینہ منورہ میں ہوئی۔

س:۷... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بچپن میں اپنا) دودھ پلانے والیاں کون تھیں؟ اور آپ کی پرورش کرنے والی کا نام کیا تھا؟ یہ بھی بتلایئے کہ: آپ کی دودھ شریک بہن کون تھیں؟

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج:۷... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے والیوں میں (۱) ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ بھی شامل ہے کہ جس نے آپ کو چند دن دودھ پلایا تھا۔ (۲) پھر آپ کو بنو سعد کی ایک نیک خاتون حلیمہ بنت ابوذویب نے دودھ پلایا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے والیوں میں اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کا نام شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی دودھ بہن شیماء بنت حارث السعدیہ تھیں رضی اللہ عنہا۔

س:۸... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کس نے کی تھی؟ اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟

ج:۸... نبی کریم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی وفات کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف نے آپ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور اس وقت (کہ جب آپ کی والدہ فوت ہوئیں) آپ کی عمر چھ سال تھی۔

س:۹... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد پھر آپ کی کفالت کس نے کی؟ اور اُس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟

ج:۹... نبی مکرم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ (آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں اور باپ دونوں طرف سے سگے چچا تھے۔) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی۔

س:۱۰... درج ذیل خالی جگہوں کو پر کیجیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے بعض احباب نے آپ سے دریافت کیا اور پوچھا: اے اللہ کے حبیب و خلیل نبی! آپ ہمیں اپنے بارے میں بتلایئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (سنیے) میں..... کی دعا اور..... کی بشارت ہوں۔ میری اماں جان نے میرے دورانیہ حمل میں ایک خواب دیکھا کہ اُن کے وجود سے ایک تیز روشنی نکلی ہے کہ جس سے..... روشن ہوگئے ہیں۔ اور..... میں (حلیمہ بنت ابوذویب کا) مجھے دودھ پلایا گیا تھا۔

ج:۱۰... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کچھ اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے دریافت کیا کہ: آپ ہمیں اپنی ذاتِ اطہر کے بارے میں خبر دیجیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (سنیے) میں اپنے جد امجد اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور اپنے (ایمان و نبوت کے) بھائی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں۔ میری والدہ نے میرے دورانیہ حمل میں ایک خواب دیکھا تھا کہ اُن کے وجود سے ایک تیز روشنی نکلی ہے کہ جس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے ہیں۔ اور قبیلہ بنو سعد بن بکیر میں (بی بی حلیمہ بنت ابوذویب کا) مجھے دودھ پلایا گیا تھا۔ [1]

س:۱۱... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے: ”میں اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور اپنے (ایمان و نبوت کے) بھائی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں؟“

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج:۱۱... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: "میں اپنے جد اعلیٰ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دُعا (کا نتیجہ) ہوں۔" میں دراصل سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُس دُعا کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں یوں مذکور ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (البقرۃ:۱۲۹)

"پروردگار ہمارے (اس گروہ میں) انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیج جو تیری آیتیں پڑھ کر ان کو سنائے اور کتاب (قرآن شریف) اور حکمت (حدیث شریف) ان کو سکھلائے اور (شرک سے) ان کو پاک کرے، بیشک تو زبردست ہے، حکمت والا۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: "اور میں اپنے بھائی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں" میں درحقیقت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اُس بشارت کی طرف اشارہ ہے۔ جو اُنھوں نے بنو اسرائیل کو دیتے ہوئے قرآنِ حکیم کے الفاظ میں یوں فرمایا تھا:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝﴾ (الصف:۶)

"(اے پیغمبرؐ! ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلا) جب عیسیٰ نے جو مریم کا بیٹا تھا (بنی اسرائیل سے) کہا اے بنی اسرائیل! میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت شریف اتر چکی ہے، اُس کو سچ بتاتا ہوں اور (تم کو) ایک پیغمبرؐ کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہو گا، پھر جب وہ (یعنی عیسیٰ) ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔" [1]

س:۱۲... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کون کون سے نام ہیں کہ جن میں آپ کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی بھی شریک نہیں۔ یعنی کسی بھی دوسرے پیغمبر کا یہ نام نہ ہو۔ ان میں سے کم از کم چار نام ضرور ذکر کریں؟

ج:۱۲... وہ اسمائے مبارک کہ جن میں دوسرے انبیاء کرام نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہیں اور وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی نام ہیں: محمد، اَحمد، العاقب، الحاشر، المقفی، الماحی، نبی الملحمہ... ہیں۔

س:۱۳... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کون کون سے نام ہیں کہ جن کے معنی و مفہوم میں دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں؟

ج:۱۳... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ناموں میں بحیثیت معنیٰ و مفہوم دوسرے بھی اللہ کے رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام شریک ہیں: الشاہد، المبشر، البشیر، النذیر، نبی الرحمۃ، نبی التوبہ، الفاتح، الامین اور المتوکل

س:۱۴... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ناموں کے معنی کیا ہیں؟ محمد، احمد، الماحی، الحاشر، العاقب، المقفی، نبی الملحمہ۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج:۱۴... نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسمائِ مبارکہ کے معانی درج ذیل ہیں:

محمد صلي الله عليه وسلم... کثیر خصائل واوصاف حمیدہ کی بناپر بہت زیادہ تعریف کیا جانے والا۔

احمد صلي الله عليه وسلم... اللہ عزوجل کی حمد وثناء بیان کرنے میں دنیاجہان کے تمام لوگوں سے زیادہ اولیٰ اور حقدار شخصیت کہ جو اپنے رب کی دوسروں کی نسبت زیادہ افضل حمد بیان کرتاہو۔

الماحِي صلي الله عليه وسلم... یعنی وہ افضل واعلیٰ شخصیت کہ جس کے ذریعے اللہ ذوالجلال نے کفر کو مٹادیا، حتی کہ اُس کا دین دنیاکے ہر دین ومذہب پر غالب آگیااور وہاں تک روئے زمین میں اللہ کا دین پہنچ گیا، جہاں جہاں تک دن اور رات طلوع وغروب ہوتے ہیں۔

اَلْحَاشِر صلي الله عليه وسلم... وہ ذات کہ جن کے پیچھے قیامت والے دن لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے مبعوث کیا گیا تھا تاکہ آپ لوگوں کو (اللہ کے دربار میں) اکٹھا کریں۔

اَلْعَاقِبُ صلي الله عليه وسلم... وہ شخصیت اطہر واکمل کہ جو تمام انبیائِ کرام کے سب سے آخر میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آناتھااور نہ قیامت تک آئے گا۔

اَلْمُقَفِّي صلي الله عليه وسلم... وہ شخصیت وذات کہ جو اپنے سے پہلے گزرے ہوئے انبیاءورسل کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے سب سے آخر میں آنے والے اور اپنے بعد نبوت کے دروازے کو بند کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نبی نے آناتھااور نہ قیامت تک آئے گا۔ن

نَبِيُّ الْمَلْحَمَه صلي الله عليه وسلم... میدانِ کارزار کا نبی... کہ جسے اللہ کے دشمنوں سے جہاد وقتالِ فی سبیل اللہ کے لیے مبعوث کیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا جہاد اس سے قبل کسی پیغمبر نے نہیں کیا۔ اسی طرح آپ کی اُمت اسلامیہ اور دیگر غیر مسلم اقوام کے درمیان وہ گھمسان کی معرکۃ الآراء جنگیں ہوئیں اور آئندہ بھی ہوں گی کہ ایسی مثال گزشتہ امتوں میں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ س:۱۵... مشرکین مکہ نے بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیانام رکھاہوا تھا؟ اور کیوں یہ نام رکھا تھا؟ اور پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (نبی بنائے جانے) کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہا تھا؟ ج:۱۵... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکین مکہ نے آپ کا نام "الامین..." نہایت دیانت دار" رکھاہوا تھا۔ اور یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں حسن اخلاق، اعلیٰ ہمسائیگی، عظیم بردباری، نہایت درجہ کی دیانت داری، بہت زیادہ سچائی، طہارت وپاکیزگی اور فحش قسم کے کاموں، لوگوں کو تکلیف پہنچانے والی باتوں، لوگوں کے حق مار لینے اور بحث ومباحثہ والے جھگڑوں سے دُوری جیسے اوصافِ حمیدہ جمع کر رکھے تھے۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بت کی پوجانہیں کی تھی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شراب پی تھی۔ اور جب (عمر مبارک کے چالیس سال انہی اوصافِ حمیدہ کے ساتھ گزار چکنے کے بعد) آپ نے لوگوں کے سامنے اللہ کے حکم سے اسی کی طرف سے آنے والا دین حق پیش کیا تو وہی مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو: جادوگر، کاہن، شاعر اور پاگل کہنے لگے۔ (اس لیے کہ عقیدۂ توحید خالص اور فطری دین حق سے اُن کے فاسد عقائد اور انتہائی گندے اعمال واشغال پر زد آتی تھی۔)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۱۶... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ورسالت کا آغاز کس طرح ہوا تھا؟

ج:۱۶... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا تھا۔ چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے دن کے وقت وہی معاملہ صبح کے ظہور کی طرح کھل جاتا۔

س:۱۷... ابتدائے وحی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکی پہاڑیوں میں واقع) کون سی غار میں جاکر تنہائی اختیار کرکے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے؟ ج:۱۷... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے وحی سے پہلے (مکہ مکرمہ کی پہاڑیوں میں سے) جبل نور کی غارِ حراء میں تنہائی اختیار کرکے اللہ عزوجل کی عبادت (اور دنیا میں پھیلے شرک وخرافات اور ظلم واستبداد کے متعلق غور وفکر) کیا کرتے تھے۔

س:۱۸... جب وحی کا آغاز ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟

ج:۱۸... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی۔

س:۱۹... قرآنِ کریم میں سے سب سے پہلے کون سی آیات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی تھیں؟

ج:۱۹... سب سے پہلے قرآنِ حکیم میں سے نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o﴾ (العلق:۱-۶)

"(اے پیغمبرؐ!) اپنے مالک کے نام سے جس نے (سب خلقت کو) پیدا کیا (قرآن) پڑھ۔ اُسی نے آدمی کو (خون کی) پھٹکی سے بنایا۔ (اے پیغمبرؐ!) پڑھ

اور (یہ خیال نہ کر کہ میں اَن پڑھ ہوں) تیرا مالک بڑے کرم والا ہے۔ (اُسی نے آدمی کو) قلم کے ذریعہ سے (لکھنا) سکھایا۔ آدمی کو وہ باتیں سکھائی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔"

س:۲۰... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس وقت کیا کہا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہلی وحی کے نازل ہونے پر ڈر کی وجہ سے اُن کے پاس گھر تشریف لائے تھے اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے وہ کچھ بیان کیا جو غارِ حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور جو سنا تھا؟

ج:۲۰... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی وحی کے بعد ڈر کر اپنے گھر اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے وہ کچھ بیان کیا جو وہاں غارِ حراء میں دیکھا اور جو سنا تھا... تو اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا تھا:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

((كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ لَا يَحْزُنُكَ)اللّٰهُ أَبَدًا. وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ ۔))[1]

" آپ خوف نہ کھائیں ہر گز آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ آپ خوش ہو جایئے! میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں! اللہ ّ العزت آپ کو کبھی خراب (اور نہ کبھی غمگین) کرے گا۔ اللہ ّ العرش الکریم کی قسم! آپ تو ناطے والوں سے صلہ رحمی (اور اچھا سلوک) کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، دوسروں کا بوجھ (قرضہ کی ادائیگی اور بیواؤں، یتیموں کی پرورش وغیرہ جیسا) اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ جو چیز کسی کے پاس نہ ہو وہ اس کو دلوا دیتے ہیں (جیسے بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے بدن والے کو کپڑا پہنا دینا وغیرہ) مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور معاملات و مقدمات میں حق کی پاسداری کرتے ہیں۔"

س:۲۱... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء میں جو دیکھا اور جو کچھ سماعت فرمایا تھا اس کے متعلق جب آپ نے اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کو بتلایا (اور اپنے خوف کا اظہار بھی فرمایا) تو پھر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو کسی آدمی کے پاس لے کر گئی تھیں؟ اور پھر اُس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا تھا؟

ج:۲۱... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء میں جو کچھ دیکھا اور جو سماعت فرمایا تھا، اُس کے متعلق جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا (اپنے خوف کا اظہار بھی فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے آپ کو اوپر بیان کردہ الفاظ کے ساتھ آپ کی ڈھارس بندھائی اور پھر اس کے بعد) وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں۔ (ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بت پرستی چھوڑ کر عیسائی بن گئے تھے اور عبرانی زبان جانتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سے انجیل میں سے جو لکھوانا چاہتا وہ عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ بوڑھے ضعیف ہو کر نابینا ہو گئے تھے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وہاں پہنچ کر ان سے کہا: اے میرے چچازاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات تو سنو! ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے بھتیجے بیان کرو تم نے کیا دیکھا؟ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ان سے بیان کر دیا۔ تب ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

((هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللّٰهُ عَلَى مُوسٰى۔ يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا۔ لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم :أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ ؟ قَالَ :نَعَمْ ۔ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ ۔ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا۔ ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ۔))[1]

" یہ تو وہی اللہ تعالیٰ کا رازدار فرشتہ (سیّدنا جبریل علیہ السلام) ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اُس وقت (یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری پیغمبری کے زمانہ میں) جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمھیں تمہاری قوم اپنے شہر مکہ سے نکال باہر کرے گی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سچ) کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ (میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟) ورقہ بن نوفل نے کہا: ہاں! بے شک وہ تمھیں نکال دیں گے۔ اس لیے کہ جب کبھی بھی کسی شخص نے ایسی (توحید خالص اور فطرتی دین حنیف والی) بات کہی جیسی تم کہہ رہے ہو (یعنی نبوت کا دعویٰ کیا اور آئندہ اس کے تقاضا میں توحید خالص اور شریعت مطہرہ کی دعوت دو گے) تو

لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اور اگر میں اُس دن تک جیتا رہا تو تمہاری پوری پوری مدد کروں گا۔ پھر بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ورقہ بن نوفل فوت ہو گئے اور (تھوڑے دنوں کے لیے) وحی کا سلسلہ رُک گیا۔"

س:۲۲... مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس وحی کے آغاز سے لے کر) مکہ مکرمہ میں کتنا عرصہ اللہ کی توحید خالص کی طرف دعوت دیتے رہے؟

ج:۲۲... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲۷/ صفر سنہ ۱۴ سالِ نبوت بمطابق ۱۲، ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کی درمیانی رات) مدینہ طیبہ کی طرف، ہجرت کرنے تک مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال تک اللہ عزوجل کی توحید خالص کی طرف دعوت دیتے رہے۔

س:۲۳... مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنا عرصہ تک خفیہ دعوت دیتے رہے؟ اور وہ کون سی آیت ہے جو آپؐ پر نازل ہوئی اور اس میں آپ کی کھلی دعوت کے اعلان کا حکم تھا؟

ج:۲۳... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تین سال تک خفیہ دعوتِ توحید دیتے رہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جس میں آپ کی دعوت کے اعلان کا حکم اور اس دعوتِ توحید کو لوگوں تک پہنچانے کا امر خاص تھا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾ (الحجر:۹۴)

"تو جو حکم تجھ کو ملا ہے اس کو کھول کر سنا دے اور مشرکوں کا کچھ خیال نہ کر۔"

... چنانچہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوتِ توحید و رسالت کا اعلان فرما دیا۔ اور پھر اسی وقت سے آپ کی قوم نے آپ سے دشمنی شروع کر دی۔

س:۲۴... دعوتِ حق کے نتیجے میں مردوں میں سے سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ عورتوں میں سب سے پہلے کس نے؟ بچوں میں سب سے پہلے کس نے؟ اور غلاموں خادموں میں سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟

ج:۲۴... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق پر سب سے پہلے مردوں میں سیّدنا ابو بکر صدیق بن ابو قحافہ، عورتوں میں سب سے پہلے اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ، بچوں میں سب سے پہلے اوّل سیّدنا علی اور خادموں غلاموں میں سب سے پہلے جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایمان و اسلام لائے تھے۔

س:۲۵... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت (و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو مشرکین مکہ نے کس جگہ پر (ایک عرصہ تک) محصور کر کے رکھا تھا؟

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج:۲۵... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان، گھرانے والوں کو مشرکین مکہ نے مکہ کی (ایک تنگ گھاٹی) شعب ابی طالب میں (ایک عرصہ تک) محصور کیے رکھا تھا۔

س:۲۶... اس گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت، خاندان والوں (اور کچھ دیگر صحابہ کرام) کا محاصرہ کتنے عرصہ تک رہا تھا؟

ج:۲۶... شعب ابی طالب میں بنو المطلب اور بنو ہاشم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (نبوت کے ساتویں سال محرم کی چاند رات سے لے کر محرم سنہ ۱۰ سال نبوت تک) تین سال محاصرہ ہوا تھا۔ مشرکین نے (وادیٔ محصب کے اندر خیف بنی کنانہ میں جمع ہو کر) اس بات کا باہم عہد و پیمان کیا تھا وہ نہ ہی بنو ہاشم و بنو مطلب سے خرید و فروخت کریں گے۔ نہ ان کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں گے۔ نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے اور نہ ہی ان سے شادی بیاہ کریں گے۔ اس سے محصورین کو اس دوران بہت سخت تکلیف پہنچی حتیٰ کہ انھوں نے درختوں کے پتے کھا کر اور سوکھے چمڑے اُبال اُبال کر اُنھیں کھا کے گزارا کیا۔

س:۲۷... دعوتِ حق کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی طرف سے جو تکالیف اور اذیتیں پہنچیں اُن میں سے بعض کا ذکر کیجیے؟

ج:۲۷... اللہ ربّ العالمین کی توحید خالص اور دین حنیف کی دعوت کے نتیجے میں مشرکین مکہ اور دیگر کفار و مشرکین کی طرف سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیتیں دی گئیں اور تکلیفیں پہنچیں، ان میں سے بعض کی صورت یوں تھی: (۱) وہ ظالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرۂ امتیاز والی اعلیٰ شہرت کی خصوصیت کو بے پہچان بنانے اور داغدار کرنے کی کوشش کرتے۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادوگری، شعر گوئی، کہانت اور جنون کے الزام دھرتے۔ (۳) آپ سے وہ اپنی نبوت کے ثبوت میں اللہ کی طرف سے معجزانی نشانیوں کے مطالبہ میں ڈھٹائی اختیار کرتے۔ (۴) کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سجدہ کی حالت میں اُونٹوں کی اوجھڑیاں ڈال دیتے۔ (۵) کبھی آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اسے بل دیتے ہوئے گلا گھونٹ دیتے۔ (۶) کبھی سخت مار مارتے۔ (۷) ایسا بھی ہوا کہ ظالموں نے سوشل بائیکاٹ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی میں تین سال تک محصور کیا رکھے۔ باہر سے کوئی کھانے پینے کی چیز اندر نہ جانے دیتے۔ (۸) اور ایسا بھی ہوتا کہ ظالم، اللہ کے دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مٹی (اور کوڑا کرکٹ) پھینک دیتے۔

س:۲۸... اسلام کے پہلے دو شہیدوں کے نام بتلایئے؟

ج:۲۸... دین حنیف کے پہلے دو شہید جناب عمار بن یاسر کے والدین، حضرت یاسر (جو کہ بنو مخزوم کے غلام تھے) اور ان کی والدہ محترمہ بی بی سمیہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک بار ان کو کفار مکہ کی طرف سے سخت سزا دی جارہی تھی کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وہاں سے ہوا۔ دیکھ کر فرمایا: "آلِ یاسر! صبر سے کام لینا، تمہارا ٹکانا جنت ہے۔" [1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۲۹... اللہ کا دشمن اُمیہ بن خلف (اپنے غلام) صحابیِ رسول سیّدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو حالت کفر پر واپس لانے کے لیے اُنھیں مجبور کرتے ہوئے ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا تھا؟ اور پھر جناب بلال رضی اللہ عنہ اسے کیا جواب دیتے؟ اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خلاصی اس عذاب سے کیسے ہوئی؟

ج:۲۹... اللہ اور اُس کے رسول محمد النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اُمیہ بن خلف سیّدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے گرم ترین ایک میدان میں تپتی ریت پر لٹا دیتا اور اُن کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر کہتا: جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین اور ان کی دعوتِ توحید و رسالت کو چھوڑ نہیں دیتا، تب تک میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ مگر سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اُس (بدبخت، اللہ کے دشمن) کو اس کلمہ مبارکہ کے سوا کوئی جواب نہ دیتے: اَللّٰہُ اَحَد، اَللّٰہُ اَحَد۔ اور پھر جناب بلال رضی اللہ عنہ کی اس عذاب سے اُس وقت گلو خلاصی ہوئی جب اُنھیں سیّدھذہ الامجناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کے مالک (اُمیہ بن خلف) سے خرید کر اللہ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا۔

س:۳۰... مشرکین مکہ اور کفار کی طرف سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اذیتیں دی جاتی تھیں ان کے بارے میں جب بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کی تو اللہ کے حبیب و خلیل نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیا جواب دیا؟

ج:۳۰... کفار و مشرکین مکہ کی طرف سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں ان کا شکوہ و شکایت جب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں (تسلی و تشفی دیتے ہوئے) وضاحت سے بتلایا کہ عقیدۂ توحید خالص اور دین حنیف کی خاطر پہلی اُمتوں میں گزرنے والے اللہ کے مومن بندوں کو کس طرح ان سے بھی سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ اور بتلایا کہ: ان کے چمڑوں کو لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اُن کے وجود سے اُدھیڑ لیا جاتا تھا۔ اور آری کے ساتھ اُن کے وجودوں کو سر سے لے کر پیروں تک چیر دیا جاتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ صبر سے کام لیتے تھے۔ یہ بیان کرنے کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَیُتِمَّنَّ اللّٰہُ ھٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یَسِیْرَ الرَّاکِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰی حَضْرَمَوْتَ مَا یَخَافُ اِلَّا اللّٰہَ وَالذِّئْبَ عَلٰی غَنَمِہٖ وَلٰکِنَّکُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔))[1]

"اللہ بّ ذوالجلال کی قسم! اللہ تبارک وتعالیٰ اس دین حق کو ضرور مکمل کرے گا۔ اور پھر ایسا ہو گا کہ ایک شخص (یمن کے شہر) صنعاء سے سوار ہو کر حضر موت تک (جو یمن میں ہی کئی منزل پر ہے۔) سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی کا ڈر خوف نہ ہو گا۔ حتیٰ کہ بھیڑیے کے سوا اپنی بھیڑ بکریوں پر بھی اُسے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ مگر تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔ (اور چاہتے ہو کہ یہ کام جلد ہو جائے۔ مگر اللہ نے اس کے لیے جو وقت مقرر کر رکھا ہے اُسی وقت پر ہو گا۔)"

س:۳۱... نبوت کے دسویں سال کو "غم کا سال، عام الحزن" کا نام کیوں دیا گیا تھا؟

ج:۳۱... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبتِ عظمیٰ کے دسویں سال کو "غم کا سال... عام الحزن" کا نام اس لیے دیا گیا تھا کہ: (۱) اس سال آپ کے چچا ابو طالب کی وفات ہو گئی تھی۔ وہ پوری زندگی ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہے اور مشکلات میں ہمیشہ آپ

کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور یہ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو روکا کرتے تھے۔(۲)اور پھر اسی سال اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا۔(فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) آپ رضی اللہ عنہا بھی پوری زندگی نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُکھ رنج میں برابر کی شریک ہوتی رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اُن کے پاس راحت و آرام، سکون اور حوصلہ وہمت افزائی (اور مصارف کے لیے مال) ملا کرتے تھے۔

س:۳۲... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنوں کی ایک جماعت کی ملاقات کہاں پر ہوئی تھی؟ ان کی تعداد کتنی تھی اور کیا وہ ایمان لا کر مسلمان ہو گئے تھے؟ دلیل سے بیان کریں۔

ج:۳۲... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنوں کی ملاقات (شوال سہ ۱۰ سالِ نبوت میں) مکہ اور طائف کے درمیان (طائف کی طرف دعوتِ حق دینے کے لیے جاتے ہوئے واپسی پر) وادیٔ نخلہ میں ہوئی تھی۔ ان جنوں کی تعداد سات تھی اور ان کا تعلق اہل نصیبین سے تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لے آئے اور پھر اپنی قوم کی طرف اُنھیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے پلٹ گئے۔ اس کے لیے دلیل سورۃ الاحقاف کی درج ذیل آیات اور ان پر تفسیری احادیث کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿وَاذْصَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○﴾(الاحقاف:۲۹۔۳۲)

" اور (اے پیغمبر وہ قصہ بھی یاد کر) جب ہم کئی جنوں کو تیرے پاس پھیر کر لائے وہ قرآن سننے لگے جب اس کے پاس پہنچے تو (آپس میں ایک دوسرے سے) کہنے لگے چپ رہو، پھر جب (قرآن کا پڑھنا) ختم ہوا تو اپنے بھائیوں

(دوسرے جنوں) کے پاس لوٹ گئے اُن کو (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے) ڈرانے لگے۔ (بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد اتری ہے، وہ اگلی (آسمانی) کتابوں کو سچ بتاتی ہے اور سچا دین اور سیدھا رستہ دکھلاتی ہے۔ بھائیو! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لاؤ اللہ تمہارے گناہ (یا کچھ گناہ) بخش دے گا اور تم کو تکلیف کے عذاب سے (آخرت کے عذاب سے) بچادے گا اور جو کوئی اللہ کی (طرف) بلانے والے (اس پیغمبر) کا کہنا نہ مانے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو (کہیں ساری زمین پر تھکا نہیں سکتا اور اللہ کے سوا کوئی اس کا حمایتی نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔" [1]

[1] جنوں کے متعلق جس واقعہ کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ صحیحین وغیرہ کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطن نخلہ میں پیش آیا جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنوں کو آسمان کی کچھ خبریں مل جایا کرتی تھیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا اور جنّ خبریں حاصل کرنے کے لیے اوپر جاتے تو ان کو کثرت سے شہب کی مار پڑتی۔ اس پر انہیں خیال ہوا کہ زمین میں ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمان پر سخت پہرے بٹھادیئے گئے ہیں۔ اس جستجو میں جنّوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ علیہ السلام کے ساتھ سوق عکاظ جاتے ہوئے بطن نخلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ جنّوں کی ایک جماعت وہاں آپہنچی۔ اس کے بعد وہ واقعہ پیش آیا، جس کا ان آیات میں تذکرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعثت سے کچھ بعد کا واقعہ ہے۔ بعض اصحاب سیرت نے اسے ہجرت سے کچھ پہلے کا

واقعہ قرار دیا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے زخمی ہو کر بطن نخلہ میں قیام فرما تھے۔ علمائے تفسیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حج کے دنوں کا واقعہ ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے باہر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ جنّوں کی پہلی آمد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اُن کو دیکھا اور نہ ان کی آمد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا۔ حتی کہ سورۂ جن کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفصل حال معلوم ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بہت بڑی تعداد میں جن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے ہدایت یاب ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو احکام بھی سنائے۔ ایک ملاقات کے موقعہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی آنحضرت کے ساتھ گئے تھے۔ (ابن کثیر) قرآن و حدیث کا وجود ثابت ہے۔ سلف صالح اور خلف جنوں کے وجود کو بالاجماع مانتے ہیں اس کے باوجود جو شخص ان کے وجود کا منکر ہے. اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ (سلفیہ) س:۳۳... مشرکین نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ابتر'' بھی کہا تھا۔ اس لفظ ابتر کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا کیوں کہا تھا؟ اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کا جواب کس طرح سے دیا؟

ج:۳۳... مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو (اپنی خباثت وعداوت اور حسد وبغض کی بنا پر) ابتر کا کلمہ استعمال کیا تھا... تو اس کا مطلب ہوتا ہے: وہ شخص کہ جو بے نسل ہو (ناٹھا) اور اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے۔ کافروں حاسدوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات اس لیے کہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد (بیٹے) نہیں تھے۔ اور اُن کے گمان میں آپ کی وفات کے بعد آپ کا کوئی ذکر ہی دُنیا میں نہ رہے گا (اور نہ کوئی آپ کا نام لیوا ہو گا، نہ ہی آگے نسل بڑھ سکے گی)... تو اللہ عزوجل نے ان کے اس گمانِ باطل کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا کہ: نہیں بلکہ معاملہ اُلٹ ہے، ان ظالموں، اللہ کے دشمنوں کا ہی دُنیا سے نام ونشان اور اچھا ذکر مٹ جائے گا۔ فرمایا: ﴿اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾... ''

اے ہمارے حبیب وخلیل بندے! (آپ کہیں ان کی باتوں سے ملول نہ ہو جانا۔ بات یہ ہے کہ) تمہارا دشمن (جو اللہ کا بھی دشمن ہے) بے نسل اور نگوڑا ناٹھا ہے۔'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد اور عداوت رکھنے والا ہی مقطوع الذکر ہو گا (اس کا ہی کوئی نام لیوا نہ ہو گا) اور جہاں تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر اور آپ کے ذکر ونام کا تعلق ہے تو بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی شان بھی بلند فرمائی اور آپ کا ذکر خیر بھی دنیا میں یوں کہہ کر بلند فرمادیا:

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ (الانشراح:۴)

''اور ہم نے تیرا نام بلند کر دیا۔''

فائدہ:... یعنی انبیاء اور فرشتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا اور دنیا وآخرت میں آپ کے نام کا چرچا کیا۔ چنانچہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا مگر اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور لیا جاتا ہے۔ کلمۂ شہادت، اذان، اقامت، خطبہ اور تشہد وغیرہ میں۔

اور اللہ تعالیٰ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔

س:۳۴... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمان ہونے والے چچاؤں کے نام کیا تھے؟

ج:۳۴... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اللہ ربّ العالمین کی توحید خالص پر ایمان لانے والے آپ کے دو چچا تھے: حمزہ بن عبدالمطلب اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۳۵... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن چچاؤں کے نام بتلایئے جو آپ کی رسالت اور اللہ ذوالجلال کی توحید خالص پر ایمان نہیں لائے۔

ج:۳۵... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ چچے جو ایمان نہیں لائے تھے، ان کے نام یہ ہیں:۔ ۱:ابو طالب (نام عبد مناف بن عبد المطلب تھا)، ۲:ابو لہب (نام:عبد العزیٰ تھا)، ۳:زبیر بن عبد المطلب، ۴:عبد الکعبہ، ۵:ضرار، ۶:قثم بن عبد المطلب، ۷:مغیرہ، ۸:مصعب، ۹:العوام بن عبد المطلب اور ۱۰:الحارث بن عبد المطلب۔

س:۳۶... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے وہ کون شخص تھا (اس کا نام بتلایئے) کہ جو آپ کو اذیت پہنچایا کرتا تھا؟ اور اس کے بارے میں قرآنِ کریم کی ایک سورۃ بھی نازل ہوئی؟ اس سورۃ کا نام بھی بتلایئے۔

ج:۳۶... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت وتکلیف پہنچانے والا آپ کا وہ چچا کہ جس کے بارے میں قرآنِ حکیم کی ایک سورت نازل ہوئی، اس کا نام مع بمع کنیت: ابو لہب عبد العزیٰ تھا۔ اور اُس کے بارے میں اُترنے والی اس سورت کا نام: سورۃ المسد ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں۔

س:۳۷... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے وہ کون آدمی ہے کہ جو مشرک ہونے کے باوجود آپ کا دفاع کیا کرتا تھا؟ اور جب ابو طالب مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف کیا تھا اور مشرکین مکہ کا موقف کیا تھا؟ اور وہ کون سی آیت ہے جو اُن کے بارے میں نازل ہوئی تھی؟

ج:۳۷... نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ چچا جو حالت شرک وکفر میں ہونے کے باوجود آپ کا دفاع کیا کرتا تھا، اُس کا نام ابو طالب عبد مناف بن عبد المطلب تھا۔ اور ابو طالب جب بیمار ہوا اور اس وقت اُس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

((أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔)) ... "چچا جان! صرف ایک بار کلمہ توحید کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہہ دو، میں قیامت والے دن اس کلمہ کی بنا پر تمہارے لیے اللہ عزوجل سے پرزور شفاعت وگزارش کرلوں گا۔" ابو جہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ کہنے لگے: اے ابو طالب! کیا تو (مرتے وقت اپنے باپ) عبد المطلب کے مذہب وملت سے رُخ پھیر لے گا؟ پھر یہ دونوں برابر اُس سے بات کرتے رہے، یہاں تک کہ آخری بات جو ابو طالب نے لوگوں سے کہی، یہی تھی کہ: وہ عبد المطلب کی ملت پر فوت ہو رہا ہے۔ اور اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے بہت دُکھ پہنچا۔ اور پھر فرمایا: ((لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ۔)) ...

"میں جب تک آپ سے روک نہ دیا جاؤں (اے چچا ابو طالب!) آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہی رہوں گا۔" اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں:[1]

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝﴾(التوبۃ:۱۱۳)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"پیغمبر کو نہیں چاہیے نہ ایمان والوں کو کہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دُعا مانگیں گو وہ اُن کے رشتہ دار ہوں، جب اُن کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ (یعنی مشرک) دوزخی ہیں۔"

[1] مسند الإمام أحمد: ۵/۴۳۳۔ صحیح البخاري/ کتاب التفسیر/ حدیث: ۴۶۷۵۔ وصحیح مسلم/ حدیث: ۱۳۵۔

﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝﴾ (القصص:۵۶)

"(اے پیغمبرؐ!) تو جس کو چاہے اُس کو راہ پر نہیں لگا سکتا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کون راہ پر آنے کے لائق ہے۔"

س:۳۸... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں کے نام بتلایئے اور ان میں سے اسلام لانے والی کا نام بھی بتایئے؟

ج:۳۸... رسول اللہ کی پھوپھیاں درج ذیل تھیں: (۱) صفیہ۔ (۲) عاتکہ۔ (۳) برّہ۔ (۴) اروی۔ (۵) اُمیمہ اور (۶) اُمّ حکیم ان میں سے صرف سیّدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا ایمان لائی تھیں۔ یہ سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ البتہ آپ کی پھوپھیوں عاتکہ اور اروی کے ایمان و اسلام کے بارے اختلاف ہے۔

س:۳۹... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کے نام بتلایئے؟

ج:۳۹... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کے نام (کہ جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے) (۱) القاسم... اسی کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم تھی۔ (۲) عبد اللہ اور (۳) ابراہیم رضی اللہ عنہم۔

س:۴۰... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں کون کون تھیں؟ سب کے نام بتلایئے!

ج:۴۰... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹیوں کے نام بالترتیب یوں تھے: رقیہ، ام کلثوم، زینب اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن جمیعاً۔ سب کی والدہ محترم اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔

س:۴۱... نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات محترمات کے خاوندوں کے نام بتلایئے؟

ج:۴۱... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹیوں کے خاوندوں کے نام یوں تھے:

(۱) رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المؤمنین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔

(۲) اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی بھی رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہی ہوئی تھی۔ اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین پڑا تھا۔

(۳)سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند کا نام جناب ابو العاص بن الربیع تھا رضی اللہ عنہ۔

(۴)اور سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المؤمنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔

س:۴۲... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی کتنی تعداد تھی کہ جن کے ساتھ آپ نے خلوت اختیار کی تھی؟اور وہ کون کون تھیں؟ ان کے ساتھ شادی کی ترتیب کے اعتبار سے ان کے نام بھی لکھیں۔

ج:۴۲... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ازواجِ مطہرات کہ جن کے ساتھ آپ نے خلوت اختیار فرمائی تھی ان کی تعداد گیارہ تھی اور شادیوں کی ترتیب کے اعتبار سے اُن کے نام یوں تھے۔(۱)اُمہات المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد(۲)سیّدہ سودہ بنت زمعہ(۳)سیّدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق(۴)سیّدہ حفصہ بنت عمر(۵)سیّدہ زینب بنت خزیمہ(۶)سیّدہ اُمّ سلمہ ہند بنت ابواُمیہ(۷)سیّدہ زینب بنت جحش بن ریاب(۸)سیّدہ جویریہ بنت الحارث(۹)سیّدہ اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان(۱۰)سیّدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب اور سیّدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنھن جمیعاً۔

س:۴۳... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی صاحبہ کون تھیں؟اور آپ نے اُن کے ساتھ شادی کب کی تھی؟

ج:۴۳... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے شادی کی تھی۔ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی بعثت نبوت ورسالت سے پندرہ سال قبل ہوئی تھی۔

س:۴۴...اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے وقت نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی اور اُن کی خود اپنی عمر کتنی تھی؟

ج:۴۴... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے وقت پچیس سال اور اُن کی عمر اس وقت چالیس سال تھی۔

س:۴۵... شادی کے بعد اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے کتنا عرصہ زندہ رہیں؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کیا تھا،کیا وہ اس وقت بیوہ تھیں یا کنواری؟اور کیا ان کی وفات سے پہلے تک ان کی زندگی میں آپؐ نے کسی اور بی بی سے بھی شادی کی تھی؟

ج:۴۵...اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُمّ المؤمنین کی حیثیت سے رسول اللہؐ کے ساتھ زندگی کے پچیس سال گزارے۔اور جب آپ رضی اللہ عنہا کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئی تو اس وقت آپ بیوہ تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات سے پہلے تک ان کی زندگی میں کسی اور بی بی سے شادی نہیں کی تھی۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۴۶... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، اُمہات المؤمنین میں سے وہ کون بیوی صاحبہ تھیں کہ جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ آپ ان کو جنت میں اُن کے ایسے گھر کی بشارت دے دیں جو یاقوتی جڑاؤ والے سچے موتی کا بنا ہوا ہو گا اور اس میں نہ کسی قسم کی محنت و مشقت اور شر کا اندیشہ ہو گا اور نہ ہی اس میں شور و غل ہو گا۔

ج:۴۶... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کہ جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے جنت میں ایک ایسے محل کی خوشخبری سنانے کا حکم فرمایا تھا کہ جو گول سچے موتی کا بنا ہوا ہے اور اس میں نہ کوئی شر، نقصان، محنت مشقت ہو گی اور نہ ہی شور و غل۔

س:۴۷... اُمّ المؤمنین والمؤمنات سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کے بارے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احساس و رجحان کیسا تھا؟

ج:۴۷... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کا اکثر ذکر کیا کرتے اور ان کی تعریف فرماتے کہ وہ کامل عورتوں میں سے تھیں۔ اور جب کوئی بکری وغیرہ ذبح کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں اس کا گوشت ضرور بھیجتے۔

س:۴۸... اُمہات المؤمنین والمؤمنات سیّدات اُمّ حبیبہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام کیا تھے؟

ج:۴۸... اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام رملہ بنت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ تھا، جب کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہ کا نام ھند بنت ابو اُمیہ تھا۔ رضی اللہ عنہا۔

س:۴۹... اُمہات المؤمنین میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کون کون سی ازواجِ مطہرات تھیں، جن کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی ہو گیا تھا؟ اور اُن کی تعداد کتنی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں؟

ج:۴۹... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، اُمہات المؤمنین میں سے سیّدہ خدیجہ بنت خویلد اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی ہو گیا تھا۔ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہو گیا تھا، جب کہ سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۴ ہجری میں شادی کی تھی اور یہ بی بی صاحبہ صرف اٹھارہ ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہ کر وفات پا گئیں۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی نو ازواجِ مطہرات بقیدِ حیات تھیں۔ رضی اللہ عنھن جمیعاً۔

س:۵۰... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے کون فوت ہوئیں اور کب؟

ج:۵۰... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران سنہ ۲۰ ہجری میں فوت ہوئیں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۵۱... اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سب سے آخر میں کون آپ کی بیوی صاحبہ فوت ہوئیں اور کب؟

ج:۵۱... اُمہات المؤمنین میں سے سیّدہ اُمّ سلمہ ھند بنت ابواُمیہ سب سے آخر میں سنہ ۶۲ ہجری میں فوت ہوئیں۔ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الثانیہ سنہ ۴ ہجری میں نکاح کیا تھا۔

س:۵۲... ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کون تھیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی بیٹیوں کی ماں کا نام کیا تھا؟

ج:۵۲... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ماریہ قبطیہ تھا رضی اللہ عنہا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بیٹے (القاسم اور عبداللہ) سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہم کے بطن سے تھے۔

س:۵۳... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے وہ کون اُمّ المؤمنین ہیں کہ جن کا لقب اُمّ المساکین تھا اور اُن کا یہ لقب کیوں پڑا تھا؟ ج:۵۳... اُمہات المؤمنین میں سے سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا لقب اُمّ المساکین تھا۔ اس نام سے وہ غریبوں اور مسکینوں سے ہمدردی و رحمدلی کی وجہ سے مشہور ہوئی تھیں۔

س:۵۴... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے وہ کون اُمّ المومنین تھیں کہ جن پر منافقوں نے فحش الزام لگایا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیج کر اُن کی برأت فرمائی تھی اور یہ برأت ساتوں آسمانوں کے اوپر سے دس آیات کی صورت میں نازل ہوئی کہ جنھیں قیامت تک پڑھا جائے گا۔ یہ آیتیں کون سی سورت میں ہیں؟

ج:۵۴... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما پر منافقوں نے برائی کی تہمت دھری تھی۔ اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے دس آیات مبارکہ اُتار کر آپ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان فرمادیا۔ جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے قیامت تک ان آیات کی تلاوت اہل ایمان کرتے رہیں گے۔ آیئے سورۃ النور میں درج ان دس آیات کا مطالعہ ہم بھی کرلیں۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ۝ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ۝ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ (النور: ۱۱ تا ۲۰)

" جن لوگوں نے (حضرت عائشہؓ پر) تہمت اُٹھائی تم ہی میں سے ایک گروہ ہے، اس طوفان کو اپنے حق میں بُرا مت سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اس گروہ میں سے ہر شخص نے جتنا گناہ سمیٹا اتنی سزا پائے گا اور جس نے ان میں سے اس طوفان کا بیڑا اٹھایا (بڑا حصہ لیا) اُس کو سخت سزا ہو گی۔ (مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا) جب تم نے یہ (نالائق) بات سنی تھی تو ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کو اپنی ذات والوں پر نیک گمان کرنا تھا اور یوں کہنا تھا یہ کھلا طوفان ہے۔ (اگر یہ طوفان اُٹھانے والے سچے تھے تو) کیوں اُس پر چار گواہ نہ لائے (جیسے شرع کا حکم ہے) پھر جب گواہ نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود وہی جھوٹے ٹھہرے۔

اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو اس بات کا کھوج کرنے میں (یا اُس کا چرچا کرنے میں) کوئی بڑا عذاب تم سے چمٹ جاتا۔ جب تم اس کو زبان در زبان لانے لگے (ایک نے سنا دوسرے سے کہہ دیا، اُس نے سنا تیسرے سے کہہ دیا) اور بے سمجھے بوجھے (تحقیق کیے) منہ سے بکنے لگے اور تم سمجھے یہ کوئی بڑی بات نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وہ بڑی تھی اور تم نے ایسا کیوں نہیں کیا جب یہ (جھوٹی) خبر سنی تھی تو کہہ دینا تھا ہم ایسی (بری بات) منہ سے نہیں نکال سکتے۔ سبحان اللہ! یہ (بڑا) بھاری طوفان ہے۔ (دیکھو!) اگر تم میں ایمان ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا (یا پھر ایسا کرنا تم پر حرام کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کھول کھول کر (اپنے) حکم تم سے بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے، حکمت والا۔ بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحش باتیں (لچھ پنے اور بدکاری کی) پھیلیں اُن کو دنیا اور آخرت (دونوں) میں تکلیف کا عذاب ہو گا۔ اور (چھپی غیب کی باتیں) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم تم پر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان رحم والا نہ ہوتا (تو تم تباہ ہو جاتے)۔"

س:۵۵... اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی کنیت ولقب کیا تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم کون تھے؟ ان کا نام کیا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کے دادا کا نام کیا تھا؟

ج:۵۵... اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُمّ عبداللہ اور لقب: صدیقہ بنت صدیق تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم اوّل خلیفۃ الرسول بلافصل سیّدنا ابو بکر صدیق کہ جن کا نام عبداللہ اور دادا محترم ابو قحافہ عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

س:۵۶... وہ کون سی بی بی تھیں جن کا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا؟ اس بی بی کا خاوند نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کون تھا؟ اور یہ بی بی صاحبہ فوت کب ہوئی تھیں؟

ج:۵۶... جس بی بی کا نکاح اللہ ربّ العزت نے ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، وہ تھیں سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ اور نبی کریمؐ سے قبل ان کے خاوند کا نام زید بن حارثہ تھا، رضی اللہ عنہ وارضہ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل از آغازِ نبوت مکی دور سے ہی خدمت گزار، آزاد شدہ غلام چلے آرہے تھے۔) سیّدہ زینب بنت جحشؓ (کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں اور ان کا نباہ جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نہ ہو سکا تھا اور اُنھوں نے ان کو طلاق دے دی تھی۔)... کا انتقال سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں ہی ہو گیا تھا۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۵۷... وہ کون بی بی صاحبہ ہیں جو تمام اُمہات المؤمنین میں یہ انفرادیت رکھتی ہیں کہ ان سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو یہ کنواری تھیں؟ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ خلوت اختیار فرمائی تو ان کی اُس وقت عمر کتنی تھی؟

ج:۵۷... اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ عائشہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو تمام اُمہات المؤمنین میں یہ انفرادیت حاصل تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی تو یہ کنواری تھیں۔ (باقی تمام اُمہات المؤمنین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حالت بیوگی میں ہوئی تھی۔) جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے خلوت اختیار فرمائی تو اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔

س:۵۸... سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کے اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے آٹھ افراد کے نام بتلایئے۔ علیہ السلام۔ اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لانے والے کون تھے؟

ج:۵۸... اُمّ المؤمنین والمومنات سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کے اسلام لانے کے بعد ایمان و اسلام اختیار کرنے والے پہلے آٹھ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بالترتیب یوں ہیں: (۱) ساداتنا ابو بکر عبد اللہ بن ابو قحافہ، (۲) علی بن ابو طالب، (۳) زید بن حارثہ، (۴) عثمان بن عفان، (۵) زبیر بن العوام، (۶) عبد الرحمن بن عوف، (۷) سعد بن ابی وقاص اور (۸) طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین و من اَرضوہ۔ ان میں سے آخری پانچ حضراتِ گرامی [ساداتنا عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین و من ارضوہ] نے سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان و اسلام قبول کیا تھا۔

س:۵۹... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء کون کون تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب کا نام بھی بتلایئے؟

ج:۵۹... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء (کہ جو کفر و ضلالت اور شرک و خرافات کے مقابلے میں اسلام کی سربلندی، اللہ کی توحید اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و تکریم میں اشعار کہتے تھے۔) ساداتنا عبد اللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب کا نام جناب ثابت بن قیس بن شماس تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (کہ جب بھی کسی موقع پر دین حنیف کی حقانیت، اللہ کی توحید خالص کے غلبہ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے دلائل پر مدلل اور فصیح و بلیغ گفتگو کرنے اور کفار و مشرکین کے مقابلے میں پرزور کی ضرورت پیش آتی تو سیّدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ گفتگو فرماتے تھے۔)

س:۶۰... واقعۂ معراج و اسراء کب پیش آیا تھا؟

ج:۶۰... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات بیت اللہ الحرام، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس، مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے اوپر ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک اللہ عزوجل کی طرف سے سیّدنا جبریل علیہ السلام کے ہمراہ لے جانے والا واقعہ سالِ نبوت کے دسویں سال... یعنی ہجرت سے تین سال قبل... پیش آیا تھا۔

س:۶۱... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات بیت اللہ الحرام، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات نماز پڑھی اور سیّدنا جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو برتن بھرے ہوئے لائے۔ بتلایئے ان برتنوں میں کیا

تھا؟ اور ان دونوں میں سے کس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا؟ اور پھر جناب جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا؟

ج:۶۱... جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے راتوں رات بیت المقدس تک لے جایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں دو رکعات نماز ادا کی۔ (یہ نماز آپؐ نے نبیائ کرام علیہم السلام کی امامت کرواتے ہوئے پڑھی تھی۔ اور براق کو مسجد اقصیٰ کے دروازے کے ایک حلقہ (گول کڑا) سے باندھ دیا تھا۔) اس وقت سیّدنا جبریل علیہ السلام آپ کے پاس ایک دودھ سے بھرا ہوا اور دوسرا شراب سے لبالب دو برتن لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا: ”ان دونوں میں سے جو چاہیں ایک کو اختیار فرمالیں۔“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے پیالہ کو اختیار فرمایا۔ اس پر سیّدنا جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ((اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ)) ... ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت (کہ جس میں تمام طرح کی خیر اور سب بھلائیاں ہیں) اختیار فرمائی ہے۔“ (اور یاد رکھیے کہ اگر آپ نے شراب کو اختیار کر لیا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔)[1]

س:۶۲... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر آسمانوں پر لے جایا گیا (واقعۂ معراج کے وقت) تو وہاں آسمانوں میں کچھ انبیاء کرام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یہ بتلایئے کہ ہر آسمان پر کس کس نبی سے آپ کی ملاقات ہوئی؟

ج:۶۲... جب واقعہ معراج کے موقع پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر لے جایا گیا تو آپ کی پہلے آسمان پر سیّدنا آدم، دوسرے آسمان پر سیّدنا عیسیٰ و یحییٰ جو باہم خالہ زاد تھے۔ تیسرے آسمان پر سیّدنا یوسف، چوتھے آسمان پر جناب ادریس، پانچویں آسمان پر جناب ہارون، چھٹے آسمان پر سیّدنا موسیٰ اور ساتویں آسمان پر سیّدنا ابراہیم علیہم الصلوٰات والسلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ (سب حضراتِ گرامی قدر سے جو گفتگو اور بات چیت ہوئی اُس کی تفصیل پچھلے سوال، جواب کے حاشیہ میں دی گئی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔)

[1] واقعہ کی تفصیل کے لیے: صحيح البخاري/ كتاب الصلاة/ حديث: ۳۴۹/ كتاب احاديث الانبياء/ حديث: ۳۳۴۲ اور ان پر شرح فتح الباری۔ صحيح مسلم/ كتاب الإيمان/ باب الاسراء برسول الله صلي الله عليه وسلم / حديث: ۴۲۱ تا حديث: ۴۲۲۔ اور اس سے لگے پانچ ابواب حديث ۴۲۵ تا حديث ۴۲۷۔ تفسیر ابن کثیر۔ سیرۃ ابن ہشام اور مسند الامام احمد وغیرہم۔

س:۶۳... جب نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو (ساتویں آسمان پر) ایک گھر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔ بتلایئے اس گھر کا نام کیا ہے؟ اس میں روزانہ کتنے فرشتے داخل ہوتے ہیں؟ اور ان کے اس عمل سے کس بات کا استدلال ہوتا ہے؟

ج:۶۳... ساتویں آسمان پر وہ گھر کہ جس کے ساتھ نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے خلیل سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تھا، اُس کا نام ”اَلْبَيْتُ الْمَعْمُوْر“ ... جس کا مطلب آباد گھر... ہوتا ہے اور یہ گھر فرشتوں کی عبادت کے ساتھ ہر وقت آباد رہتا ہے۔ اس گھر میں... (ہمارے زمینی نظام کے اعتبار سے چوبیس گھنٹوں والے) ایک دن میں ستر ہزار فرشتے اللہ کی عبادت کے لیے داخل ہوتے ہیں۔ اور جو فرشتے اس گھر میں ایک بار آکر اللہ کی عبادت کر جاتے ہیں وہ قیامت تک دوبارہ اس گھر میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ (سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام کیا تو انھوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

((مَرْحَبًا بِالْاَ خِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ ۔))والے الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔)البیت المعمور میں کسی فرشتے کی باری(دوبارہ نہ آنے کا معنی یہ ہے کہ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ کے سوا ان کی گنتی کسی کو معلوم نہیں۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا ۙ وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝﴾(المدثر:۳۱)

" اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے مقرر کیے ہیں اور ہم نے انیس کی گنتی اس لیے مقرر کی ہے کہ کافر(یہ سن کر) گمراہ ہوں(اور)اس لیے کہ کتاب والوں(یہود اور نصاریٰ کو)یقین پیدا ہو اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے اور کتاب والوں اور ایمان داروں کو(قرآن کی سچائی میں)کوئی شبہ نہ رہے اور اس لیے کہ کافر اور جن کے دل میں(شک کی)بیماری ہے وہ یوں کہیں بھلا اس انیس کی گنتی سے اللہ تعالیٰ کی کیا غرض ہے۔ اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لشکر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ باتیں تو بس لوگوں کی نصیحت کے لیے بیان کی گئی ہیں(نہ اور کسی غرض سے)۔"

س:۶۴...رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز کب اور کہاں پر فرض ہوئی تھی؟اور کیا جب نماز فرض ہوئی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ بھی تھا؟اس سے کس بات پر استدلال کیا جاسکتا ہے؟

ج:۶۴... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نماز فرض کی گئی تو اس وقت آپ معراج کی رات آسمانوں پر تھے۔(یعنی نماز کا تحفہ اہل ایمان و اسلام کے نبی کو دنیا پر نہیں بلکہ آسمانوں پر بلا کر عطا کیا گیا تھا۔)سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بیت معمور کی زیارت کے بعد نبی مکرم ختم الانبیاء والرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین کو پھر خدائے جبار جل جلالہ کے دربار میں پہنچایا گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو کچھ کہ وحی فرمائی اور پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گذرے تو انھوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچاس نمازوں کا؟ انھوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے پروردگار کے پاس واپس جایئے اور اپنی اُمت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ انھوں نے اشارہ کیا کہ ہاں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبار تبارک وتعالیٰ کے حضور لے گئے، اور وہ اپنی جگہ تھا... بعض طرق میں صحیح بخاری کا لفظ یہی ہے...اس نے دس نمازیں کم کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے لائے گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا تو اُنھیں خبر دی۔ انھوں نے کہا: آپؐ اپنے رب کے واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ عزوجل کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے صرف پانچ نمازیں باقی رکھیں۔ اس کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپسی اور طلب تخفیف کا مشورہ دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"

اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔" پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔[1] [1]زاد المعاد: ۲/۴۷، ۴۸۔

تو نماز کی فرضیت کے اس موقع پر نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مابین کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس سے ایک تو سیّد الانبیاء والرسل، امام الجنۃ والبشر محمد النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان معلوم ہوئی اور دوسری نماز کی اہمیت و فضیلت اور اس کی اللہ کے ہاں قدر و منزلت و رفعت شان معلوم ہوئی۔

س:۶۵... سب سے پہلے اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (اور آپ کی اُمت پر) کتنی نمازیں فرض ہوئی تھیں؟ اور اُس پیغمبر کا کیا نام ہے کہ جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اللہ ربّ العالمین سے نمازوں میں تخفیف کروالینے کی طرف مبذول کروائی تھی؟

ج:۶۵... اس سوال کے جواب کی وضاحت پچھلے جواب میں آچکی ہے کہ نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں، مگر ان میں تخفیف ہوتے ہوتے بالآخر یہ پانچ رہ گئیں۔ اور اس تخفیف کے لیے سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اس طرف مبذول کروائی تھی۔

اُمت اسلامیہ کے لیے شب و روز (چوبیس گھنٹوں والے دن) میں نمازیں فرض تو پانچ جبکہ دوسرے مقام پر اللہ عزوجل کا ارشاد یوں ہے:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝﴾(الاسراء:۷۹)

" اور رات کو کسی وقت جاگ اُٹھ (تہجد کی نماز پڑھ) یہ زیادہ ہے تیرے لیے عجب نہیں کہ (اس کی برکت سے) تیرا مالک تجھ کو (قیامت میں) مقام محمود تک پہنچائے۔" [1]

اور اللہ ربّ العالمین اپنے مومن بندوں کی اس ضمن میں صفت عالیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾(الذاریات:۱۵-۱۸)

" بے شک پرہیز گار (اللہ سے ڈرنے والے اُس دن) باغوں اور چشموں میں (مزے کرتے) ہوں گے، اُن کو جو ان کا مالک دیتا جائے گا، لیتے جائیں گے۔ (اللہ دے اور بندہ لے نعمت پر نعمت) بے شک یہ لوگ (بہشت میں جانے سے) پہلے ہی نیک تھے۔ رات کو تھوڑا ہی سوتے تھے اور سحر کے وقت (یا صبح سویرے) استغفار کرتے رہتے تھے۔" [2]

[1]یعنی فرض نماز کے علاوہ یہ خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نفل ہے کیونکہ آپ مغفور الذنب ہیں۔ بعض نے لکھا ہے یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نماز فرض ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں بھی ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا: وتر، مسواک، اور تہجد مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل۔ مگر یہ دوسری احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ (قرطبی) [2] یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں تہجد کی نماز کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے لوگو! غریبوں کو کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کرتے رہو... اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ (ابن کثیر)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

درج ذیل احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل (نمازِ تہجد) کو بہت لمبا کر کے پڑھا کرتے تھے۔

(۱) سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ایک رات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا لمبا قیام کیا کہ میری نیت بگڑ گئی۔ راوی حدیث ابو وائل پوچھنے لگے: "آپ کے دل میں کیا آیا تھا؟" اُنھوں نے کہا: "میرے دل میں آیا کہ میں بیٹھ جاؤں یا یہ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ دوں۔" (مگر چھوڑا نہیں اور شیطان کے وسوسہ کو دُور کر کے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لمبا قیام کیے رکھے۔)[1]

(۲) سیّدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ تہجد پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی رکعت میں) سورۃ البقرہ شروع کر دی۔ میرے دل میں آیا کہ آپ سو آیات کے بعد رکوع کر لیں گے، مگر آپ آگے بڑھ گئے۔ میرے دل میں اس کے بعد خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں سورۃ البقرہ مکمل پڑھیں گے اور رکوع کر لیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ اور آپؐ نے سورۃ النساء شروع کر دی اور اسے بھی مکمل پڑھ ڈالا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ آل عمران شروع فرمالی اور اسے بھی مکمل پڑھ لیا۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ (اور جلدی نہیں کرتے تھے۔) اور آپ جب کسی ایسی آیت کی تلاوت کرتے کہ جس میں اللہ کی تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ کہتے۔ اور جب آپ کا گزر (دورانِ قرأت) کسی ایسی آیت سے ہوتا کہ جس میں سوال (مانگنے) کا ذکر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگنے کی دُعا پڑھتے۔ اور جب تعوذ کی آیت سے گزرتے تو اللہ کی پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" پڑھنے لگے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ آپ کا رکوع بھی قیام کے برابر برابر تھا۔

[1] صحيح البخاري/ كتاب التهجد/ حديث: ۱۱۳۵۔ وصحيح مسلم/ حديث: ۱۸۱۵۔

اس کے بعد رکوع سے اُٹھ کر قیام میں "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" پڑھا (اور دیگر اذکار کیے) اور آپ اس قیام میں بھی رکوع کے برابر کھڑے رہے۔ (اس کی تسبیحات کے ساتھ ساتھ دوسرے اذکار و تسبیحات کرتے رہے) اور آپ کا سجدہ بھی آپ کے قیام کے برابر برابر تھا۔ (اور اس طرح آپ نے باقی نماز ادا کی۔)"[1]

س:۶۷... جب مکی دور میں مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے میں سختی آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں کس طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا تھا اور آپ نے اُن کے لیے اس ملک انتخاب کیوں کیا تھا؟

ج:۶۷... جب مکی دور میں مسلمانوں پر مکہ کے کفار و مشرکین کی طرف سے بہت زیادہ اذیت ناک تکلیفوں اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیے گئے تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں براعظم افریقہ کے ملک "حبشہ" کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے اس ملک کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ یہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہ کرتا تھا اور نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا تھا۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۶۸... ملک حبشہ کی طرف پہلی دفعہ ہجرت کب ہوئی تھی اور اس پہلی ہجرت میں مہاجرین کی تعداد کتنی تھی؟ یہ بھی بتلایئے کہ ملک حبشہ کے بادشاہ کا نام کیا تھا کہ جس نے مسلمان مہاجرین کا استقبال نہایت اچھے طریقے سے کیا تھا؟ ملک حبشہ، ملک فارس (ایران) اور ملک روم کے بادشاہوں کے القاب کیا ہوا کرتے تھے؟

ج:۶۸... ملک حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ماہِ رجب سنہ ۵ سالِ نبوت میں ہوئی تھی۔ اس میں ہجرت کرنے والے مردوں کی تعداد بارہ تھی اور ان میں چار مسلمان بی بیاں تھیں۔ (سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے۔ اور ان کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: "جناب ابراہیم خلیل اللہ اور حضرتِ لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے کہ جس نے اللہ کی

[1] صحیح مسلم/ کتاب صلاۃ المسافرین/ باب استحباب تطویل القراءۃ في صلاۃ اللیل/حدیث: ۱۸۱۴۔

راہ میں ہجرت کی ہے۔" [1] ان مسلمان مہاجرین کا استقبال کرنے والے ملک حبشہ کے بادشاہ کا نام اصحمہ تھا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اس دور میں ملک حبشہ کا لقب: نجاشی، ملک فارس کے بادشاہ کا لقب: کسریٰ اور ملک روم کے بادشاہ کا لقب: قیصر ہوا کرتا تھا۔

س:۶۹... ملک حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کب ہوئی تھی؟ اور اس دوسری ہجرت میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟

ج:۶۹... ملک حبشہ کی طرف مکی مسلمانوں کی دوسری ہجرت ۵ سالِ نبوت کے آخر میں ہوئی تھی اور اس میں مرد مہاجرین کی تعداد ۸۳ اور مسلم عورتوں کی تعداد اُنیس ۱۹ تھی۔ [2] پہلی ہجرتِ حبشہ کے مقابلے میں دوسری ہجرتِ حبشہ اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے تھی مگر اللہ عزوجل نے اسے بھی مسلمانوں کے لیے کامیاب بنادیا تھا۔

س:۷۰... ایک سال حج کے موقع پر جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو یثرب سے آنے والوں پر پیش کیا تو ان لوگوں کا موقف (کردار و عمل) کیا تھا؟ یہ واقعہ کب کا ہے؟ اور اس ملاقات کے نتیجے میں کتنے لوگ مسلمان ہوئے تھے؟ بیعت عقبہ اولیٰ کب ہوئی تھی؟ اور اس موقعہ پر کتنے لوگوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ اور ان کے ساتھ آپؐ نے کس صاحب کو دعوت و اصلاح کے لیے روانہ فرمایا تھا؟

ج:۷۰... گیارھویں سال نبوت کے موسم حج (جولائی ۶۲۰ء) میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب سے آتے ہوئے بعض لوگوں پر اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کو پیش کیا تو ان میں سے (قبیلہ خزرج سے تعلق رکھنے والے: اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث بن رفاعہ، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی اور حارث بن عبداللہ بن رئاب) چھ نوجوانوں نے دین حق کو قبول کر لیا اور مسلمان ہوگئے۔ علیہ السلام۔ اسلام کو قبول کرنے والے ان چھ سعادت مند یثربی اصحاب و احباب رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگلے سال کے موسم حج میں منیٰ کی گھاٹی عقبہ میں ملنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ

[1] دیکھئے: زاد المعاد: ۱/۲۴ ورحمۃ للعالمین: ۱/۶۱۔ [2] دیکھئے: زاد المعاد: ۱/۲۴ ورحمۃ للعالمین: ۱/۶۱۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اگلے بارھویں سالِ نبوت کے موسم حج میں یثرب کے بارہ افراد نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں ملاقات کی۔ جن میں پانچ پچھلے سال والے اصحاب اور سات نئے احباب تھے۔ نئے حضرات نے بھی ایمان و اسلام قبول کیا اور پھر ان بارہ حضرات نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، جسے تاریخ میں "بیعت عقبہ اولیٰ" کہا جاتا ہے۔ اسلام میں نئے داخل ہونے والے یثربی احباب کے نام یہ تھے: معاذ بن الحارث ابن عفراء، ذکوان بن عبد القیس، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ بن نضلہ، ابو الہیثم بن التیّھان اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ نبی معظم و معلم کائنات انس و جن صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کے ان بارہ حضرات کے ہمراہ سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وارضاہ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ رضی اللہ عنہ اہل یثرب کو قرآن کی تعلیم دیں اور انھیں دین سکھائیں۔

س:۷۱... بیعت عقبہ ثانیہ کب ہوئی تھی؟ اور جن لوگوں نے اس موقع پر رسول اللہؐ کے ہاتھ پر (موت اور دین حق پر استقلال کی) بیعت کی تھی ان کی تعداد کتنی تھی؟

ج:۷۱... اور پھر سالِ نبوت کے تیرھویں سال کے موسم حج (جون سنہ ۶۲۲ء) میں یثرب سے آنے والے تہتر (۷۳) مردوں اور دو عورتوں نے (۱۲ ذوالحجہ کی رات) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دین حق پر ڈٹ جانے اور اس راہ میں موت و حیات کی بیعت کی۔ (یہ دونوں عورتیں اُمّ عمارہ نسیبہ بنت کعب اور اُمّ منیع اسماء بنت عمرو تھیں رضی اللہ عنہما۔ اس بیعت کی تکمیل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارہ نقیب... سردار... مقرر فرمائے۔ (تفصیل الرحیق المختوم اُردو صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۸ پر دیکھی جاسکتی ہے۔)

س:۷۲... بیعت عقبہ میں انصارِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کی تھی؟

ج:۷۲... بیعت عقبہ میں ایمان والے انصارِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس بات پر بیعت کی تھی کہ: (۱) وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (اور نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنا ھادی و راہنما اور اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر دل و جان سے مانیں گے)۔ (۲) چوری نہیں کریں گے۔ (۳) زناکاری نہیں کریں گے۔ (۴) اپنی اولادوں کو قتل نہیں کریں گے۔ (۵) باہم ایک دوسرے پر بہتان تراشی نہیں کریں گے۔ (۶) اور نبی ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کریں گے۔[1]

س:۷۳... اپنی ہجرت کے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں پر اپنی ہجرت پوشیدہ رکھنے کے لیے کون کون سے کام ترتیب دیے تھے؟ اور اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

ج:۷۳... (اپنے وقت کے فرعون کی قیادت میں اللہ کے دشمنوں نے اپنی پارلیمنٹ میں جب نبی رحمت، حبیب ربّ کبریاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کے قتل کی مجرمانہ قرارداد پاس کرلی تو سیّدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی وحی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے ہجرت و روانگی کی اجازت دے دی ہے۔ اور یہ کہہ کر اُنھوں نے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرمادیا۔ اور پھر) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اُس وقت تشریف لائے کہ جس وقت آپ ان کے گھر

کبھی نہیں آتے تھے۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:(۱) آپ کے گھر میں جتنے افراد ہیں ان کو ذرادُور ہٹادو۔(اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہجرت کی اطلاع دی اور یہ بھی بتلایا کہ ہجرت میں سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوں گے۔(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نہایت پوشیدگی کی حالت میں نکلے۔(تاکہ دشمنوں کو اطلاع نہ ہو سکے)۔(۳) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف جانے والے عام راستے سے ہٹ کر دوسری راہ کو اختیار فرمایا۔(۴) اور

[1] مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم للشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمھما اللہ کے موجب مسند الامام احمد کی روایت میں کہ جسے امام حاکم اور ابن حبان رحمھما اللہ نے صحیح کہا ہے۔ مزید شقوں کا ذکر بھی ہے۔ ابن اسحق نے جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح درج کی ہے۔ دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۵۴۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے راستے سے واقف نہایت تجربہ کار اور دیانت دار شخص کو اُجرت پر ساتھ لیا۔(جس کا انتظام روانگی سے پہلے کیا جاچکا تھا)۔(۵) سیّدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ آپؐ کے بستر پر رات گزاریں تاکہ مشرکین کو وہم میں ڈالا جاسکے۔(۶) قریش مکہ کی روزانہ والی تازہ کوششوں اور سازشوں سے مطلع کرنے کے لیے ایک ساتھی کی ذمہ داری لگائی اور یہ کہ وہ سرراہ قیام کی جگہ کھانا بھی پہنچایا کرے۔(۷) اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمسفر کے ہمراہ غارِ ثور میں تین دن اور تین راتوں تک چھپے رہے اور ایک چرواہے کا انتظام بھی کرلیا تھا جو دونوں اصحاب الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اوّل خلیفۃ الرسول بلا فصل سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ) کے جائے مقام... غارِ ثور کے گرد ونواح میں اپنی بھیڑ بکریاں چراتا رہے اور دونوں نفسِ قدسیہ کو پینے کے لیے دودھ مہیا کرتا رہے اور دونوں صاحبین ضرورت کے مطابق یہ دودھ پیتے رہیں۔(۸) اس چرواہے کی یہاں پر تعیین کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنی بھیڑوں اور بکریوں کے ذریعے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نشانات کو مٹاڈالے تاکہ دونوں کی تلاشی میں آنے والے مشرکین ان کے جائے مقام سے مطلع نہ ہو سکیں۔

ان تمام اُمور سے اس بات کا استدلال بھی ہوتا ہے کہ: مومن آدمی کو ظاہری اسباب کے مہیا کرنے کا مکلف ومامور بنایا گیا ہے۔(اور یہ کہ ان اسباب کے بعد وہ مکمل طور سے اپنے بّ ذوالجلال پر توکل وبھروسہ کرے۔)

س:۴۷... جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اُس وقت آپ کی عمر مبارک کتنی تھی؟

ج:۴۷... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یثرب یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو اُس وقت آپ کی عمر ترپن(۵۳) سال تھی۔

س:۵۷... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کی طرف ہجرت کی تو اس وقت آپ کے ہمراہ کون کون تھے؟

ج:۵۷... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس اُمت کے سب سے افضل واعلیٰ فرد سیّدنا ابو بکر صدیق اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما تھے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۷۶... ہجرت والی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر کون سویا تھا؟ اور آپؐ نے اُن کے ذمہ یہ کام کیوں لگایا تھا کہ وہ آپ کے بستر پر سوئیں؟

ج:۷۶... ہجرت کی رات (۲۷ صفر سنہ ۱۴ سالِ نبوت بمطابق ۱۲ اور ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کی درمیانی رات) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر سونے والے سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ وارضاہ تھے۔ ہوا یوں تھا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تھا اور پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ جب آپ گھر سے باہر نکلیں گے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں گے۔ ادھر محاصرین وقت صفر کا انتظار کر رہے تھے لیکن اس سے ذرا پہلے انھیں اپنی ناکامی و نامرادی کا علم ہو گیا۔ ہوا یہ کہ ان کے پاس ایک غیر متعلق شخص آیا اور انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: محمدؐ کا۔ اس نے کہا: آپ لوگ ناکام و نامراد ہوئے۔ اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ لوگوں کے پاس سے گذرے اور آپ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے اپنے کام کو گئے۔ انھوں نے کہا؛ بخدا! ہم نے تو انھیں نہیں دیکھا اور اس کے بعد اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھ پڑے۔

لیکن پھر دروازے کی دراز سے جھانک کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوئے پڑے ہیں۔ ان کے اوپر ان کی چادر موجود ہے۔ چنانچہ یہ لوگ صبح تک وہیں ڈٹے رہے۔ ادھر صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اُٹھے تو مشرکین کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔[1]

[1] ابن ہشام: ۱/۴۸۲۔۴۸۳۔

اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مکہ سے دور نکل جانے کی فرصت مل گئی (یعنی موقعہ غنیمت ہاتھ آیا) اور وہ غارِ ثور تک پہنچ گئے کہ جس میں دونوں صاحبین نے تین دنوں تک پوشیدگی اختیار کر لی۔

س:۷۷... یثرب کی طرف ہجرت کے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی کرنے والے (گائڈ) کا نام کیا تھا؟ کیا وہ مسلمان تھا یا مشرک؟

ج:۷۷... ہجرت کے وقت نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے راستے کی راہنمائی کرنے والے کا نام عبد اللہ بن اُریقط اللیثی تھا اور یہ شخص مسلمان نہیں بلکہ مشرک تھا۔

س:۷۸... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت والے راستے میں واقعہ ایک پہاڑ کی اُس غار کا کیا نام ہے کہ جس میں آپ کچھ وقت کے لیے چھپے تھے؟

ج:۷۸... مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جس غار میں چھپے تھے اس کا نام "غارِ ثور" ہے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۷۹... اللہ ربّ العالمین نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾(التوبۃ:۴۰)

" اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو (تو اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں) اللہ پہلے بھی اکیلا اس کی مدد کر چکا ہے جب (مکہ کے) کافروں نے اس کو نکال دیا صرف دو دم (ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) جب دونوں غار (ثور) میں (چھپے ہوئے) تھے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی (ابو بکر رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہا تھا غم نہ کھا بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (یا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر) اتاری اور (اپنے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی فوجوں سے مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ اور کافروں کی بات (شرک) کو ہیٹا کر دیا اور اللہ کا سدا بول بالا ہے (اُسی کی بات بلند رہے گی، سچا دین ہمیشہ غالب رہے گا) اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا۔" تو مذکور بالا غارِ ثور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کون صاحب تھے؟ اور یہ دونوں صاحبین اس غار میں کتنے دن رہے تھے؟

ج:۷۹... مذکور بالا آیت کریمہ میں نبی مکرم ورحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس ساتھی کا ذکر کیا گیا ہے وہ اوّل خلیفۃ الرسول اللہ سیّدنا ابو بکر صدیق بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہما تھے۔ اور دونوں صاحبین نفوس قدسیہ اس غار میں تین دن تک قیام کیے رہے تھے۔

س:۸۰... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس غار میں کون صاحب رات کو آکر سوتے اور بنو قریش کے کافروں کو خبریں لا کر دیتے کہ وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو سازشیں کرتے اُن کے بارے میں آکر بتلاتے تھے؟

ج:۸۰... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس غارِ ثور میں آکر رات گزارنے والے جناب عبد اللہ بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے۔ صبح کے وقت مکہ چلے جاتے اور قریش کی نئی خبریں اور سازش کی منصوبہ بندی سے خبر داری حاصل کرتے اور رات کو آکر دونوں اصحاب سے بیان کر دیتے تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

س:۸۱... قریش مکہ نے اس شخص کے لیے کتنا انعام رکھا تھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑ لائے گا؟

ج:۸۱... قریش مکہ نے نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر ھذہ الامہ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کے سر کی قیمت سو اُونٹ رکھی تھی۔ (کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو پکڑ کر لائے یا قتل کر دے اُسے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔)

س:۸۲... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یثرب کی طرف ہجرت والے راستے پر رواں دواں تھے تو کس شخص نے ان دونوں نفوس قدسیہ کا پیچھا کیا اور پھر ان کو دیکھ لیا تھا؟ مگر وہ ان دونوں صاحبین کو قریش کے پاس پکڑ کر نہ لا سکا تھا۔ اس لیے کہ اس

کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے (جب اُس نے بُرے ارادے سے ان دونوں کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کیا وعدہ فرمایا تھا؟ اور یہ وعدہ کب پورا ہوا تھا؟

ج:۸۲... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے تو" سراقہ بن مالک " نے دونوں کو دیکھ لیا، مگر وہ صاحبین کو پکڑ کر قریش کے پاس مکہ نہ لا سکا۔ اس لیے کہ جب وہ برے ارادے سے دونوں کے قریب پہنچا تو اُس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں۔ صحیح البخاری میں سراقہ بن مالک کی روایت کا مطالعہ یہاں نہایت مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ میں اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آکر ہمارے پاس کھڑا ہوا اور ہم بیٹھے تھے۔ اس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ساحل کے پاس چند افراد دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا یہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں، بلکہ تم نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے گذر کر گئے ہیں۔ پھر میں مجلس میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد اُٹھ کر اندر گیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا نکالے اور ٹیلے کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرے۔ ادھر میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا۔ لاٹھی کا ایک سرا زمین پر گھسیٹ رہا تھا اور دوسرا اوپری سرا نیچے کر رکھا تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس پر سوار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب معمول مجھے لے کر دوڑ رہا ہے، یہاں تک کہ میں ان کے قریب آ گیا۔ اس کے بعد گھوڑا مجھ سمیت پھسلا اور میں اس سے گر گیا۔ میں نے اُٹھ کر ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پانسے کے تیر نکال کر یہ جاننا چاہا کہ میں انھیں ضرر پہنچا سکوں گا یا نہیں تو وہ تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا، لیکن میں نے تیر کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا، یہاں تک کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سن رہا تھا... اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے، جب کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے، یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں اس سے گر گیا، پھر میں نے اسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنے پاؤں بمشکل نکال سکا۔ بہر حال جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اُس پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھویں جیسا غبار اُڑ رہا تھا۔ میں نے پھر پانسے کے تیر سے قسمت معلوم کی اور پھر وہی تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا۔ اس کے بعد میں نے امان کے ساتھ انھیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا۔ جس وقت میں ان سے روک دیا گیا تھا، اسی وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ غالب آکر رہے گا، چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے دیت (کا انعام) رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا اور توشہ اور ساز و سامان کی بھی پیش کش کی مگر انھوں نے میرا کوئی سامان نہیں لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق راز داری برتنا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پروانۂ امن لکھ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو حکم دیا اور انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔[1]

[1] صحيح البخاري/ كتاب مناقب الانصار/ باب هجرة النبي صلي الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة/ حديث: ۳۹۰۶۔

اور پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے، جو کہ مسلمان ہو گئے تھے اس بات کا وعدہ فرمایا کہ وہ ایران کی فتح کے بعد کسریٰ فارس کے ہاتھ کے کنگن پہنے گا۔ اور یہ بات امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں ملک فارس کی اسلامی فتوحات کے بعد بالتحقیق ہو کر رہی۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۸۳... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کون سی تاریخ اور کون سے دن کو مدینہ منورہ پہنچے تھے؟ اور کون سے مہینے میں؟

ج:۸۳... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی شہر مکہ سے ہجرت کر کے یثرب کے شہر مدینہ طیبہ میں بروز سوموار / ۸ ربیع الاوّل سنہ ۱۴ سالِ نبوت یعنی سن ۱ ہجری بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء والے دن قباء میں رونق افروز ہوئے تھے۔ اور شہر مدینہ منورہ میں بروز جمعۃ المبارک ۱۲ / ربیع الاوّل کو چار دن کے بعد داخل ہوئے تھے۔

س:۸۴... جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کس صاحب کے ہاں فروکش ہوئے تھے؟ اور اُس کے پاس آپ کتنا عرصہ رہے تھے؟

ج:۸۴... مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے بعد نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ ان صاحب کا نام جناب خالد بن زید رضی اللہ عنہ تھا اور آپؐ ان کے ہاں سات ماہ تک قیام فرما رہے تھے۔

س:۸۵... مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نمازِ جمعہ کہاں پڑھی تھی؟

ج:۸۵... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں پہلا جمعہ (۱۲ / ربیع الاوّل سنہ ۱ھ کو) بنو سالم بن عوف کی آبادی میں وادی رانونائے بطن میں ادا فرمایا تھا۔ جمعہ میں کل ایک سو آدمی تھے۔

س:۸۶... وہ کون سی مسجد ہے کہ جسے مسلمانوں نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے تعمیر کیا تھا؟

ج:۸۶... سب سے پہلے مسلمانوں نے مدینہ طیبہ میں مسجد قباء تعمیر کی اور اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھی تھی۔

س:۸۷... ہجرت کے بعد مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلے کس بچے کی ولادت ہوئی تھی؟

ج:۸۷... ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے سیّدنا عبد اللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی تھی۔ ان کو گھٹی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ ان کی والدہ سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما تھیں۔

س:۸۸... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودی سردار حيي بن اخطب اور اُس کا بھائی آئے۔ ان دونوں کا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دین حق، اسلام کے بارے میں موقف (عمل و کردار) کیا تھا؟

ج:۸۸... جب سے یہود کو معلوم ہوا تھا کہ اسلامی دعوت یثرب میں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہے تب ہی سے انھوں نے ان ساری باتوں کو اپنے حساب میں داخل کر رکھا تھا۔ اسی لیے یثرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت ہی سے یہود کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہو گئی تھی؛ اگرچہ وہ اُس کے مظاہرے کی جسارت خاصی مدت بعد کر سکے۔ اس کیفیت کا بہت صاف صاف پتا ابن اسحٰق کے بیان کیے ہوئے ایک واقعہ

سے لگتا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ مجھے اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ملی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''میں اپنے والد اور چچا ابو یاسر کی نگاہ میں اپنے والد کی سب سے چہیتی اولاد تھی۔ میں چچا اور والد سے جب کبھی ان کی کسی بھی اولاد کے ساتھ ملتی تو وہ اس کے بجائے مجھے ہی اُٹھاتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قباء میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول فرما ہوئے تو میرے والد حیی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر آپؐ کی خدمت میں صبح تڑکے حاضر ہوئے اور غروبِ آفتاب کے وقت واپس آئے۔ بالکل تھکے ماندے، گرتے پڑتے لڑکھڑاتی چال چلتے ہوئے۔ میں نے حسب معمول چہک کر ان کی طرف دوڑ لگائی، لیکن اُنھیں اس قدر غم تھا کہ بخدا دونوں میں سے کسی نے بھی میری طرف التفات نہ کیا۔ اور میں نے اپنے چچا کو سنا وہ میرے والد حیی بن اخطب سے کہہ رہے تھے:

''کیا یہ وہی ہے؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں! خدا کی قسم!''

چچا نے کہا: ''آپ انھیں ٹھیک ٹھیک پہچان رہے ہیں؟''

والد نے کہا: ''ہاں!

''چچا نے کہا: ''تو اب آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا ارادے ہیں؟''

والد نے کہا: ''عداوت... خدا کی قسم!... جب تک زندہ رہوں گا۔''[1] [1] ابن ہشام: ۱/۵۱۸، ۵۱۹۔

س:۸۹... جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپؐ کے پاس یہودیوں میں سے ایک عالم شخص (کہ جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے) عبداللہ بن سلام آئے تھے۔ اُن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے بارے میں موقف کیا تھا؟ اور پھر یہودیوں کا اُن کے بارے میں موقف کیا تھا؟

ج:۸۹... سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (یثرب کے یہود میں سے ایک عالم شخص) عبداللہ بن سلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں آنے کی خبر پہنچی تو وہ آپ کے پاس چند باتوں کے متعلق سوال کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ اور پھر یوں پوچھا: میں آپ سے تین ایسی باتوں کے بارے میں سوال کرتا ہوں کہ جن کے بارے میں ایک سچے پیغمبر اور اللہ کے نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ (پہلا سوال یہ ہے کہ) قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہو گی؟ (دوسرا سوال) وہ کون سا پہلا کھانا ہو گا جو اہل جنت کھائیں گے؟ اور تیسرا سوال:... کیا سبب ہے کہ بچہ کبھی ماں کے مشابہہ ہوتا ہے اور کوئی بچہ باپ کے مشابہہ؟ (ان سوالات کے جوابات دیتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَخْبَرَنِيْ بِهٖ جِبْرِيْلُ آنِفًا۔)) . . . '' ان تمام چیزوں کے بارے میں سیّدنا جبریل علیہ السلام نے ابھی ابھی مجھے آکر خبر دی ہے۔'' عبداللہ بن سلام کہنے لگے: تمام فرشتوں میں سے یہی فرشتہ تو یہودیوں کا دشمن ہے۔ (جو اُن کی خباثتوں کے بھید کھول دیا کرتا تھا) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت (کے قائم ہونے) کی پہلی نشانی یہ ہو گی کہ لوگوں کو ایک آگ مشرق سے ہانک کر مغرب کی طرف لے جائے گی۔

(۲) جنتیوں کی پہلی غذا جو وہ کھائیں گے، مچھلی کے کلیجے کا بڑھا ہوا ٹکڑا ہو گا (جو نہایت لذیذ اور زود ہضم ہوتا ہے)۔(۳) اور جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو اس کی کیفیت یوں ہے کہ جب مرد کا مادہ منویہ (Male Gene, Bacterium جو X اور Y والے اجزاء Chromosomes پر مشتمل ہوتے ہیں) عورت کے مادہ منویہ (Female Gene, Bacterium جو X. X والے اجزاء Chromosomes پر مشتمل ہوتے ہیں) پر غالب آجاتا ہے تو بچہ مرد کے مشابہہ ہو جاتا ہے اور جب عورت کا مادہ منویہ مرد کے مادہ منویہ پر غالب آجاتا ہے تو بچہ عورت کے مشابہہ ہو جاتا ہے۔

عبد اللہ بن سلام نے یہ جوابات سن کر کہا: ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔)) . . . میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔(صلی اللہ علیہ وسلم) پھر عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہودی لوگ بڑے ہی افتراء پرداز (جھوٹی) قوم ہے۔ آپ اُن سے میرا حال دریافت کریں مگر یہ ہے کہ اُن کو میرے اسلام لانے کی خبر نہ ہو۔ چنانچہ یہودی جب آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: یہ عبد اللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟ وہ کہنے لگے: ہم سب میں سے اچھا اور ایک اچھے باپ کا بیٹا ہے۔ ہم سب میں سے افضل اور ایک افضل باپ کا بیٹا ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر عبد اللہ بن سلام مسلمان ہو جائے تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ وہ کہنے لگے: اس کام سے اللہ کی پناہ، اللہ اُسے اس کام سے بچائے رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر یہی سوال دھرایا تو ان ظالموں نے پھر وہی جواب دیا۔ اس وقت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو کہیں چھپ گئے تھے) باہر نکل کر کہنے لگے: " میں اس بات کی برملا گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ عزوجل کے سوا کوئی سچا معبود برحق نہیں اور بلاشبہ، بالتحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ " یہ سن کر یہودی ظالم کہنے لگے: عبد اللہ بن سلام ہم یہودیوں میں سب سے خراب اور ایک خراب آدمی کا بیٹا ہے۔ اور پھر اس کو برا بھلا کہنے لگے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے: " اے اللہ کے حبیب و خلیل پیغمبر! مجھے اسی بات کا ڈر تھا۔ "(ان کی بے ایمانی اور کفر پر اکڑ، تکبر ظاہر ہو گئے۔)[1]

س:۹۰... اللہ عزوجل کی طرف سے نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ کون سا عطا ہوا تھا؟

ج:۹۰... اللہ ربّ العزت کی طرف سے نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ " قرآنِ عظیم " عطا ہوا ہے، جو آج بھی اپنی اعجازی حیثیت سے کفار و مشرکین کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔

س:۹۱... نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایک معجزات کا ذکر کیجیے؟

ج:۹۱... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن واحادیث میں مذکور بعض معجزات کہ جو آپ کو اللہ کی طرف سے عطا ہوئے تھے، اُن کی تفصیل یوں ہے:

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعد زمانۂ مستقبل سے متعلق بعض اُمور کی خبریں کہ جو آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دی تھیں، اُن کے بارے میں اللہ عزوجل نے آپ کو مطلع فرما دیا اور ان میں سے اکثر بعینہٖ وقوع پذیر ہو چکیں، جس طرح آپ نے اُن کی خبر دی تھی۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

☆ایک موقعہ پر کسی بکری کی پکی ہوئی ران کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنا کہ اس میں یہود کی طرف سے زہر ملائی گئی ہے۔

☆ایک موقعہ پر کھائے جانے والے کھانے کا تسبیح پڑھنا۔

☆نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے ایک جہادی سفر کے دوران پانی کا، چشمے کی طرح بہہ پڑنا۔

☆فتح مکہ کے موقع پر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پکڑی نیام میں بند تلوار کے اشارے سے بتوں کا دھڑام سے گرتے چلے جانا۔

[1] صحيح البخاري/ كتاب مناقب الأنصار/ حديث: ۳۹۱۱، ۳۹۳۸ وكتاب التفسير/ حديث: ۴۴۸۰، وكتاب احاديث الانبياء/ حديث: ۳۳۲۹۔

☆چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔

☆نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درختوں اور پتھروں کا سلام کرنا۔

☆تھوڑے سے کھانے کا (غزوۂ خندق کے موقعہ پر) بہت زیادہ ہو جانا۔

☆بعض غزوات میں فرشتوں کا نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کافروں سے قتال کرنا۔

☆کھجور کے ایک تنے کا (مسجد نبوی میں) رونا۔

☆اسراء و معراج کا (سنہ ۱۰ سالِ نبوت میں) واقعہ۔

☆ایک درخت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل کر آنا۔

☆نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے جناب قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی نظر کا واپس مل جانا۔

س:۹۲... وہ کون لوگ ہیں کہ جن کی محبت پر ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہمیشہ مقدم رکھیں؟ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مقدم رکھنا واجب ہے؟

ج:۹۲... صحیحین کی احادیث کی رُو سے ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے حبیب و خلیل پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے والدین، بہن، بھائی، اپنی اولاد، ہر طرح کے اموال اور دنیا جہان کے تمام لوگوں کی محبت اور الفت سے زیادہ مقدم و افضل رکھیں۔ اسی طرح ہم پر یہ بھی واجب ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی جان کے ساتھ پیار سے بھی زیادہ محبوب و مقدم جانیں۔ چنانچہ سیّدنا انس بن مالک اور جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔))[1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

" اُس بّ ذوالجلال کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص تب تک ایمان والا نہیں ہو سکتا حتی کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والدین (اور اس رشتہ کی برابری والے تمام عزیز و اقارب) اس کی اولاد (اور اس رشتہ کی

[1] صحيح البخاري/ حديث: ۱۴، ۱۵، باب حب الرسول صلي الله عليه وسلم من الإيمان۔

برابری والے تمام تمام عزیز و اقارب) اور دنیا جہان کے تمام (چھوٹے بڑے، محترم و غیر محترم) لوگوں سے زیادہ محبوب و مقدم ہو جاؤں۔"

س:۹۳... کیا نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا طواف کرنا شامل ہے؟ اسی طرح کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا اور آپ کی رفعت و منزلت کو اللہ کے مقرر کردہ درجہ سے بلند کرنا جائز ہے؟

ج:۹۳... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یہ بات شامل نہیں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا طواف کیا جائے۔ (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف منہ کر کے ایسی ہیئت و صورت کی جائے کہ جیسی اللہ عزوجل کے سامنے کھڑے اور بیٹھتے وقت کی جاتی ہے۔ جیسے کہ آج کل بہت سارے جاہل لوگ مسجد نبوی میں ایسا کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔) اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور حجرہ مبارکہ کو عید گاہ بنالیا جائے۔ نہ ہی یہ جائز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں شامل ہے کہ؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مافوق الاسباب کے بارے میں مانگا جائے اور آپؐ کے مرتبہ و مقام کو اس درجہ سے بڑھا دیا جائے جو بّ ذوالجلال نے آپ کے بارے میں قرآن و سنت میں مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جسے سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ ! قَوْلُوا بِقَوْلِكُمْ ، وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ؛ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔))[1]

" لوگو! اس بات سے خبردار رہو! اور اللہ کا ڈر اختیار کرو! میرے بارے میں ادب کے وہ الفاظ جو جائز ہیں کہنا وہ تم کہہ سکتے ہو۔ مگر یاد رکھو! ایسا نہ ہو کہ شیطان کہیں تمھیں اپنے تابع بنالے۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں (جو قریش میں سے ہاشم

[1] مسند الامام أحمد: ۳/۲۴۹، ۳/۱۵۴، ۴/۲۵، وقال الشيخ/ شعيب الأرناؤوط: اسناده صحيحٌ۔

کے بیٹے عبد المطلب کا پوتا ہوں) صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول۔ اللہ بّ ذوالجلال کی قسم! میں اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ میری اُس قدر و منزلت سے کہیں زیادہ مجھے بڑھاؤ اور بلند کر دو کہ جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے۔"

س:۹۴... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی سچائی پر دلالت کرنے والے چند اہم اُمور کا ذکر کرتے ہوئے اس محبت کے تقاضوں اور اس کے لوازم کو بھی بیان کیجیے؟

ج:۹۴... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت پر دلالت کرنے والے اُمور اور اس محبت کے مقتضیات و لوازم تو بہت زیادہ ہیں مگر ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ا: جس کام کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس حکم کو بجالانا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے (جنت، دوزخ، بعثت بعد الموت، قیامت، فرشتوں وغیرہ کے متعلق) خبر دی ہے اس کی ایمان ویقین سے تصدیق کرنا اور جن کاموں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ڈرایا ہے انھیں ترک کر دینا اور یہ کہ اللہ عزوجل کی عبادت ٹھیک اس طرح سے کی جائے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع کی ہے۔

ب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وراہنمائی کو اساس بناتے ہوئے اسی کی اتباع واقتداء کرنا۔

ج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سیکھنا اور اسے آگے سکھانا اور نشر کرنا۔ د: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سیکھنا اور اسے آگے سکھانا اور نشر کرنا۔ ھ: ہر طاہر وقت اور حالت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا بالخصوص آپ کے ذکر کے وقت۔

و: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وشان اور سیرت کا دفاع کرنا اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کو گھٹانے کی کوشش کریں ان پر علمی، عملی (اور طاقت والا) ردّ پیش کرنا۔

ز: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر والے حجرہ مبارک کے پاس آواز اونچی نہ کرنا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھی سنائی جارہی ہو تو اُسے بغور سننا۔

ح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن وسنت والے اصلی دین کی نشر واشاعت کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا۔

ط: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صالح اور سنت پر عمل پیرا آل سے محبت کرنا، اور اُمہات المؤمنین آپ کی پاکباز وپاک دامن ازواجِ مطہرات اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی محبت کرنا۔

س:۹۵... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے؟ دلیل میں کم از کم دو واقعات کا ذکر ضرور کیجیے؟

ج:۹۵... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ نہایت الفت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ اس کے لیے بہت سارے واقعات کتابوں میں درج ہیں۔ صرف دو پر ہم اکتفا کرتے ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سیّدہ اُمامہ بنت ابوالعاص جو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہن کے بطن سے تھیں، جب چھوٹی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور یہ قریب آجاتیں تو آپ انھیں اُٹھالیا کرتے تھے۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ: سادا تنافاطمہ وعلی کے صاحبزادے حسن وحسین رضی اللہ عنہم اجمعین دکھائی دیے کہ مسجد میں گرتے پڑتے آرہے ہیں (جیسے بچے بچپن میں چلا کرتے ہیں) تو آپ منبر سے نیچے تشریف لاتے ہیں اور ان کو گود میں اُٹھالیتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے وقت چاہتے تھے کہ نماز کو لمبا کردیں مگر اچانک کسی بچے کی رونے کی آواز آتی تو آپ نماز کو مختصر کر دیتے، تاکہ نہ یہ آپ پر مشکل گزرے اور نہ ہی بچے کی ماں پر۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے ہنسی مزاح بھی کرلیتے تھے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۹۶... چند ایسے مواقع و مقامات ذکر کیجیے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد و سلام (صلوٰۃ و سلام) پڑھنا مشروع (واجب، فرض یا مستحب) ہے؟

ج:۹۶... جن مقامات و مواقع اور حالات میں نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا صالح ترین اعمال میں سے ہے، وہ ہیں تو بہت زیادہ مگر ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

۱: ہر نماز کے آخری تشہد میں بالوجوب پڑھنا (جبکہ پہلے تشہدوں میں بھی پڑھنا مستحب ہے)

۲: جب مؤذن اذان ختم کرلے تو اُس وقت اذان کی دُعا سے قبل ابراہیمی صلوٰۃ و سلام پڑھنا چاہیے۔

۳: ہر دُعا کے شروع میں اور آخر میں۔

۴: ہر مسجد کے اندر داخل ہوتے وقت اور ہر مسجد سے نکلتے وقت۔

۵: ہر جمعہ والے دن اور جمعہ کی رات (جمعرات اور جمعہ کے دن کی درمیانی رات میں)

۶: مسلمانوں کی ہر مجلس کے اختتام سے پہلے۔

۷: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کا ذکر آنے پر۔

۸: دورانِ سعی صفا اور مروہ پر کھڑے ہو کر۔

۹: ہر صبح اور ہر شام کو دس دس بار۔ صحیح روایات سے ثابت دُرود کے صحیح الفاظ یوں ہیں:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ أَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔))

س:۹۷... قرآنِ حکیم میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کتنی بار آیا ہے؟

ج:۹۷... قرآنِ کریم میں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "محمد" چار بار اور نام "اَحمد" ایک بار آیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

س:۹۸... جو مومن آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے اُسے کیا فضیلت حاصل ہوتی ہے؟ (اور کتنا اجر ملتا ہے؟)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج:۹۸... جو مسلمان، مومن آدمی نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اس کے دس گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اُس کے دس درجات بلند کر دیتے ہیں۔

س:۹۹... اس شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پاس (حالت ایمان واسلام میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نہ پڑھے؟

ج:۹۹... سیّدنا حسین بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔))... " وہ شخص اللہ کے ہاں بخیل اور کنجوس شمار ہوتا ہے کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر دُرود نہ پڑھے۔" [1]

س:۱۰۰... جو مومن مسلمان آدمی نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً ہر صبح وشام دس، دس بار صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے، اسے کتنی فضیلت اور کتنا اجر وانعام ملتا ہے؟

ج:۱۰۰... صبح وشام دس دس بار نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے والے کو (صحیح احادیث کی رُو سے) قیامت والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہو گی۔ (جس سے اُس کا حساب آسان ہو گا اور وہ جنت میں جا داخل ہو گا۔) س:۱۰۱... جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے کون کون سے قبیلے (اور اُن کے گروہ) آباد تھے؟

[1] جامع الترمذي/ حديث: ۳۵۴۶ وهو صحيحٌ... شیخ ناصر الدین ؒ- یاد رکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر دُرود پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے۔ انگوٹھے چومنا اور کوئی دوسری حرکت کرنا قطعاً محبت کی دلیل نہیں۔

ج:۱۰۱... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آکر آباد ہوئے تو یہاں پر یہودیوں کے تین بڑے قبیلے اور گروہ آباد تھے۔ (۱) یہود بنی قریظہ، (۲) یہود بنی نضیر اور (۳) یہود بنی قینقاع۔

س:۱۰۲... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آرہے تو آپ کا یہودیوں کے بارے میں ردّ عمل (موقف) کیا تھا؟

ج:۱۰۲... جب نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ چھوڑ کر) مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تو آپ نے آتے ہی (کچھ دنوں کے بعد) یہاں پر آباد یہودیوں سے امن کا معاہدہ کیا اور اپنے اور یہودیوں کے درمیان ایک صحیفہ (عہد نامہ) لکھوایا۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد یہودیوں نے یہ عہد ومعاہدہ توڑ ڈالا۔ چنانچہ ان میں سے بعض کو اس نقض عہد (اور اللہ عزوجل، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے ساتھ زیادتی، گستاخی اور ظلم کرنے) کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور بعض کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کر کے باہر نکال دیا گیا۔

س:۱۰۳... یہود بنی قینقاع کا مدینہ منورہ سے خروج وصفایا کیسے مکمل ہوا؟ اور ان کا یہاں سے صفایا وازالہ کیوں ہوا تھا؟

ج:۱۰۳... بنو قینقاع کے یہودیوں کی مدینہ طیبہ سے نکالی جانے کی داستان اس طرح ہے کہ: جب اللہ عزوجل کی خاص مدد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ پر مقامِ بدر میں فتح حاصل کرلی تو اس سے اس قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی حسد کی آگ میں جل بھن کر رہ گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے میدانِ بدر میں مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو ان کی سرکشی میں شدت آگئی۔ انھوں نے اپنی شرارتوں، خباثتوں اور لڑانے بھڑانے کی حرکتوں میں وسعت اختیار کرلی اور خلفشار پیدا کرنا شروع کردیا، چنانچہ جو مسلمان ان کے بازار میں جاتا، اس سے وہ مذاق و استہزاء کرتے اور اُسے اذیت پہنچاتے حتی کہ مسلمان عورتوں سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔

اسی طرح جب صورتِ حال زیادہ سنگین ہوگئی اور ان کی سرکشی خاصی بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرما کر وعظ و نصیحت کی اور رُشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوئے ظلم و بغاوت کے انجام سے ڈرایا، لیکن اس سے ان کی بدمعاشی اور غرور میں کچھ اور ہی اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ امام ابو داؤدؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بدر کے دن شکست دے دی اور آپ مدینہ تشریف لائے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع کیا اور فرمایا: ''اے جماعت یہود! اس سے پہلے اسلام قبول کرلو کہ تم پر بھی ویسی ہی مار پڑے جیسی قریش پر پڑچکی ہے۔'' انھوں نے کہا: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمھیں اس بنا پر خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہاری مڈبھیڑ قریش کے اناڑی اور ناآشنائے جنگ لوگوں سے ہوئی اور تم نے انھیں مار لیا۔ اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہوگئی تو پتا چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہمارے جیسے لوگوں سے تمھیں پالا نہ پڑا تھا۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:[1]

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾ (آل عمران: ۱۳،۱۲)

'' ان کافروں سے کہہ دو کہ عنقریب مغلوب کیے جاؤگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤگے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ جن دو گروہوں میں ٹکر ہوئی ان میں تمہارے لیے نشانی ہے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔ یہ ان کی آنکھوں دیکھنے میں اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی تائید چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے اندر یقیناً نظر والوں کے لیے عبرت ہے۔''

بہرحال بنو قینقاع نے جو جواب دیا تھا اس کا مطلب صاف صاف اعلانِ جنگ تھا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا غصہ پی لیا اور صبر کیا۔ مسلمانوں نے بھی صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

[1] سنن ابی داؤد مع عون المعبود: ۲/ ۱۱۵۔ ابن ہشام: ۱/ ۵۵۲۔

ادھر اس نصیحت کے بعد یہود بنو قینقاع کی جرأت رندانہ اور بڑھ گئی؛ چنانچہ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ انھوں نے مدینے میں بلوہ اور ہنگامہ بپا کردیا جس کے نتیجے میں انھوں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھودلی اور اپنے اوپر زندگی کی راہ بند کرلی۔ ابن ہشام نے ابو عون سے روایت کی ہے کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی اور بیچ کر (کسی ضرورت کے لیے) ایک سنار کے پاس، جو یہودی تھا، بیٹھ گئی۔ یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کردیا۔ اس پر سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا پچھلی طرف باندھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب وہ اٹھی تو اس سے بے پردہ ہوگئی تو یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ اس پر اس عورت نے چیخ پکار مچائی، جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار

پر حملہ کیا اور اُسے مار ڈالا۔ جواباً یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد مقتول مسلمان کے گھر والوں نے شور مچایا اور یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں بلوہ ہو گیا۔[1] [1] ابن ہشام: ۲/۴۷، ۴۸۔

اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کا انتظام ابولبابہ رضی اللہ عنہ بن عبد المنذر کو سونپا اور خود، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کے ہاتھ میں مسلمانوں کا پھریرا دے کر اللہ کے لشکر کے ہمراہ بنو قینقاع کا رُخ کیا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور شوال سنہ ۲ھ کی ۱۵ تاریخ۔ پندرہ روز تک... یعنی ہلال ذی القعدہ کے نمودار ہونے تک... محاصرہ جاری رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی سنت ہی یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنا چاہتا ہے تو ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے؛ چنانچہ بنو قینقاع نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جان و مال، آل و اولاد اور عورتوں کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے، انھیں منظور ہو گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان سب کو باندھ لیا گیا۔

بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کے ساتھ (جس کے اظہارِ اسلام پر ابھی کوئی ایک ہی مہینہ گذرا تھا) رعایت کا معاملہ کیا اور اس کی خاطر ان سب کی جان بخشی کر دی، البتہ انھیں حکم دیا کہ وہ مدینے نکل جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں نہ رہیں؛ چنانچہ یہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں اکثر کی موت واقع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اموال ضبط کر لیے۔ جن میں سے تین کمانیں، دو زِرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے اپنے لیے منتخب فرمائے اور مالِ غنیمت میں سے خمس بھی نکالا۔ غنائم جمع کرنے کا کام محمد بن مسلمہ نے انجام دیا۔[1] [1] زاد المعاد: ۱/۹۱، ۲۔ ابن ہشام: ۲/۴۷، ۴۸، ۴۹۔

س:۱۰۴... بنو نضیر کے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے کیسے اور کیوں نکالا گیا؟

ج:۱۰۴... یہود بنی نضیر کی مدینہ منورہ سے جلاوطنی کی داستان کچھ یوں ہے کہ؛ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہمراہ یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بنو کلاب کے ان دونوں مقتولین کی دیت میں اعانت کے لیے بات چیت کی... جنھیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اُمیہ ضمری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا... ان پر معاہدے کی رُو سے یہ اعانت واجب تھی۔ اُنھوں نے کہا: "ابو القاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھئے ہم آپ کی ضرورت پوری کیے دیتے ہیں۔" آپ ان کے ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اور ان کے وعدے کی تکمیل کا انتظار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت بھی تشریف فرما تھی۔ ادھر یہود تنہائی میں جمع ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور جو بد بختی ان کا نوشتہ تقدیر بن چکی تھی اسے شیطان نے خوشنما بنا کر پیش کیا۔ یعنی ان یہود نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے کہا: "کون ہے جو اس چکی کو لے کر اوپر جائے اور آپ کے سر پر گرا کر آپ کو کچل دے۔" اس پر ایک بد بخت یہودی عمرو بن جحاش نے کہا: میں... ان لوگوں سے سلام بن مشکم نے کہا کہ بھی کہ ایسا نہ کرو کیونکہ خدا کی قسم! انھیں تمہارے ارادوں کی خبر دے دی جائے گی اور پھر ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد و پیمان ہے، یہ اس کی خالف ورزی بھی ہے، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور اپنے منصوبے کو روبہ عمل لانے کے عزم پر بر قرار رہے۔

ادھر ربّ العالمین کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے ارادے سے باخبر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے اُٹھے اور مدینے کے لیے چل پڑے۔ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی آپ سے آن ملے اور کہنے لگے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ آئے اور ہم سمجھ نہ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ یہود کا کیا ارادہ تھا۔

مدینہ واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس روانہ فرمایا اور انھیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ اب یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمھیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا، اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اس نوٹس کے بعد یہود کو جلاوطنی کے سوا کوئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آیا۔ چنانچہ وہ چند دن تک سفر کی تیاریاں کرتے رہے۔ لیکن اسی دوران عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ برقرار رہو، ڈٹ جاؤ اور گھر بار نہ چھوڑ۔ میرے پاس دو ہزار مردِ جنگی ہیں، جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو کر تمہاری حفاظت میں جان دے دیں گے اور اگر تمھیں نکالا ہی گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکالے جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی سے ہرگز نہیں دبیں گے؛ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بنو قریظہ اور بنو غطفان جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔

یہ پیغام سن کر یہود کی خود اعتمادی پلٹ آئی اور انھوں نے طے کر لیا کہ جلاوطن ہونے کے بجائے ٹکر لی جائے گی۔ ان کے سردار حیی بن اخطب کو توقع تھی کہ رأس المنافقین نے جو کچھ کہا ہے وہ پورا کرے گا، اس لیے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جوابی پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے دیار سے نہیں نکلتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کرنا ہو کر لیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لحاظ سے یہ صورتِ حال نازک تھی، کیوں کہ ان کے لیے اپنی تاریخ کے اس نازک اور پیچیدہ موڑ پر دشمنوں سے ٹکڑاؤ کچھ زیادہ مفید و مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک ہو سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ ہی رہے ہیں کہ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور مسلمانوں کے دو تبلیغی وفود نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیے جا چکے تھے۔ پھر بنی نضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا اور ان سے جنگ مول لینے میں طرح طرح کے خدشات تھے، مگر بئرِ معونہ کے المیے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جو نئی کروٹ لی تھی اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بدعہدی جیسے جرائم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبۂ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ چونکہ بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام بنایا تھا۔ اس لیے ان سے بہر حال لڑنا ہے۔ خواہ اس کے نتائج جو بھی ہوں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیی بن اخطب کا جوابی پیغام ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے کہا: اللہ اکبر؛ اور پھر لڑائی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا انتظام سونپ کر بنو نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں علم تھا بنو نضیر کے علاقے میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ادھر بنو نضیر نے اپنے قلعوں اور گڑھوں میں پناہ لی اور قلعہ بند رہ کر فصیل سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔ چوں کہ کھجور کے باغات ان کے لیے سپر کا کام دے رہے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ بعد میں اسی کی طرف اشارہ کرتے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

" بنی لوئی کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ بویرۃ میں آگ کے شعلے بلند ہوں۔(بویرہ! بنو نضیر کے نخلستان کا نام تھا)"

اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نازل ہوا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾(الحشر:۵)

" تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جنھیں اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا وہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا اور ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ اللہ ان فاسقوں کو رسوا کرے۔" بہر حال جب ان کا محاصرہ کر لیا گیا تو بنو قریظہ ان سے الگ تھلگ رہے۔ عبد اللہ بن اُبی نے بھی خیانت کی اور ان کے حلیف غطفان بھی مدد کو نہ آئے۔ غرض کوئی بھی انھیں مدد دینے یا ان کی مصیبت ٹالنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعے کی مثال یوں بیان فرمائی:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ ط﴾(الحشر:۱۶)

" جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کفر کرو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے میں تم سے بری ہوں۔"

محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا بلکہ صرف چھ رات... یا بقول بعض پندرہ رات... جاری رہا کہ اس دوران اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلوا بھیجا کہ ہم مدینے سے نکلنے کو تیار ہیں۔ آپ نے ان کی جلاوطنی کی پیش کش منظور فرمالی اور یہ بھی منظور فرمالیا کہ وہ اسلحہ کے سوا باقی جتنا ساز و سامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں، سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

بنو نضیر نے اس منظوری کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور اپنے ہاتھوں اپنے مکانات اُکھاڑ ڈالے تا کہ دروازے اور کھڑکیاں بھی لاد کر لے جائیں۔ بلکہ بعض بعض نے تو چھت کی کڑیاں اور دیواروں کی کھونٹیاں بھی لاد لیں۔ پھر عورتوں اور بچوں کو سوار کیا اور چھ سو اونٹوں پر لد لدا کر روانہ ہو گئے۔ بیشتر یہود اور ان کے اکابر مثلاً حیی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق نے خیبر کا رُخ کیا۔ ایک جماعت ملک شام روانہ ہوئی۔

صرف دو آدمیوں یعنی یامین رضی اللہ عنہ بن عمرو اور ابو سعید رضی اللہ عنہ بن وہب نے اسلام قبول کیا۔ لہٰذا ان کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق بنو نضیر کے ہتھیار، زمین، گھر اور باغات اپنے قبضے میں لے لیے ہتھیار میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

س:۱۰۵... مدینہ طیبہ میں آباد تیسرے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کا صفایا کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟

ج:۱۰۵... بنو قریظہ کے مدینہ منورہ سے صفایا کرنے کا سبب اور اس کی تفصیل یوں ہے کہ: جنگ احزاب کے موقعہ پر (شوال سنہ ۵ ہجری میں) جب قریش مکہ اپنے ہمراہ خیبر میں آباد یہود بنی نضیر اور جزیرۃ العرب کے دیگر مشرکین و کفار کو ساتھ لے کر (دس ہزار کے لشکر کی تعداد میں) مدینہ منورہ میں مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے تو دورانِ جنگ بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے گئے حلیفانہ معاہدہ کو توڑ

ڈالا اور اس مشکل ترین وقت میں انھوں نے مشرکین کا ساتھ دیا۔(مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچایا) چنانچہ جب جنگ خندق انتہا کو پہنچ گئی اور جنگ کا فیصلہ اللہ عزوجل کی خاص مدد کے ساتھ کافروں، مشرکوں کی پوری رسوائی سے واپسی کے ساتھ مسلمانوں کے حق میں ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی قریظہ کے یہودیوں کا گھراؤ کر کے انھیں قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے محلہ کی طرف نکل کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس راتوں تک جاری رہا۔ اور پھر یہ لوگ بنو اوس کے سردار سیّدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم اور فیصلہ پر اپنے قلعوں سے نیچے اُترے۔ بنو اوس زمانۂ جاہلیت میں بنو قریظہ کے حلیف تھے۔(اور اس موقع پر بھی ان یہودیوں نے سیّدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کے بارے میں جناب سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: تو ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور اموال تقسیم کر دیے جائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((لَقَدْ حَكَمْتَ بِهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔)) . . . " تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔" یہ واقعہ غزوۂ خندق کے فوراً بعد پیش آیا تھا۔

س:۱۰۶... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کس نے کیا تھا؟ اور مدینہ منورہ میں منافقوں کا سردار کون تھا؟

ج:۱۰۶... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے والے کا نام" لبید بن المصم" اور وہ یہودی تھا۔(مکی دور میں نفاق نہیں تھا، جو لوگ ایمان لائے وہ پکے، پختہ مسلمان تھے اور باقی سب لوگ کفار ومشرکین تھے۔ البتہ مدینہ میں نفاق کا آغاز ہوا) اور سب منافقوں کا سردار اور رئیس عبد اللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ جبکہ اُس کا اپنا بیٹا عبد اللہ خیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے تھا۔

س:۱۰۷... مدینہ منورہ میں مصالحت اختیار کرنے والے یہودیوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسا معاملہ کرتے تھے؟ اپنے بیان پر دلیل کے لیے کوئی بھی درج کریں۔

ج:۱۰۷... مدینہ طیبہ میں مصالحت کا راستہ اختیار کرنے والے یہودیوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت اچھا سلوک کیا کرتے تھے۔ اس پر بہت سے واقعات ودلائل موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت شاندار واقعہ یوں ہے: سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ؛ ایک یہودی لڑکا (چھوکرا) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اور وہ اچانک شدید بیمار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کی عیادت کے لیے (اُس کے گھر) تشریف لے گئے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کچھ صحابہ کرام بھی تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکے کے سرہانے بیٹھ گئے اور اُس سے فرمایا: لڑکے اسلام اختیار کر لو اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دو۔ اُس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف (اجازت کی نظر سے) دیکھا جو اُس کے پاس ہی تھا۔ چنانچہ لڑکے کے باپ نے اُس سے کہا: بیٹا! ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو۔ لڑکے نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے یہ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے:((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ۔)) . . . "

ہر طرح کی حمد وثنائے جمیل ہے اس اللہ عزوجل کے لیے کہ جس نے اس لڑکے کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔"[1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

س:۱۰۸... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قیادت میں لڑے جانے والے غزوات کی تعداد کتنی ہے؟ اور آپ نے دوسرے جرنیل صحابہ کرام کی قیادت میں کل کتنے لشکر روانہ فرمائے تھے؟

ج:۱۰۸... امام المجاہدین و نبی الملحمہ سیّد الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قیاتِ مبارک میں لڑے جانے والے معرکوں (غزوات) کی تعداد "ستائیس" ہے۔ اور جو لشکر آپؐ نے مدینہ طیبہ یا دوسرے مقامات سے روانہ فرمائے تھے، اُن کی تعداد ساٹھ ہے۔

س:۱۰۹... اُن غزوات کی تعداد کتنی ہے کہ جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ لڑائی کی تھی؟ ان جنگوں کے نام (اور مہینے سال بھی) بتلائیں؟

ج:۱۰۹... جن غزوات و معارک میں خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین سے باقاعدہ قتال کیا تھا اُن کی تعداد ۹ ہے اور وہ غزوات درج ذیل ہیں:

۱: غزوۂ بدری الکبریٰ (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)

۲: جنگ اُحد (شوال سنہ ۳ ہجری)

۳: جنگ خندق (شوال سنہ ۵ ہجری)

۴: غزوہ بنی قریظہ (ذوالقعدہ سنہ ۵ ہجری)

۵: غزوۂ بنی المصطلق (شعبان سنہ ۵ ہجری)

۶: جنگ خیبر (محرم سنہ ۷ ہجری)

۷: فتح مکہ (رمضان سنہ ۸ ہجری)

۸: شوال سنہ ۸ ہجری میں جنگ حنین اور...

۹: اسی ماہ شوال سنہ ۸ ہجری میں غزوۂ طائف۔

[1] صحیح البخاری: ۱۳۵۶

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتوں کا بیان

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللهِ فَضْلًا كَبِيرًا﴾۔(سورۃ الاحزاب)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک ہم نے تجھے گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے ایمانداروں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل (عطا کیا گیا ہے)۔

2۔ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی آدمی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر (ختم کرنے والے) ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔(اگرچہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرینہ اولاد دی تھی۔ مگر وہ بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔)

3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

"اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

4۔ وانا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامۃ۔ وانا اول من یقرع باب الجنۃ۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قیامت کے دن سب نبیوں سے زیادہ میرے پیروکار ہونگے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤنگا۔

5۔ انا اول شفیع فی الجنۃ لم یصدق نبی من الانبیاء ما صدقت و ان نبیا من الانبیاء ما صدقہ من امتہ الا رجل واحد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کے بارے میں میری سب سے پہلے سفارش قبول کی جائیگی۔ جتنی میری تصدیق کی گئی ہے اتنی تصدیق اور کسی نبی کی نہیں کی گئی اور کوئی بھی ایسا نبی نہیں ہو گا جس کی امت (قوم) میں سے فقط ایک آدمی نے ہی اس کی تصدیق کی ہو گی۔

6۔ و قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم سالت ربی ثلاثا ، فأعطانی ظنتین ، و منعنی واحدۃ سالت ربی ان لا یھلک امتی بالسنۃ فاعطانیھا واسالتہ ان لا یھلک امتی بالغرق فاعطانیھا وسالتہ ان لا یجعل باسھم بینھم فمنعنیھا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے رب سے تین سوال کئے تو دو چیزیں مجھے عطا کر دی گئیں اور ایک چیز مجھ سے روک لی گئی۔ میں نے سوال کیا اے میرے رب میری امت قحط سالی سے ہلاک نہ ہو تو اللہ نے اسے قبول کر لیا میں نے دوسرا سوال کیا کہ میری امت غرق

ہو کر برباد نہ ہو یہ سوال بھی قبول کر لیا گیا میں نے تیسرا سوال کیا کہ ان کی آپس میں لڑائی نہ ہو تو تیسرا سوال قبول نہیں کیا گیا۔(رواہ مسلم) ایک روایت میں ہے میں نے اللہ سے سوال کیا کہ کسی غیر مسلم دشمن کو ان پر مسلط نہ کیا جائے تو یہ سوال بھی قبول کر لیا گیا(رواہ الترمذی والنسائی) اور البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے)

مذکورہ حدیث پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ 1929ء میں خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد سے لے کر اب تک امت مسلمہ پر من حیث المموع غیر مسلم کفار و نصاریٰ اور ملحدیث کا تسلط چلا آرہا ہے۔ اور صورتِ حال یہ ہیکہ چند علاقوں کے علاوہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمانوں پر یہود و ہنود کا ظالمانہ تسلط قائم ہے۔ تقریباً پچاس ملک ایسے ہیں جن کے حکمران اگرچہ نام کے مسلمان ہیں مگر عملی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے وہ اتنے ہی دشمن ہیں جتنے غیر مسلم حکمران دشمن ہیں۔

یہ اعتراض بہت برمحل اور اس کا جواب بھی بہت تکلیف دہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ایک حصہ ہے کہ تم دولتِ دنیا کے لالچ میں جب جہاد کو ترک کر دوگے تو تم پر ذلت مسلط ہو جائیگی۔ لہٰذا موجودہ ذلت و محکومی اسی پیشینگوئی کے مطابق ہے۔ ملتِ مسلمہ نے اجتماعی طور پر جہاد کو ترک کیا تو اس کی سزا میں کافر قومیں انہیں برباد کر رہی ہیں۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں یہ ذکر کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس سوال کو قبول کر لیا کہ مسلمانوں پر کفار کو مسلط نہیں کروں گا تو یہ بھی سو فیصد درست ہے۔ اس طرح کہ مجاہد مومنین نے روز اول سے آج تک کفار کا تسلط قبول کیا ہے اور نہ قیامت تک کفار کا تسلط قبول کریں گے۔ ان کا کفار کے خلاف جہاد جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ 1989ء سے جہاد میں جو شدت پیدا ہوئی ہے، اس سے یہود و ہنود اور ملحدیث و نصاریٰ کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔ عیش و تجمل کے رسیا اور سیم و زر کے پجاری مسلمان جو جہاد سے خائف ہیں وہی کفار کی قوت سے لرزاں ہیں مگر سچا مسلمان مجاہدان کے جنگی ساز و سامان، جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کو مچھر کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ کفار کی محکومی اور تسلط ان نام نہاد مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزا ہے جو جہاد سے گریزاں ہیں۔ اور ان کی یہ ذلت اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک یہ جہاد کو اختیار نہیں کریں گے۔ ہزاروں مسجدیں مسمار ہو رہی ہیں۔ لاکھوں عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ لاکھوں گھر اور فیکٹریاں جلائی جا رہی ہیں مگر بے حس مسلمان اور حکمران انہی کو اپنا مسیحا سمجھ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا در چھوڑ کر انہی ظالموں سے اپنی مشکلات کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کرے۔ آمین۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

7۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ معراج کی حدیث میں بیان کرتے ہیں: "اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں سوتا"۔ (رواہ البخاری)۔

8۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردر ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر کی زمین پھٹے گی۔ میں سفارش کروں گا تو میری سفارش قبول کی جائے گی"۔(رواہ مسلم)۔

9۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "چھ امور میں مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔

1۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں (تھوڑے الفاظ میں زیادہ مفہوم و مطالب)

2۔ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے (پہلی امتیں اپنا مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کرتی تھیں۔ آسمان سے آگ آکر اسے کھا جاتی تھی (جلا دیتی تھی) ان کے لئے مالِ غنیمت سے فائدہ اٹھانا حرام تھا۔ مترجم) 3۔ پوری زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے۔

4۔ میں پوری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

5۔ میرے ذریعے آئندہ نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (رواہ مسلم)۔

10۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھے اولادِ آدم کے بہتر زمانوں میں ایک ایک قرن کے بعد بھیجا گیا ہے۔ اب میں آخری بہترین قرن (زمانے) میں بھیجا گیا ہوں"۔ (اسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے)۔

11۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک عمارت تعمیر کی ہو اسے بہت خوبصورت بنایا اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی۔ لوگ اس کے گرد گھوم کر خوش ہونے لگے اور کہنے لگے اس خالی جگہ میں اینٹ کیوں نہ رکھ دی گئی؟ (اگر اس خالی جگہ پر بھی اینٹ رکھ دی جاتی تو کیا ہی اچھا تھا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں وہ اینٹ ہوں (میرے ذریعے قصرِ نبوت کی وہ خالی جگہ پر کر دی گئی ہے) اور میں نبیوں کی مہر (سلسلہء نبوت ختم کرنے والا) ہوں۔ (رواہ البخاری)۔

12۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھے خاتم النبیین لکھ دیا گیا تھا حالانکہ آدم علیہ السلام ابھی اپنے مٹی کے ڈھانچے کے ساتھ زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اپنی پیدائش سے پہلے کے چند امور کی خبر دیتا ہوں۔ میرے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بعثت کی دعا کی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے میری بعثت کی خوشخبری دی تھی۔ میری پیدائش کے وقت میری والدہ کا خواب دیکھنا۔ اس کے لئے ایک نور نے نکل کر اس کے سامنے شام کے محلات روشن کر دیئے تھے۔ (اس روایت کو امام حاکم اور امام ذھبی نے صحیح کہا ہے۔ البانی نے اسے مشکوٰۃ میں صحیح کہا ہے)۔

13۔ غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل امین آیا تو اس نے کہا: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ "اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی طرف لوٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کان رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے پاس آکر انہیں واقعے کی خبر دی کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یتیم کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ نادار کو عطا کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ راہِ حق کے مصائب پر مدد کرتے ہیں۔ پھر اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ سے اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنیئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جو کچھ دیکھا تھا اس کی خبر دی۔ ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یہ وہی رازدان فرشتہ جبریل علیہ السلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم (مکہ سے) مکہ سے نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بھلا وہ مجھے نکالنے والے ہیں؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

جب بھی کوئی آدمی آپ کی طرح کا پیغام اور دعوت لے کر آیا ہے، اس سے دشمنی کی گئی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ مجھے پالے (یعنی میں اس وقت زندہ ہوں) تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست مدد کرونگا۔ (رواہ البخاری)

14۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت:

1۔ سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی ہے۔ وہ کبوتری کے انڈے کے برابر سرخ گلٹی تھی۔ (رواہ مسلم)۔

2۔ سیدنا عبداللہ بن سرجس بیان کرتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھایا، پانی پیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں کندھے کی جڑھ میں مہرِ نبوت کو دیکھا جیسے بند مٹھی ہوتی ہے۔ اس پر پستان کی بھٹنی (Nipples) کی طرح تل تھے۔

3۔ جعد بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: میری خالہ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جا کر عرض کیا: میرا بھانجا بیمار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر میرے لئے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی پیا۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہو۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت چکور کے انڈھے کی طرح تھی۔ (متفق علیہ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی خوشبو

1۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمکدار رنگ والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ موتیوں کی طرح تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھکاؤ آگے کی طرف ہوتا تاکہ زمین سے پورا قدم اٹھ جائے (یعنی سست پھسڈی آدمی کی طرح پاؤں گھسیٹ ک نہیں چلتے تھے)۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم دیباج اور ریشم کو نہیں چھوا۔ اور نہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بو سے زیادہ خوشبو دار کستوری اور عنبر کو سونگھا ہے۔ (متفق علیہ)۔

2۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہمارے پاس قیلولہ (دوپہر کا آرام) کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا۔ میری والدہ ایک شیشی لائی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ بھرنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار ہو کر فرمایا: "اے اُم سُلَیم! تو یہ کیا کرتی ہے؟ والدہ نے کہا یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے اور وہ (آپ کا پسینہ) بہترین خوشبو ہے۔ (رواہ مسلم)۔

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تھے تو خوشبو کی وجہ سے پہچان لئے جاتے تھے (اس روایت کو البانی نے الجامع میں صحیح کہا ہے)۔

4۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو (کا ہدیہ) واپس نہیں کرتے تھے۔(رواہ البخاری)۔

5۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بہترین خوشبو کستوری ہے"۔(رواہ مسلم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کا بیان

1۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے شروع میں سوتے تھے اور آخری حصے میں قیام کرتے تھے (متفق علیہ)۔2۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر ٹھکانہ پکڑتے تو کہتے تھے: "اے میرے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں"۔ اور جب بیدار ہوتے تو کہتے: "سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا اور اس کی طرف اٹھ کر جانا ہے"۔(رواہ مسلم)۔

3۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر لیٹتے تھے تو اپنی دائیں ہتھیلی اپنی دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے اور دعا کرتے تھے "اے میرے رب! تو مجھے اپنے عذاب سے بچا جس تو اپنے بندو کو (قبروں سے) اٹھائے گا۔ رواہ الترمذی اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے)۔

4۔ہر رات میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر آتے تو اپنی ہتھیلیوں کو جوڑتے پھر ان میں پھونک مارتے اور ان میں

﴿قُلْ هُوَ اللّٰه اَحَد﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِ الْفَلَق﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِ النَّاس﴾ (پوری پوری) سورتیں پڑھتے۔ پھر جہاں تک ممکن ہوتا دونوں ہاتھ اپنے جسم پر پھیرتے تھے۔ ہاتھ پھیرنے میں اپنے سر سے اور اپنے چہرے سے ابتداء کرتے تھے۔ اور اپنے سامنے کے جسم پر بھی ہاتھ پھیرتے تھے۔ یہ عمل تین دفعہ کرتے تھے"۔(متفق علیہ)۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گدیلہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے تھے، چمڑے کا تھا جس کی بھرتی کھجور کی چھال تھی۔(رواہ احمد)۔
6۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس کی بھرتی کھجور کی چھال تھی۔

7۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا"۔(متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1۔﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً﴾ (سورۃ المزمل آیت:4)

"اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے"۔

2۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم نہیں کرتے تھے۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی ایک ایک آیت الگ الگ پڑھتے تھے۔ (قرآۃ میں زیادہ آیات کو ملاتے نہیں تھے)۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پڑھ کر وقف کرتے تھے (ٹھہر جاتے تھے) پھر ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر وقف کرتے تھے۔ (صحیح رواہ الترمذی)۔

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "اپنی اچھی آوازوں کے ساتھ قرآن کو مزین کرو۔ اس لئے کہ اچھی آواز قرآن کی حسن وخوبی میں اضافہ کرتی ہے"۔ (صحیح ابوداؤد)۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھنے میں اپنی آواز کو خوب لمبا کرتے تھے۔ (صحیح رواہ احمد)۔

6۔ جب مرغ بانگ دیتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر رات کا قیام کرتے تھے۔ (عموماً نصف رات کے بعد مرغ بانگ دیتا ہے)۔ (متفق علیہ)۔

7۔ جب کسی جگہ پر کوئی فرش چٹائی وغیرہ نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ (متفق علیہ)۔

8۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف دہ امر پیش آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نفلی) نماز پڑھتے تھے۔ (حسن رواہ احمد و ابوداؤد)۔

9۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (تشہد کے لئے) بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے تھے۔ اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر اس کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ (اسے نماز میں بیٹھنے کے بیان میں امام مسلم نے ذکر کیا ہے)۔

10۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے وقت اپنی دائیں انگلی (سبابہ) کو حرکت دیتے تھے۔ (رواہ النسائی)۔ فرماتے تھے کہ "سبابہ شیطان پر لوہے کے ہتھیار سے بھی زیادہ سخت ہے" (حسن رواہ احمد)۔

11۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھتے تھے۔ (امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھنے کی حدیث تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے)۔

12۔ چاروں اماموں کا اس بات پر اتفاق ہے "جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے"۔ اس لحاظ سے (انگلی کو حرکت دینا) نماز میں سینے پر دونوں ہاتھوں کا رکھنا چاروں اماموں کا مذہب ہے۔ اور یہی نماز کی سنت ہے۔

13۔ سبابہ کو حرکت دینے کو (نماز میں) امام مالک اور بعض شوافع رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ محقق جامع الاصول نے امام نووی کی شرح المھذب جلد 3 صفحہ 454 پر ذکر کیا ہے۔

14۔ مذکورہ الصدر حدیث میں انگلی کو حرکت دینے کی حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمائی ہے کہ انگلی کو اوپر اٹھا کر حرکت دینا اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ توحید کی طرف اشارے کی تحریک شیطان پر لوہے کی مار سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ وہ

توحید کو بہت ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمان پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔ اور اس کی سنت کا انکار نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"۔ (رواہ البخاری)۔

15۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسبیحات "اپنے دائیں سے گنا کرتے تھے" (رواہ الترمذی وابو داؤد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ

1۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رمضان کا روزہ ایمان کا تقاضا سمجھ کر اور اجر و ثواب کی خاطر رکھا اس کے تمام پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔ (متفق علیہ)۔

2۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھ لئے تو اس کے پورے زمانے (پورے سال) کے روزے شمار ہوں گے"۔ (رواہ مسلم)۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ہر مہینے کے تین روزے اور رمضان کے روزے اگلے رمضان کے درمیانی عرصے کے لئے یہ پورے سال کے روزوں کے برابر ہیں۔ یوم عرفہ کا روزہ (عرفات میں وقوف کے دوران آدمی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ غیر حاجی) اگر عرفہ کا روزہ رکھ لے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس عرفہ کے دن سے پہلے گذرے ہوئے سال اور اس عرفہ کے بعد آنے والے سال کی خطائیں مٹا دے۔ اور محرم کے دسویں دن کا روزہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس سے پہلے ایک سال کے گناہ معاف کر دے گا"۔ (رواہ مسلم)۔

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان دو دنوں میں رب العالمین پر (بندوں کے) اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ سو میں پسند کرتا ہوں کہ روزے کی حالت میں میرا عمل پیش کیا جائے"۔ (رواہ النسائی۔ اسے منذری نے حسن کہا ہے)۔ 6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید قربانی کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)۔

6۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے علاوہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مہینے کے پورے روزے رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ (متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام

1۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سورۃ المزمل آیات 12)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو۔ رات کو قیام کرو مگر تھوڑی رات

2۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں (قیام اللیل یعنی تراویح) گیارہ رکعات سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعتیں پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کے متعلق کچھ نہ پوچھیئے۔ پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کی خوبی اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھیئے۔ پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا"۔ (متفق علیہ)۔ دل غافل ہو جائے تو وضو کا قائم رہنا محال ہے۔ نیند کی مذکورہ بالا کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا۔ (مترجم)۔

3۔سیدنا اسود بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصے میں سوتے تھے، پھر قیام کرتے تھے۔ جب سحر قریب ہوتی تو وتر پڑھتے تھے۔ پھر اپنے بستر پر آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس آتے۔ جب اذان سنتے تو تیزی سے اٹھتے۔ جنبی ہوتے تو اپنے اوپر پانی بہاتے ورنہ وضو کر کے نماز کے لئے چلے جاتے تھے۔ (متفق علیہ)۔

4۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے قدم سوج جاتے تھے۔ آپ سے عرض کیا جاتا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں حالانکہ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" (متفق علیہ)

5۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "دنیا کے متاع سے مجھے دو چیزیں محبوب ہیں۔ عورتیں اور خوشبو اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔ (صحیح رواہ احمد)۔ دشمنانِ اسلام اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے نبی پر جنسی خواہشات غالب تھیں۔ حالانکہ مذکورہ دونوں چیزیں بشریت کا تقاضا ہیں اور کوئی صحتمند انسان ان سے بے نیازی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ فرق یہ ہے کہ اسلام نے جنسی خواہش کی تکمیل کو ایک قانونی دائرے میں محدود کر دیا جس سے مسلم معاشرہ خاندانی بربادی سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں ترکِ دنیا اور نفسانی خواہشات سے بے نیازی کا دعویٰ ہے ان کے معاشرے میں عورت کی حیثیت ایک عارضی کھلونے سے زیادہ نہیں ہے جسے بچہ جس وقت چاہے توڑ کر پھینک دے۔ ان کے عبادت خانوں میں پاکیزگی حاصل کرنے کے جو کنواری لڑکیاں رکھی جاتی ہیں، ان کی عصمت انہی تارک الدنیا راہبوں، پادریوں اور درویشوں کے ہاتھوں ایسی تار تار ہوتی ہے کہ وہ چیخ اٹھتی ہیں۔ ایسے بے شمار حادثات سے اہلِ دانش باخبر ہیں۔ ان معترضین کی نفسانی خواہشات تو اتنی بے لگام ہیں کہ مردوں سے مردوں کی شادی کا قانون پاس کر چکے ہیں اور یہ ایسا خبیث جرم ہے جس سے حیوانات اور جنگل کے وحشی درندے چرندے اور پرندے بھی پاک ہیں۔ ان میں جو لوگ انسانی عقل و شعور کے مالک ہیں وہ اپنے معاشرے کی بربادی پر بے حد فکر مند ہیں اور ان کی بہو بیٹیاں اسلام کے دامنِ عفت و رحمت میں پناہ لے رہی ہیں۔ (مترجم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی صفت

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۔ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم:14)

"ستارے کی قسم جب وہ گرتا ہے۔ تمہارا ساتھی (نبی) نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔ وہ (دینِ حق کے بارے میں) اپنے خواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ (وہ جو کچھ بھی کلام کرتا ہے) یقیناً وہ وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے"۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ سے فرمایا: "لکھ لے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میرے منہ سے جو کچھ بھی نکلتا ہے وہ حق (سچا، صحیح) ہوتا ہے"۔ (حسن رواہ احمد)

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مجھے جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ (یعنی میرے تھوڑے کلام میں معانی زیادہ ہوتے ہیں) میری رعب و دبدبہ کے ساتھ مدد کی گئی ہے نیند کے دوران میں نے دیکھا کہ روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئی ہیں"۔ (رواہ البخاری) (عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں روم و ایران دو بہت بڑی حکومتیں تھیں (Super Powers) پوری دنیا پر ان کی حکمرانی تھی۔ خلفآئے راشدین کے عہد میں ان کے خزانوں کے مجاہد مسلمان مالک ہو گئے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سو فیصد سچا ثابت ہو گیا تھا (مترجم) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے اور اب تم ان خزانوں کو منتقل کر رہے ہو۔

4۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح تیزی سے بات نہیں کرتے تھے۔ (جس کی سامع کو سمجھ نہ آئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جدا جدا کلمات کے ساتھ واضح بات کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھنے والے کو وہ بات اسی وقت یاد ہو جاتی تھی۔ (رواہ مسلم)"۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بات کرتے تھے اگر کوئی گننے والا چاہتا تو اس کے کلمات شمار کر سکتا تھا۔ (متفق علیہ)

6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی اختیار کرتے تھے (بلاضرورت باتیں نہیں کرتے تھے)

7۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ کو تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ (رواہ البخاری) جو کلمہ مشکل ہوتا اسے دہرا دیتے تھے یا اس سے آسان لفظ بول دیتے تھے)

8۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے اور تھوڑے معانی والی دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے۔

9۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطاب کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند ہوتی اور سخت غصے کی حالت میں ہوتے تھے جیسے وہ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہوں یا کسی لشکر کے حملے سے خبردار کر رہے ہوں کہ وہ تم پر صبح یا شام کو حملہ کرنے والا ہے (رواہ مسلم) (افادہ۔ موجودہ دور میں اکثر خطیب سریں لگ اکر آیات پڑھتے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی لوچدار سروں سے کرتے ہیں اپنی خوش الحانی پر داد وصول کرتے ہیں۔ لطائف بیان کر کے سامعین کو ہنساتے ہیں انہیں سروں کی بین بجا کر مست کرتے ہیں بھلا کوئی کمانڈر اپنی فوج کو (Alert) چوکس کرنے کے لئے وارننگ دیتے ہوئے سریں لگاتا ہے؟ مذکورہ بالا طرزِ خطاب سراسر سنت نبوی کے خلاف ہے .....مترجم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" میرے حوض کی مسافت (اس کے گرد چکر کاٹنے ہیں ایک مینہ صرف ہوتا ہے۔اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے،اس کے آبخورے (پینے کے جام) آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جو شخص بھی اس سے پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا"۔ (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مال و دنیا سے بے نیازی

1۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ (سورۃ طٰہٰ آیۃ:131)

"ہم نے کفار کو جو مال و متاع دنیا میں دے رکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نگاہ نہ کریں وہ دنیا کی ظاہری زینت ہے۔(یہ مال ہم نے انہیں اس لئے دیا ہے) کہ اس میں ہم انہیں آزمائیں (بطور سدرحق بقدر کفاف) تیرے رب کا جو رزق ہے وہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے"۔

2۔سیدنا عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہ آنے کی قسم اٹھائی اور ایک بالا خانے میں ان سے الگ ہو گئے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بالا خانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو دیکھا اس میں قرض درخت کے پتوں کی ایک ڈھیری چمڑے کا مشکیزہ اور جو کی ایک ڈھیری تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ننگی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے چٹائی کی رسیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر نشان ڈال دیئے تھے یہ دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے کیا ہوا" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق سے منتخب (چنے ہوئے) ہیں۔اور کسریٰ و قیصر کیسی عیش و تجمل اور نعمتوں سے لطف اندوز ہیں! یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ تھا۔فرمانے لگے:" کیا تو کسی شک میں ہے؟ ان لوگوں کی پسندیدہ اور عمدہ چیزیں جلدی دنیوی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں" ۔(متفق علیہ) مسلم کی ایک روایت میں ہے:" کیا تو پسند نہیں کرتا کہ وہ نعمتیں ان کے لئے دنیا ہی میں ہوں اور ہمارے لئے آخرت میں ہوں"۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:" کیوں نہیں اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں اسے پسند کرتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" پھر اللہ تعالی کی تعریف کر"۔

3۔سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے تو چٹائی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد پر نشان ڈال دیئے، میں نے ان نشانات کو پونچھتے ہوئے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے لئے ایسی چیز بچھائیں جو ان نشانات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بچائے...؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" مجھی دنیا کے عیش وراحت سے کیا سروکار؟ دنیا کے ساتھ میرا معاملہ اس سوار کی طرح ہے جو کسی درخت کے سائے تلے کچھ دیر ٹھہرے پھر اسے چھوڑ کر چلتا بنے۔" (اسے ترمذی نے روایت کر کے حسن صحیح کہا ہے)

4۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہی بات اچھی لگے گی کہ تین راتیں گذارنے تک میرے پاس اس میں سے کچھ باقی نہ ہو البتہ قرض اتارنے کے لئے میں کچھ سونا بچالوں گا"۔(رواہ البخاری)

5۔سیدنا عمرو ابن الحارث رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت دینار درہم غلام لونڈی اور کوئی چیز نہیں چھوڑی البتہ ایک سفید خچر چھوڑی تھی جس پر سوار ہوتے تھے اپنے ہتھیار چھوڑے تھے اور کچھ زمین تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافروں کے لئے بطور صدقہ وقف کر دیا تھا"۔(رواہ البخاری)(آج مسلمان ہتھیاروں پر خرچ کرنے اور انہیں تیار رکھنے کو رجعت پسندی اور عیب سمجھتے ہیں جس کا واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے)

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم

"دشمنوں کے مقابلے کے لئے اپنی قوت اور گھوڑے (جنگی سازوسامان) تیار رکھو اس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوفزدہ کرو گے"۔

نام نہاد مسلمان دشمن کے آرڈر پر جنگی تیاری کو دہشت پسند قرار دیتے ہیں اور سارا زور اقتصادی ترقی حاصل کرنے پر صرف کر رہے ہیں حالانکہ تاریخ اسلامی اس امر پر شاہد ہے جہاد اور سامان جنگ کے ذریعے جزیرۃ العرب میں مال وزر کی ایسی فراوانی ہوئی تھی کہ کوئی زکاۃ لینے والا نہیں ملتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے" اسرائیل کی وزیرۂ عظمیٰ گولڈا میئر نے ایک دفعہ اپنے وزراء اور مشیروں سے کہا: ٹیکس (جنگی) میں اضافہ کر کے سامان جنگ پر خرچ کرو۔انہوں نے کہا جنگی ٹیکسوں سے رعایا کی معیشت تنگ ہو جائے گی وہ بھوکے مریں گے گولڈا میئر نے کہا: مجھے علم ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ان کے گھر میں تھوڑے جو تھے اور نو تلواریں زریں وغیرہ لٹک رہی تھیں انہی کے ذریعے انہیں ایسی معاشی ترقی حاصل ہوئی تھی کہ ان میں زکاۃ لینے والا کوئی نہیں۔ حالانکہ جزیرۃ العرب میں نہ زراعت تھی نہ فیکٹریاں تھیں افسوس کہ ہمارے مسلم حکمرانوں کی اکثریت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گولڈا میئر جتنا بھی علم نہیں رکھتی (مترجم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دو دو مہینوں تک چولہا نہیں جلتا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک اور فاقہ کشی کا بیان

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو دیکھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھروں کے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔

الرسول: اس وقت تمہیں کس چیز نے تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ: بھوک نے اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الرسول: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے بھی بھوک ہی نے نکالا ہے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

کھڑے ہوں پھر وہ ابو الحیثم مالک بن نبھان ایک انصاری آدمی کے گھر کی طرف گئے مگر اسے گھر میں نہ پایا۔ ابو الہیثم کی بیوی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے مرحباًواھلاً(خوش آمدید) کہتی ہے۔

الرسول :فلاں یعنی ابو الہیثم کہاں ہے؟ عرت: وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے گئیں اسی دوران ابو الہیثم آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی طرف دیکھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ کر کہتا ہے میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ ابو الہیثم: اللہ کا شکر ہے کہ آج مجھ سے زیادہ محترم مہمانوں والا کوئی نہیں ہے۔ ابو الہیثم چلا جاتا ہے اور گر دخشک اور تازہ کھجوروں سے بھری ہوئی ایک ٹہنی لے آتا ہے۔ ابو الہیثم: کھایئے جناب اس سے! پھر ابو الہیثم چھری لے کر ایک بکری ذبح کرنے کے لئے جاتا ہے۔

الرسول: دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کھجوریں اور گوشت کھاتے ہیں میٹھا پانی پیتے ہیں اچھی طرح سیر ہو جاتے ہیں۔

الرسول: ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہو گی بھوک نے تمہیں گھروں سے نکالا اور واپس ہونے سے پہلے تم نے یہ نعمتیں حاصل کر لیں۔(اس حدیث کو مسلم،مالک اور ترمذی نے روایت کیا ہے) اس حدیث سے یہ فائدہ اور نتیجہ نکلتا حاصل ہوتا ہے۔

1۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سخت بھوک لاحق ہوتی تھی اور اسباب کو اختیار کرتے ہوئے گھروں سے نکلتے تھے کہ شاید وہ کچھ کھانا پالیں۔2۔اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے کسی ساتھی کے گھر کھانے کے لئے چلا جائے جب وہ جانتا ہو کہ اس کے دوست کے اس سے خوشی ہو گی۔ 3۔جب آدمی اکیلا نہ ہو تو پردے کی اوٹ میں عورت سے کچھ پوچھنا جائز ہے۔ 4۔نعمت کی فراوانی اس کے خالق کے شکر اور نعمتوں میں مصروف مست ہو کر نعمتیں عطا کرنے والے سے غافل ہو جانے پر تنبیہ کرنا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾۔(سورۃ ابراہیم آیۃ:7)

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں عطا کروں گا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

1۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾ (سورۃ الضحیٰ آیت:8) "اور تجھے تنگدست پایا تو تجھے غنی کر دیا"۔یعنی تو محتاج عیال دار تھا تو تجھے اپنے علاوہ ہر غیر سے بے نیاز کر دیا۔(تفسیر ابن کثیر)۔

2۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک پورا مہینہ گذر جاتا تھا۔(کھانا پکانے کے لئے) ہم آگ نہیں جلاتے تھے۔ ہماری خوراک صرف دو سیاہ چیزیں کھجوریں اور پانی۔ البتہ ہمارے ارد گرد کچھ انصاریوں کے گھر تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ بھیجتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیتے تھے اور کچھ دودھ ہمیں بھی پلا دیتے تھے۔

3۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی باریک چپاتی دیکھی ہو یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے جاملے۔ نہ آپ نے کبھی بُھنی ہوئی ثالم بکری دیکھی تھی"۔(رواہ البخاری)۔

4۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھوک سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ پیٹ بھرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ردی کھجور بھی نہیں پاتے تھے۔

5۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی بودار چربی لے کر گئے تاکہ اس کو سالن بنا کر جو کی روٹی اس کے ساتھ کھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے ہاں اپنی زرہ گروی رکھ کر اپنے اہل خانہ کے لئے کچھ جو حاصل کئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "کسی شام کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صاع (تقریباً پونے تین سیر) جو اور نہ ایک صاع گندم موجود رہی ہے"۔

6۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی متواتر راتیں بھوکے گذارتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال بھی رات کا کھانا نہیں پاتے تھے۔ زیادہ تر ان کی روٹی جو کی ہوتی تھی۔(رواہ احمد)۔

7۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہیں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک متواتر کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔(متفق علیہ)۔

8۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "اے اللہ! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنا رزق مقرر فرما جو بھوک کا ازالہ کر سکے"۔(بیسار خوری کی ضرورت نہیں)۔(متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو

پہلی حدیث: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیساتھ بیٹھے ہوئے ہیں)

الرسول: "مجھے قرآن پڑھ کر سنا"۔

ابن مسعود: "کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ قرآن تو نازل ہی آپ پر ہوا ہے"۔

الرسول: "میں پسند کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے سے قرآن سنوں"۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۃ النسآء کی تلاوت کرتے ہیں، جب وہ اس آیت پر پہنچے: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (سورۃ النسآء: 41) "کس طرح حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے"۔

الرسول: "اب بس کیجئے، اتنا ہی کافی ہے"۔ ابن مسعود: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں (متفق علیہ)۔ اس حدیث یہ فائدہ اور نتیجہ حاصل ہوتا ہے:

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاریٔ قرآن سے کہنا (حسبک الآن) "اب کافی ہے" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا: "صدق اللہ العظیم" (اللہ عظمت والے نے سچ فرمایا ہے"

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سے قرآن سننا پسند کرتے تھے۔

3۔ قرآن سننے کے وقت خشوع رونے سے ہوتا ہے نہ کہ چیخنے چلانے سے۔

دوسری حدیث: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے بیٹے ابراہم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دایہ کے پاس تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر اس کو بوسہ دے رہے تھے اور اسے سونگھ رہے تھے۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو موت وحیات کی کشمکش میں پایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

عبدالرحمن بن عوف: اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو رہے ہیں؟

الرسول: "بیشک یہ رحمت ہے۔ آنکھ روتی ہے اور دل غمزدہ ہے۔ ہم وہی بات کریں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے۔ ہم یقیناً تیری جدائی سے اے ابراہیم غمزدہ ہیں"۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے:

1۔ میت پر بغیر چیخ وپکار اور نوحہ کئے رونا جائز ہے۔

2۔ میت پر غم کھانے کا جواز بشرطیکہ ایسے کلام سے بچا جائے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو

3۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونا اور اس پر سرِ تسلم خم کر دینا۔

4۔ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب طلب کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

1۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے دیکھ لیا اس لئے کہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا"۔ (رواہ البخاری)۔

2۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے مجھے (خواب میں) دیکھ لیا اس نے بالکل صحیح طور پر مجھے دیکھ لیا۔ اس لئے کہ شیطان میرا لباس نہیں پہن سکتا (متفق علیہ)۔

3۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا وہ جلد مجھے بیداری میں بھی دیکھ لے گا اور شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا"۔ (متفق علیہ)

ان احادیث کے نتائج

1۔بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا، اسی صورت پر دیکھنا ممکن ہے جو آپ کی سیرت میں ذکر کی گئی ہے۔ یعنی جو لمبائی، رنگ، کیفیت اور داڑھی وغیرہ کا آپ کی طبیعت اور خلقت میں ذکر کیا گیا ہے۔

2۔الماوی رحمہ اللہ نے ان احادیث کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح دیدار یہ ہے کہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی صورت میں دیکھے جو صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ اگر اس کیفیت کے علاوہ کسی اور شکل میں دیکھے جیسے زیادہ لمبے یا زیادہ چھوٹے قد یا تیز گندمی زرد رنگ میں دیکھے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔

3۔الماوی نے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا "وہ مجھے بیدار میں بھی جلد دیکھے گا" یہ مطلب ہے کہ وہ مجھے قیامت کے دن شفاعت کے وقت ضرور دیکھ لے گا

4۔بعض صوفی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں، اس بارے میں وہ تیسری حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا رد کیا ہے کہ یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے (جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بیداری میں بھی مجھے دیکھ لے گا) اور ان میں سے جو مجھے دنیا میں نہ دیکھ سکے وہ قیامت کے دن ضرور دیکھ لیں گے۔ اور یہ بات کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد بھی دنیا میں دیکھتے ہیں، کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

5۔مؤلف کہتا ہے کہ میں نے ایک صوفی کی کتاب میں پڑھا ہے: "ابو المواھب الشاذی نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر تک اس نے جھوٹی حدیث بیان کی"۔ میں نے اس کتاب کے مؤلف سے پوچھا کیا یہ حدیث بیان کرنے والا صحابی ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس کے راوی اور ابو الحسن شاذی کے درمیان پانچ مشائخ ہیں۔ اور شاذی نے بیداری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ میں نے اس سے کہا: صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں نہیں دیکھا۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

وہ میری بات سے مطمئن نہ ہوا۔ میں نے اپنے جی میں کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولا گیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعے ڈرایا ہے: "جس نے میرے متعلق جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" (متفق علیہ)۔

6۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ شیخ الاسلام نے کہا: اس کی بات سے نفرت کی جائے یا حرام سمجھا جائے۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ خواب سے احکام اخذ نہ کئے جائیں۔

7۔ ابن عربی کی طرح بعض صوفیاء نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست احکام حاصل کرتے ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (سورۃ المآئدہ:30)

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین کے طور پر اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا"۔

8۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد دنیا میں بیداری کی حالت میں جو شخص آپ کی زیارت کا دعویٰ کرتا ہے اس کے خلاف بہت بڑا رد اور جواب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (المؤمنون:100) "اور ان کے پیچھے اس دن تک پردہ ہے جب لوگ اٹھائے جائیں گے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ (الانبیاء:34)۔ "اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی عطا نہیں کی۔ کیا بھلا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے"؟
2۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جب کسی امت پر رحمت کرنا چاہتا ہے تو اس کے نبی کو فوت کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس امت کے لئے آگے جا کر باعث اجر و پیش رو سامان کرنے والا بنا دیتا ہے اور جب وہ کسی امت کی بربادی چاہتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس امت کو عذاب دیتا ہے۔ اسے برباد کر دیتا ہے اور اس کا نبی اسے دیکھتا ہے۔ اس کی ہلاکت سے اپنی آنکھ ٹھنڈی کرتا ہے۔ جبکہ انہوں نے اسے جھٹلایا اور نافرمانی کی ہوتی ہے۔ (رواہ مسلم)۔

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو (مراد ان کی اپنی ذات تھی) دنیا کی زندگی، اس کے ساز و سامان اور اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں ان دونوں چیزوں میں اختیار دیا ہے (کہ ان میں سے جو بھی تو پسند کرے وہ عطا کر دیا جائے گا) اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے پاس والی نعمتوں کو پسند کیا ہے۔ (یہ سن کر) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ (اس رمز سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرمانے والے ہیں۔ وہ مزاج شناسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے)۔ (رواہ البخاری)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

4۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آخری دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے دن اپنے چہرے سے پردہ ہٹایا۔ وہ ایسا تھا گویا کہ کتاب کا سفید چمکدار ورق تھا۔ لوگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے تھے۔ لوگ تڑپ رہے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ ثابت قدم رہو۔ صبر کرو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ منہ پر ڈال لیا۔ اور اسی دن کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ (متفق علیہ)۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

5۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گردن اور سینے کے درمیان تھا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تھے) (رواہ البخاری)۔

6۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت کو تکلیف پہنچی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے مصیبت تکلیف! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ تیرے باپ کے پاس وہ ذات (فرشتہ) حاضر ہوا ہے جو (وقتِ اجل پر) کسی کو نہیں چھوڑتا۔ اب قیامت کے دن ہی ملاقات ہو گی۔ (رواہ البخاری)۔

7۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سال ٹھہرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اور مدینہ میں دس سال ٹھہرے۔ جب فوت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ (63) سال تھی۔ (رواہ البخاری)۔

8۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے (اس وقت) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مدینے کی بالائی آبادی میں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ کھڑے ہو کر کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھولا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا باپ قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور موت خوشگوار رہی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ کبھی موت نہیں چکھائے گا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور فرمایا: اے قسم اٹھانے والے یعنی اے عمر (رضی اللہ عنہ)! ٹھہر جلدی نہ کر! جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بات کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا: یاد رکھو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا (تو وہ جان لے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (تو وہ جان لے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ مرے گا نہیں۔ اور فرمایا: ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ (سورۃ الزمر آیۃ:30) "بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرنے والے ہیں اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ﴾ (آل عمران:144) "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے کئی رسول گذر چکے ہیں۔ کیا بھلا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے یا شہید کر دیئے گئے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ جو شخص اپنی ایڑیوں پر پھر جائے گا (دینِ حق کو چھوڑ دے گا) تو وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جلد جزا دے گا"۔ (جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور آیات پڑھیں) تو لوگ زور سے رونے لگے۔ (رواہ البخاری)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

9۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ صحت میں فرماتے تھے: "ہر نبی اپنی موت سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ پھر اسے دنیا اور آخر کے بارے میں اختیار دیا جاتا ہے (کہ آپ دنیا میں دائمی زندگی کو پسند کرتے ہیں یا آخرت کی زندگی)۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری ران پر تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو اپنی نظر چھت کی طرف اٹھائی پھر کہا: ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ اللاعلیٰ'' "میں رفیق اعلی اللہ تعالیٰ کی رفاقت چاہتا ہوں"۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں رہنا پسند نہیں کریں گے"۔ وہ کہتی ہیں: میں نے سمجھ لیا کہ صحتمندی کی حالت میں جو حدیث بیان کرتے تھے، یہ حالت اس کی تعبیر ہے۔ (متفق علیہ)۔

10۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دین کی تکمیل کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام رسالت پہنچا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 11ھ میں سوموار کے دن وفات پائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ

بنیتَ لھم مِن الأخلاق رکناً

فخانوا الرکن فانھدم اضطِراباً

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کے لئے اخلاق عالیہ سے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی بد اعمالی سے اسے نقصان پہنچایا۔ خیانت کی تو وہ لرزتا ہوا دھڑام سے گر گیا۔

وکان جنأبھم فیھا مھیباً

ولَلأخلاق أجدَرُ أن تُھاباً

دشمن قلعے کی مضبوطی سے خوفزدہ تھے۔ حالانکہ اخلاقی قوت ہی سے خوفزدہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (آل عمران:159)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آپ ان کے لئے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکھڑ مزاج، سخت دل ہوتے تو تیرے پاس سے لوگ بھاگ جاتے لہٰذا انہیں معاف کر اور ان کے لئے بخشش مانگ۔ معاملات میں ان سے مشورہ کر۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کسی امر کا) پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (سورۃ القلم آیۃ:4) "یقیناً آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں"۔

3۔ (کانہ خلقہ القرآن) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن کریم ہی ہے" (رواہ مسلم)

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت عادت جھوٹ ہے۔ (رواہ البیھقی۔ صحیح)

5۔ رسول اللہ: فطری طور پر بدزبان تھے نہ تکلف سے بدزبانی کرتے تھے اور نہ لعنت کرنے والے تھے اور فرماتے تھے "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اخلاق میں تم سب سے بہتر ہو"۔

6۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدزبان تھے نہ لعنت کرنے والے تھے نہ گالی گلوچ کرنے والے تھے۔ کسی سے ناراضگی کے وقت فرماتے تھے: "اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو"۔ یہ کلمہ تعجب کے وقت کہا جاتا ہے۔ (رواہ البخاری)۔
7۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت چہرے والے اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے"۔ (رواہ البخاری)۔

8۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: آپ مشرکین کے خلاف دعا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ (رواہ مسلم)۔

9۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیتے تھے، بدفالی نہیں لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا نام پسند آتا تھا۔ (رواہ احمد)۔ (نیک فال لینے کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی مریض سے کہے: سالم۔ تو اسے لفظ سے یہ خیال کرے کہ ان شاء اللہ اور صحت ہو گی۔ کوئی تکلیف نہیں یہ تو خطاؤں سے پاک کرنے کا باعث ہے۔ اس سے بیماری کو اپنے لئے بہتر خیال کرنا۔ بدشگونی یہ ہے کہ کسی ناگوار چیز کو دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ یہ میری بدبختی کی علامت ہے۔ (مترجم)۔

10۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے وقت میری طرف رخ کرتے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ میں لوگوں سے بہتر ہوں۔ عمرو ابن العاص: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں بہتر ہوں یا ابو بکر رضی اللہ عنہ؟ الرسول: ابو بکر رضی اللہ عنہ بہتر ہیں۔ عمرو ابن العاص: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتر ہوں یا عمر رضی اللہ عنہ؟

الرسول: عمر رضی اللہ عنہ بہتر ہیں۔ عمرو ابن العاص: میں نے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا جواب ہی دیا۔ تب میں نے خواہش کی کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہ کرتا۔ (رواہ الترمذی۔ حسن)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

11۔ عطاء ابن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن عمرو ابن العاص سے مل کر کہا: مجھے توراۃ میں مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مجھے بتایئے تو عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں: توراۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض وہ صفات ذکر کی گئی ہیں جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ "اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"۔ حدیث شریف میں صفت ہے: "ان پڑھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذریعہ بنایا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ وہ اکھڑ اور نہ سخت مزاج ہے۔ نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہے۔ نہ برائی کا جواب برائی سے دیتا ہے بلکہ معاف کرتا اور درگزر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض نہیں کرے گا جب تک ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار نہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جب تک اندھی آنکھوں کو کھول نہ دے، بہرے کانوں کو اور بند دلوں کو جب تک کھول نہ دے (اسے فوت نہیں کرے گا)" (رواہ البخاری)۔ (عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا آیات کریمہ اور حدیث کے الفاظ بیان کر کے واضح کیا کہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات توراۃ میں بھی مذکور ہیں)۔

12۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو معاملات کے درمیان ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے آسان امر ہی کو اختیار کیا۔ جب تک اس میں گناہ کی بات نہ ہو۔ اگر اس آسان کام میں گناہ ہوتا تو تمام لوگوں سے زیادہ اس سے دور ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی معاملے میں اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرمت کو توڑا جاتا تو اللہ کی خاطر اس کا انتقام لیتے تھے۔ (**متفق علیہ**)۔

13۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ نہ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو۔ البتہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کسی کو مارتے تھے۔ کسی نے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا ہو تو اس کہنے والے سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو توڑا جاتا تو اللہ کی خاطر اس سے انتقام لیتے تھے۔ (**رواہ مسلم**)۔

14۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا یا کوئی ضرورت مند آتا تھا (اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہوتا تھا تو خود عطا کر دیتے تھے ورنہ صحابہ فرماتے تھے: (اس حاجتمند کے لئے) سفارش کرو، تمہیں اجر ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (فرمان) پر جو چاہتا فیصلہ کر دیتا تھا۔ (اللہ کی مشیت میں جو ہوتا تھا اس کے مطابق سائل کی ضرورت پوری کر دیتا تھا)۔

15۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوش خلق تھے۔ ایک دن مجھے کسی ضرورت کے لئے بھیجا۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم میں نہیں جاؤں گا۔ میرے جی میں یہ آیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کروں۔ میں نکلا۔ کچھ بچوں کے پاس میرا گذر ہوا، وہ بازار میں کھیل رہے تھے۔ (میں کچھ دیر وہاں ٹھہر گیا)۔ پھر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیچھے بالکل قریب تھے۔ میری گدی کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر غصے کے کچھ آثار نہ تھے)۔

الرسول: "اے پیارے انس! کیا تو وہاں گیا تھا جہاں جانے کا میں نے حکم دیا تھا؟ انس: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ابھی جاتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم میں نے نو سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کسی کام پر کبھی یہ کہا ہو: تو نے اس طرح کیوں کیا ہے؟ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کسی کام کا کبھی عیب نکالا ہے۔ اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا۔ (رواہ مسلم)۔

16۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک سردار کو قید کیا جس نے نام "ثمامۃ" تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور فرمایا: اے ثمامۃ! تیرے دل میں کیا خیال ہے؟ ثمامۃ نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے دل میں بھلائی ہے۔ میرا حال اچھا ہے۔ اگر آپ قتل کریں گے تو ایک قاتل کو قتل کریں گے۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھے چھوڑ کر) احسان کریں گے تو ایک شکر گذار پر احسان کریں گے۔ (یعنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر گذار ہوں گا)۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال چاہتے ہیں تو مانگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت کے مطابق آپ کو دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثمامۃ کو رہا کر دو"۔ (رہا ہو کر) ثمامہ چلا گیا۔ پھر غسل کر کے مسجد میں داخل ہوا اور عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کی قسم روئے زمین پر میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے زیادہ قابل نفرت کوئی چہرہ نہیں تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ میرے نزدیک تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور کوئی دین میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ قابل نفرت نہیں تھا مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے زیادہ قابل نفرت میرے نزدیک کوئی شہر نہیں تھا مگر اب میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ جب مسلمان ہو کر ثمامہ مکے میں آیا تو ایک آدمی نے اس سے کہا: کیا تو بے دین ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں بلکہ میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ (متفق علیہ الفاظ اختصار کے ساتھ مسلم کے ہیں)۔

اخلاق عالیہ کے بارے میں احادیث

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اخلاق میں بہتر ہوں" (متفق علیہ)۔

2۔ "میرے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو"۔ (رواہ البخاری)۔

3۔ "ایمان میں زیادہ کامل وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں"۔

(رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)۔

4۔ "ہر دین کا ایک خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیاء ہے"۔ (حسن رواہ ابن ماجہ)۔

5۔ "مومن اپنے حسنِ خلق کے ساتھ (ہمیشہ) روزے رکھنے والے اور قیام کرنے والے کا درجہ پالیتا ہے"۔ (صحیح۔ رواہ ابو داؤد)۔

6۔ "ایمان میں کامل وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو۔ اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ مہربان ہو"۔ (رواہ الترمذی وحسنہ)۔

7۔ "قیامت کے دن مومن کی کوئی چیز میزان میں حسنِ حلق سے زیادہ وزنی نہیں ہے" اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان کا دشمن ہے"۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی و قال حسن صحیح)۔

8۔ "قیامت کے دن میرے نزدیک تم سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب مجلس میں وہ ہو گا جو اخلاق میں تم سب سے زیادہ اچھا ہو گا۔ اور تم سب سے زیادہ قابل نفرت اور میری مجلس سے دور وہ ہوں گے جو بہت زیادہ باتونی، جبڑے پھاڑ کر بات کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہوں گے"۔ (حسن۔ ترمذی)۔

9۔ "نیکی حسنِ اخلاق کا نام ہے"۔ (رواہ الترمذی و حسنہ)۔

10۔ "جہاں کہیں بھی رہو اللہ کے ذریعے، برائی کا جواب نیکی سے دیجئے وہ برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے معاملہ کیجئے"۔ (رواہ الترمذی)۔

11۔ "مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے"۔ (اسے حاکم اور ذھبی نے صحیح کہا ہے)۔

12۔ "کیا میں تمہیں اس شخص کی خبر نہ دوں جو آگ پر حرام کیا گیا ہے؟ یا اس شخص کی جس پر آگ حرام ہے؟ وہ ہر رشتے دار کے ساتھ آسانی اور نرمی کرے والا شخص ہے"۔ (رواہ احمد و الترمذی)۔

13۔ "اللہ کے نزدیک سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو سب سے زیادہ اخلاق میں بہتر ہے"۔ (رواہ الحاکم و)۔

14۔ "ایمان میں زیادہ کامل وہ شخص ہے جو اخلاق میں اچھا ہو۔ جو اپنے بازوں کو نرم کرتے ہیں (یعنی ضرورتمندوں کے کام آتے ہیں) جو لوگوں سے الفت کرتے ہیں۔ لوگ ان سے الفت کرتے ہیں جو نہ خود الفت کرتا ہے اور نہ اس سے الفت کی جاتی ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے"۔ (رواہ الطبرانی وحسنہ شیخ ناصر الدین)۔

15۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: زیادہ تر کونسی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا تقویٰ (خوف) اور حسن اخلاق" (رواہ الترمذی۔ صحیح)۔

16۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن شریف و وفادار ہوتا ہے اور فاجر (بدکردار) آدمی دغاباز اور کمینہ ہوتا ہے"۔ (رواہ احمد وغیرہ وحسنہ شیخ ناصر الدین)۔

17۔ "مومن آسانی پیدا کرنے والے، نرمی پیدا کرنے والے ہوتے ہیں جس طرح نکیل والا اونٹ ہوتا ہے۔ اگر اس کے آگے چلا جائے تو پیچھے چلتا ہے اور اگر کسی چٹان (سخت جگہ) پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جاتا ہے" (اکھڑپن نہیں کرتا)"۔ (رواہ الترمذی)۔

18۔"جو مومن لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کی ایذا رسانی پر صبر نہیں کرتا"۔(رواہ احمد)۔

19۔"کیا میں تمہیں بہترین لوگوں کی خبر نہ دوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ) لمبی عمر والے اور جو اخلاق میں بہتر ہیں" (وہی بہتر لوگ ہیں)۔(رواہ احمد)۔

20۔چار چیزیں اگر تجھ میں ہوں تو دنیا کی کوئی چیز کھو جانے سے تیرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ 1۔ سچ بولنا۔ 2۔ امانت کی حفاظت کرنا۔ 3۔ حسن اخلاق۔4۔ پاکیزہ کھانا" (رواہ احمد وغیرہ)۔

21۔"اللہ تعالیٰ نے مجھے تکلیف پہنچانے والا اور خواہ مخواہ تکلیف اٹھانے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے معلم اور آسانی پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے"۔ (رواہ مسلم)۔

22۔"اگر کوئی شخص حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا نہیں کرتا میں اس کے لئے جنت کی نچلی منزل میں ایک گھر کا ضامن ہوں۔ جو شخص از روئے دل لگی بھی جھوٹ نہیں بولتا کے لئے جنت کی درمیانی منزل میں ایک گھر کا ضامن (Guarenter) ہوں۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہیں میں اس کے لئے جنت کے اعلیٰ درجے میں ایک گھر کا ضامن ہوں"۔(رواہ ابو داؤد)۔

اخلاق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

1۔اے میرے اللہ! بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما! تیرے سوا انبیبب کی طرف کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ مجھے برے اعمال اور برے اخلاق سے بچا۔ تیرے سوا ان سے کوئی نہیں بچا سکتا"۔(اخرجه النسائی۔ صحیح فی جامع الاصول)۔

2۔"اے میرے اللہ! برے اخلاق و اعمل، بری خواہشات اور بری بیماریوں سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ (رواہ الترمذی)۔

3۔"اے میرے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت پیدا فرما اور ہمارے حالات درست فرما" (رواہ البخاری)۔

4۔"اے میرے اللہ! میں بشر ہوں، میں نے جس مسلمان کو برا بھلا کہا ہو یا اس پر لعنت کی ہو تو اس کے لئے پاکیزگی اور اجر کا باعث بنا دے۔ (رواہ مسلم)۔

5۔اے میرے اللہ! میری امت کو جو شخص کسی امر کا ذمہ دار (حاکم) ہو پھر وہ لوگوں پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر اور میری امت کا جو حاکم امت (رعایا) پر نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما" (رواہ مسلم)۔

6۔"اے میرے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو فائدہ نہ پہنچائے"۔ (رواہ مسلم)۔

7۔"اے میرے اللہ! جس طرح تو نے میری خوبصورت پیدائش کی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے"۔(رواہ احمد)۔

جھگڑے کے وقت درگزر کرنا

1۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے حیران ہوئے اور مسکراتے رہے۔جب اس نے بہت زیادتی کی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی کسی بات کا جواب دے دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور اٹھ کر چل دیئے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور یوں مکالمہ ہوا: ابو بکر:اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ مجھے گالی دے رہا تھا تو آپ بیٹھے رہے۔ جب میں اس کی کسی بات کا جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور اٹھ کر چل دیئے!! الرسول: تیرے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو اسے جواب دے رہا تھا۔جب تو نے اسے جواب دیا تو شیطان حاضر ہو گیا۔اے ابو بکر! تین باتیں بالکل سچی اور حق ہیں:

1۔جس شخص پر بھی کوئی ظلم کیا جائے پھر وہ اللہ کی خاطر اس سے درگذر کرے تو اللہ تعالیٰ اس درگذر کرنے کی بناء پر اس کی زبردست مدد کرتا ہے۔

2۔جو شخص بھی عطیے اور صدقے کے ذریعے صلہ رحمہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال میں بہت اضافہ کر دیتا ہے۔

3۔اور جو شخص لوگوں سے مانگ مانگ کر اپنے مال میں اضافہ کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال میں بہت زیادہ کمی کر دیتا ہے"۔(رواہ احمد)۔
2۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپس میں دو آدمی گالی دینے والے ایک دوسرے کو جو کچھ بھی کہہ دیں تو زیادہ وبال گالی شروع کرنے والے پر ہو گا شرط یہ ہے کہ مظلوم حد سے زیادتی نہ کرے" (رواہ مسلم)۔اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان کو گالی دے یا کوئی تکلیف دینے کی ابتدا کرتا ہے تو دوسرا شخص اسی کے برابر جواب دے سکتا ہے۔اور گناہ ابتدا کرنے والے پر ہو گا اس لئے کہ جواب دینے والا جو کچھ کہتا ہے اس کا باعث ابتدا کرنے والا ہی بنا ہے۔شرط یہ ہے کہ جواب دینے والا شخص ایذا رسانی میں زیادتی نہ کرے۔ جتنی وہ زیادتی کرے گا اس کے مطابق اسے بھی گناہ ہو گا۔اس لئے کہ اسے اتنا ہی جوب دینے کی اجازت دی گئی ہے جتنا اسے ستایا گیا ہے۔یا برا بھلا کہا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۃ الشوریٰ :40)۔"برائی کا بدلہ اتنی برائی ہی سے دیا جاتا ہے۔جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اللہ کے ذمے اس کا اجر ہے۔بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا"۔اس آیت سے ثابت ہوا کہ بدلہ نہ لینا، صبر اور برداشت کرنا بہتر ہے جس طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔3۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ کے نزدیک وہ شخص بہت قابلِ نفرت ہے جو سخت جھگڑالو ہو" (متفق علیہ)۔اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے بغض رکھتا ہے جو اپنے ساتھ کے ساتھ شدید جھگڑا کرتا ہے۔مِرآء (جھگڑے) کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے غیر کے کلام میں طعن کرے۔بغیر کسی مقصد کے اس کے کلام کی خرابی ظاہر کرے۔مقصد صرف اسے ذلیل کرنا اور اپنی خوبی اس پر ظاہر کرنا ہو۔(سبل السلام للسنعانی)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الحجر:88، لیکن آپ کے نقل کردہ الفاظ اس آیت کے مطابق نہیں ہیں، چیک کرلیں شکریہ)۔ ''اور مومنین کے لئے اپنا بازو جھکا دیجئے''۔یعنی اس کی ضروریات میں ساتھ دیجئے۔

2۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوش اخلاق تھے۔ مرا ایک بھائی ابو عمیر تھا۔ اس کا دودھ چھڑا دیا گیا وہ جب ہمارے پاس آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ''اے ابو عمیر! تیری بلبل کا کیا حال ہے؟ ابو عمیر بلبل سے کھیلا کرتا تھا۔ (رواہ البخاری)۔

3۔اسود بن یزید نخعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کی خدمت اور کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے نماز کے لئے چلے جاتے تھے۔ (متفق علیہ)۔

4۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''اگر کوئی لونڈی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتی (اپنی کسی ضرورت کیلئے) تو جہاں تک وہ چاہتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاتی تھی''۔ (رواہ البخاری)۔

5۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب (اپنے پاس آتے ہوئے) دیکھتے تھے تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے برا جانتے ہیں''۔ (اسے احمد اور ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری کی مثال ہے۔ متکبر آدمی کا ہاتھ کوئی ادنی آدمی پکڑے تو وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے)۔

6۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''میری تعریف میں مبالغہ نہ کر جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے میں مبالغہ کیا ہے۔ میں تو بندہ ہوں لہٰذا تم کہو: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ (رواہ البخاری)۔

7۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار سے ملنے جاتے تو ان کے بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ (صحیح۔ رواہ النسائی)۔

8۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی چیز مانگی جاتی تھی تو عطا کر دیتے تھے (نہ ہوت) تو خاموش رہتے تھے۔ (رواہ الحاکم)۔

9۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمزور مسلمانوں کے پاس آتے تھے، ان کی زیارت کرتے، ان کے بیماروں کی مزاج پرسی کرتے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے۔ (صحیح۔ رواہ ابو یعلی)۔

10۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران پیچھے رہتے، کمزور کو آگے بڑھاتے، (پیدل کو) اپنے پیچھے سوار کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ (صحیح رواہ ابوداؤد)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

11۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اللہ کا ذکر کرتے، بیکار بات نہ کرتے، نماز کو لمبا کرتے اور خطبہ مختصر کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عار نہ سمجھتے اور اس امر سے تکبر نہ کرتے تھے کہ بیوہ، مسکین اور غلام کے ساتھ جا کر اس کی ضرورت پوری کریں۔ حاجتمند کی ضرورت پوری کرنے سے رکتے نہیں تھے۔ (**صحیح۔ رواہ النسائی**)۔

12۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھتے، زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے، بکری دوھتے، جو کی روٹی پر بھی غلام کی دعوت قبول کرتے تھے۔ (آجکل کے بڑے لوگ اور رہنما پہلے دعوت کا مینو (Meno) پوچھتے ہیں۔ اچھے کھانے ہوں تو قبول کرتے ہیں اور سادہ کھانا ہو تو شریک نہ ہونے کے لئے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ **مترجم**)۔

13۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لوگوں کو دور نہیں کیا جاتا تھا نہ انہیں مارا جاتا تھا (جیسے آج کل کسی بڑے آدمی کی آمد پر عام لوگوں کی ٹریفک بند کر دی جاتی ہے۔ یہ اپنے ظلم و ستم کی حفاظت کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ **مترجم**)۔ (**صحیح۔ رواہ الطبرانی**)۔

14۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو واپس نہیں کرتے تھے۔ (قبول کر لیتے تھے)۔ (رواہ البخاری)۔ 15۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب سے کھیلتے تو فرماتے تھے: "اے پیاری زینب، اے پیاری زینب! کئی دفعہ یہ الفاظ فرماتے تھے"۔ (صحیح۔ رواہ ایضاً)۔

16۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پیدل چل کر تشریف لائے۔

(**رواہ البخاری**)۔

17۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گذرے جو کھیل رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کہا۔ (**رواہ مسلم**)۔

18۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا مرمت کر لیتے، اپنا کپڑا سی لیتے، اور تمہاری طرح اپنے گھر میں کام کرتے تھے۔ آپ فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہی تھے اپنے کپڑے سے خود جوئیں نکال لیتے تھے۔ اپنی بکری دھو لیتے اور اپنی خود خدمت کرتے تھے۔ (رواہ الترمذی)۔

19۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آٹھ سال کی عمر میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ اگر کوئی چیز مجھ سے ضائع ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے ملامت نہیں کی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ میں سے کسی نے مجھے ملامت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "چھوڑو اسے۔ اگر اللہ نے کسی چیز کا فیصلہ کر دیا ہو اور وہ اسی طرح ہو گئی"۔ (تو ملامت کیوں کی جائے۔ مترجم)۔

انکساری کے بارے میں احادیث

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ 1۔ تواضع اختیار کرو۔ 2۔ کوئی شخص کسی پر فخر نہ کرے۔ 3۔ کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کرے"۔ (**رواہ مسلم**)۔

2۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ مال میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ جو شخص بھی زیادہ درگزر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ (لوگوں میں) اس کا درجہ بلند کرتا ہے"۔ (رواہ مسلم) (تواضع تکبر کے خلاف عادت کا نام ہے)۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اگر مجھے جانور کے کھر یا دستی کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ اور اگر مجھے کوئی کھر یا دستی بطور ہدیہ دی جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔ (رواہ البخاری)۔

4۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء دوڑنے میں کبھی شکست نہیں کھاتی تھی۔ یا کبھی سیر میں پیچھے نہیں رہتی تھی۔ ایک دیہاتی اپنے ایک جوان اونٹ پر آیا۔ (دوڑ میں مقابلہ ہوا) تو وہ اونٹ عضباء سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں کو یہ بہت ناگوار ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ناگواری کو پہچان کر فرمایا: "یہ اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ جو چیز دنیا میں فخر سے سر بلند کرے اسے وہ پست کر دے"۔ (رواہ البخاری)۔ (دنیا میں ہر عالم سے بڑھ کر عالم اور ہر قوی سے بڑھ کر طاقتور موجود ہے۔ مترجم)۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جی ہاں۔ اہل مکہ کی بکریاں میں نے چند قریطوں کے عوض چرائی ہیں"۔ (رواہ البخاری)۔ (ایک قریط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے)۔

6۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا کھاتے تھے تو اپنی انگلیاں تین دفعہ چاٹتے تھے اور فرماتے تھے: "جب کسی کا کوئی لقمہ گر جائے تو وہ اسے اٹھا کر میل وغیرہ دور کرے اور کھالے اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم پیالے کو اچھی طرح انگلیوں کے ساتھ صاف کریں۔ اور فرمایا: "تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے (کے کونسے ذرے میں) برکت ہے"؟ (رواہ مسلم)۔

تکبر کرنے والوں کا انجام

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا۔ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ (بنی اسرآئیل: 38۔37)

"اور (اے انسان) زمین میں اترا کر نہ چل تو زمین کو ہرگز پھاڑ نہیں سکے گا۔ اور تو بلند میں پہاڑوں تک بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی طرح کی ہر برائی تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے"۔

2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ (لقمان:1819)

"لوگوں کے سامنے تکبر سے اپنے رخسار کو ٹیڑھا نہ کر۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر۔ اور اپنی آواز کو پست کر۔ یقیناً سب آوازوں سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے"۔

(اگر بلند آوازی رعب وعزت کا باعث ہے تو گدھا تجھ سے زیادہ بارعب اور باعزت ہے۔ مترجم)

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "عزت میری اِزار (تہہ بند) ہے اور تکبر میری (اوڑھنے کی) چادر ہے جس شخص نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینا میں اسے سخت سزا دوں گا"۔ (رواہ مسلم)۔

(جس طرح کوئی آدمی اِزار اور چادر پہنتا ہے تو اس میں کسی دوسرے آدمی کو شریک نہیں کرتا، اسی طرح عزت اور کبریاء اللہ تعالیٰ کی اِزار اور چادر ہیں، لائق نہیں کہ وہ ان میں کسی کو شریک کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کے ساتھ مثال بیان کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے۔ کسی معزز اور ذی شان آدمی کی اِزار (تہہ بند) اور اوڑھی ہوئی چادر کوئی شخص چھیننے اور کھینچنے کی کوشش کرے تو اس کا غصہ اور غضب قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور چھیننے والا غالباً قتل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی عزت پر ہاتھ ڈالے وہ سخت عذاب سے کیسے بچ سکتا ہے؟ (مترجم)۔

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ ایک آدمی نے کہا کہ ہر آدمی چاہتا ہے اس کے کپڑے اور جوتے خوبصورت ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر تو حق کو قبول کرنے سے انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے" (رواہ مسلم)۔ ایک روایت میں ہے: جس شخص کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو گا وہ آگ میں داخل نہ ہو گا۔ اور جس شخص کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

حدیث کا مفہوم

1۔ امام نووی علیہ الرحمہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے: یعنی شروع میں وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ اسے تکبر کی سزا دے یا اس سے درگزر کرے۔

2۔ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو گا۔ وہ آگ میں داخل نہ ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ آگ میں نہیں رہے گا۔ (اپنے بداعمال کی سزا بھگت کر بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (مترجم)۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی شکل میں جمع کیا جائے گا۔ ہر طرف سے ان پر ذلت چھا رہی ہو گی۔ انہیں جہنم کی بولس نامی جیل کی طرف ہانکا جائے گا۔ ان پر بہت بڑی آگ بلند ہو رہی ہو گی۔ انہیں جہنمیوں کے زخموں سے بہتی ہوئی پیپ پلائی جائے گی" (رواہ الترمذی)۔

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا تکبر اور باپ دادوں کے نام سے فخر کو ختم کر دیا ہے۔ اب یا تو آدمی مومن متقی ہو گا۔ یا بد کردار اور بد نصیب ہو گا۔

سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے" (رواہ الترمذی۔ حدیث حسن)۔

5۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ایک آدمی ایک خوبصورت خوش کن لباس میں جا رہا تھا۔ اس نے اپنے سر میں کنگھی کی ہوئی تھی۔ اس کی چال متکبرانہ تھی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت کے دن تک زمین میں ڈوبتا جائے گا"۔ (متفق علیہ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بُردباری

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (سورۃ الاعراف: 199)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) درگزر کیجئے، نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے چشم پوشی کیجئے

2۔ سیدنا انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گاڑھے حاشیے والی نجرانی چادر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دیہاتی ملا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر بہت زور سے کھینچا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر چادر کے حاشیے نے سختی کی وجہ سے نشان ڈال دیئے تھے۔ اس دیہاتی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا جو مال تیرے پاس ہے اس کا حکم دے کہ مجھ کو دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے، پھر اسے کچھ مال دینے کا حکم دیا"۔ (متفق علیہ)۔

3۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتا ہے۔ 1۔ بردباری اور ٹھہراؤ"۔ (یعنی کام کو سوچ سمجھ کر غور و فکر کے بعد اختیار کرنا، جلد بازی نہ کرنا۔ مترجم)۔
4۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے تو اپنی تلوار اس کے ساتھ لٹکا دی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک اجنبی آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہے۔ (اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار پکڑ لی تھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا: "اس شخص نے میری تلوار ہی (مجھ پر) سونت رکھی ہے۔ اس اجنبی نے کہا:

آپ کو کون بچائے گا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ"۔ اس نے تلوار نیام میں کر دی۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم) آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ یہ بیٹھا ہوا ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزا نہ دی۔ (متفق علیہ)۔

غصہ اور اس کا علاج

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ (سورۃ الشوریٰ آیۃ:37)

"اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں"۔

2۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:134)

"وہ لوگ جو خوشحالی اور تنگی میں (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں، غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

3۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ذاتی انتقام کسی سے نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرمت کو توڑا جاتا تو اللہ کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقام لیتے تھے"۔ (متفق علیہ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص اپنے غصے کو پی جائے اور وہ اپنا بدلہ لینے پر قادر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کے روبرو اسے بلائے گا پھر اسے اختیار دے گا کہ جو حور بھی وہ چاہے لے لے"۔ (رواہ الترمذی وابوداود۔ البانی نے اسے حسن کہا ہے)۔

4۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لوگوں کو پچھاڑنے والا ہی طاقتور (پہلوان) نہیں ہے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول کرے" (متفق علیہ)۔

5۔ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا: "مجھے کوئی وصیت (نصیحت) کیجئے، زیادہ لمبی نہ ہو تاکہ میں اسے پار کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "غصہ نہ کیا کر"۔ (رواہ البخاری)۔

6۔سیدنا سلیمان بن صرد بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں نے آپس میں گالم گلوچ کی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو غضبناک ہو کر گالی دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ (گالیاں دینے والا) کلمہ کہہ لے تو اس کا غیض وغضب دور ہو جائیگا۔ وہ کلمہ ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" الصحابہ رضی اللہ عنہم: اس آدمی سے کہتے ہیں: کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنتا؟

غضبناک آدمی: "میں پاگل نہیں ہوں"۔ (متفق علیہ)۔

7۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ (سورۃ فصلت یاحٰمٓ السجدۃ:34)

"برائی کا احسن طریق سے ازالہ کیجئے۔(حسن سلوک اس سے اس کا دفاع کیجئے)۔اس طرح وہ شخص کہ جو تجھ سے عداوت رکھتا ہے ایسا ہو جائیگا گویا وہ تیرا گرم جوش دوست ہے"۔اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غضب کے وقت صبر اور برائی کے مقابلے میں درگذر، جب لوگ ان دونوں اعمال کو اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں (ہر شر سے) بچائیگا۔دشمن ان کے سامنے اس طرح نیاز مند ہو گا گویا وہ گرم جوش پر تپاک دوست ہے۔

8۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جب کوئی غضبناک ہو، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔اگر غضب رفع ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے"۔ (صحیح۔رواہ ابو داؤد)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

1۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم انہیں خوفزدہ کرنے کا سبب سمجھتے ہو۔ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔پانی کم ہو گیا۔

الرسول: میرے پاس بچا ہوا پانی لاؤ۔

(صحابہ رضی اللہ عنہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برتن میں اپنا ہاتھ ڈالتے ہیں)

الرسول: مبارک پاکیزہ کرنے والے پانی اور اللہ تعالیٰ کی برکت کی طرف آؤ! ابن مسعود: میں نے دیکھا کہ پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔اور کھانا کھاتے ہوے ہم کھانے کی تسبیح بھی سنا کرتے تھے۔(رواہ البخاری)۔

2۔سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک سفر میں گئے تو انہیں سخت پیاس لگی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے دو آدمیوں کو بھیجا۔میں خیال کرتا ہوں کہ وہ سیدنا علی اور زبیر رضی اللہ عنہما یا ان کے علاوہ کوئی دو آدمی تھے۔

الرسول: فلاں مقام پر تم دونوں ایک عورت کو پاؤ گے۔اس کے پاس ایک اونٹ ہو گا۔اس اونٹ پر دو پکھالیں (چمڑے کی بڑی مشکیں) ہوں گی۔اسے میرے پاس لے آو۔دونوں صحابی رضی اللہ عنہما اس عورت کو پالیتے ہیں۔وہ اونٹ پر دو پکھالوں کے درمیان بیٹھی تھی۔

☆صحابی رضی اللہ عنہما عورت سے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان)۔

☆عورت پوچھتی ہے: کون اللہ کا رسول؟ کیا یہ دین ترک کرنے والا؟ اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنے والا؟

☆دونوں صحابی رضی اللہ عنہما: وہی ہے جو تو مراد لیتی ہے۔ وہ اللہ کا سچا رسول ہے۔

☆عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ پکھالوں کا منہ کھول کر اس برتن میں رکھا جائے۔ پھر پانی پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ پھر پانی کو مشکوں میں واپس کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مشکوں کو کھولنے کا حکم دیا۔ پھر لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے۔ اپنی مشکیں بھی بھر لیں۔ انہوں نے ہر برتن کو پانی سے پر کر لیا۔ عمران بیان کرتے ہیں: مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ انپکھالوں کے پانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حکم دیتے ہیں کہ اس عورت کا کپڑا بچھاؤ۔ پھر اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے زادِ راہ میں سے کچھ لاؤ۔ اس عورت کا کپڑا کھجوروں اور روٹی وغیرہ کے ٹکڑوں سے بھر گیا۔

الرسول: عورت سے: تو چلی جا ہم نے تیرے پانی سے کچھ نہیں لیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ہمیں پانی پلایا ہے۔ عورت: زادِ راہ اور اپنی پکھالیں لے کر اپنے اہل خانہ کے پاس آجاتی ہے۔

☆عورت اپنے اہل خانہ سے: میں بہت بڑے جادوگر کے پاس سے تمہارے پاس آئی ہوں۔ (اگر وہ جادوگر نہیں ہے) تو وہ اللہ کا سچا رسول ہے۔ پھر اس قبیلے کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سب اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ (متفق علیہ)۔

اس معجزے سے حاصل ہونے والا فوائد (نتیجے)

1۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی باتوں کی اطلاع کر دیتا ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہما کو اس عورت کے مقام کی خبر دی جو پانی اٹھائے جا رہی تھی۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو توجہ دلاتے ہیں کہ جو مبارک پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹتا ہے اس کی برکت اللہ وحدہ لاشریک ہی کی طرف سے ہے جس نے یہ معجزہ پیدا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حرص تھی کہ ہر پہلو سے امت کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ کریں۔ اور ان کا اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی برکت کی طرف آؤ"۔

3۔ مسلمان ہونے والے کو مشرکین صابی کہتے تھے۔ یعنی اپنے باپ دادوں کے دین کو ترک کرنے والا۔ وہ آباء واجداد اللہ کے سوا دوسرے اولیاء کو اپنی حاجت برآری کے لئے پکارتے تھے۔ ہمارے زمانے میں بھی جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دے اور تنہا اللہ کو پکارنے کی طرف بلائے، غیر اللہ، انبیاء و اولیاء کو پکارنے سے روکے، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انہیں نصیحت کرے، اسے لوگ "وہابی" کہتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی دعوت سے روکیں جس طرح مشرکین کی نظر میں صابی تھا اسی طرح موجودہ دور کے جاہل لوگوں کی نظر میں وہابی ہے۔ اللہ کی مرضی تھی کہ لفظ وہابی کی نسبت الوہاب سے ہو۔ اور وہاب اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے جس نے اسے عقیدۂ توحید عطا ہے۔

4۔احسان کا بدلہ دینا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس عورت کو احسان کا بدلہ دیا جائے جس نے انہیں تھوڑا سا پانی دیا تھا۔ پھر اس کا پانی واپس دیتے ہوئے اس کا کپڑا زادِ راہ سے بھر دیا۔ اور اس پانی میں کچھ بھی کمی نہ کی۔ اس سے فرمایا: "بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے"۔
5۔اس عورت نے اس معجزے اور پاکیزہ معاملے سے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پایا تھا، بہت اچھا اثر لیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس جا کر کہتی ہے: "یقیناً وہ اللہ کا سچا رسول ہے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اہل خانہ اور ان کے ساتھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

6۔توحید پر اس حرص اور ان اخلاق حسنہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور اسلام پوری انسانی آبادی میں پھیل گیا۔ جس دن مسلمانوں نے توحید اور اخلاقِ فاضلہ کو ترک کر دیا، اسی دن سے ان پر ذلت و رسوائی چھا گئی ہے۔ اب توحید اور اخلاق حسنہ کی رجوع ہی سے انہیں عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾(سورۃ الحج:40) "اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اس (اللہ) کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور غالب ہے"۔

7۔عورت کا رسالت کو جادو پر ترجیح دینا اس لئے کہ جادوگر لوگوں کے اموال ہڑپ کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زادِ راہ عطا کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصائب پر صبر کرنا

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۔ اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:127128)۔

"اور صبر کیجئے اللہ کی توفیق سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر ہو سکتا ہے۔ اور (ان کی گمراہی اور مخالفت پر) غم نہ کھا ان کے مکر و فریب سے کوئی تنگی محسوس نہ کر۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیکی کرتے ہیں"۔

2۔اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یوم اُحد سے بھی زیادہ سخت دن کبھی آیا؟ الرسول: میں نے تیری قوم سے بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ سب سے زیادہ سخت تکلیف میں نے عقبہ کے دن اٹھائی ہے۔ جب میں نے اپنے نفس کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا تھا اس نے میری دعوت کو قبول نہ کیا۔ میں غمزدہ ہو کر اپنے رُخ پر چل پڑا۔ مجھے قرن الثالب پر پہنچ کر ہی کچھ افاقہ ہوا۔ (قرن الثالب مکے اور طائف کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے) میں نے دیکھا کہ ایک بدلی نے مجھ پر سایہ کیا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا تو اس میں جبرئیل امین تھے۔ جبریل پکار رہے تھے: "اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات کو سن لیا ہے، اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا ہے۔ اللہ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ ان (ظالموں) کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں حکم دیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے عرض کرتا ہے: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک اللہ نے اپ کی قوم کی بات سن لی ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ

ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے حکم دیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو میں مکے کے دو پہاڑ (اخشبین) ان پر گرادوں"۔

الرسول: بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے (متفق علیہ)

3۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مالِ غنیمت تقسیم کیا، تو ایک آدمی کہنے لگا: اس تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا!!۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آدمی کی بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔ الرسول: اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے انہیں اس سے بھی زیادہ سخت تکلیف دی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔ (متفق علیہ)۔

4۔ الرسول: غزوۂ اُحد میں آپ کی رُباعی (چار دانت توڑ دیے گئے) اور آپ کا سر زخمی کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون صاف کرتے ہوئے فرمارہے تھے: "وہ لوگ کس طرح نجات پائیں گے جنہوں نے اپنے نبی کو زخمی کیا اور اس کی رُباعی توڑ دی" اور اللہ سے دعا کر رہے تھے۔ (رواہ مسلم)۔ قرآن کریم نازل ہوتا ہے: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (آل عمران: 128)۔ "اپ کو کسی کی نجات کے بارے میں معاملے کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ (اس اللہ کی مرضی) انہیں معاف کر دے یا عذاب کرے، بہرحال ہیں تو وہ ظالم ہی"۔

5۔ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے (ظلم و ستم کے بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے (اللہ سے) مدد کیوں نہیں طلب کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی کو پکڑا جاتا تھا اور زمین میں گھڑا کھود کر اس میں اسے زندہ ہی ڈال دیا جاتا تھا۔ یا اس میں کھڑا کر کے آرا اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ہڈیوں تک اس کا گوشت کھینچ لیا جاتا تھا۔ یہ سب تکلیفیں اسے دین سے نہیں روکتی تھیں"۔ "اللہ کی قسم! یہ امر دین ضرور پورا ہو کر رہیگا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاءِ یمن سے حضر موت تک سفر کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا۔ ہاں اپنی بکریوں کے بارے میں بھیڑیئے کا اسے اندیشہ ہو گا مگر تم جلدی مچا رہے ہو"۔ (رواہ البخاری)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نرم برتاؤ

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة: 128)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"تمہیں میں سے تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے تمہاری تکلیف اس پر گراں گذرتی ہے، تمہاری آسودگی اور نجات کی حرص رکھتا ہے۔ ایمان داروں کے ساتھ شفیق اور بہت مہربان ہے"۔

پہلی حدیث: سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک دیہاتی بدو آیا: وہ کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا اصحاب رسول جلاّ نے لگے: رُک رُک، پیشاب نہ کر۔

الرسول: اسے منقطع نہ کرو۔ چھوڑو اسے۔ اس کا پیشاب نہ روکو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ پورا پیشاب کر لیتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بلاتے ہیں:

الرسول: دیہاتی سے کہتے ہیں: "مسجدیں پیشاب وغیرہ کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کے لئے ہیں"۔

الرسول: اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرماتے ہیں: "تمہیں آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے، تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (اس کے پیشاب پر) پانی کا ایک ڈول بہادو"۔

دیہاتی: "اے میرے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما۔ اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما"۔

الرسول: تو نے کشادہ چیز کو تنگ کر دیا ہے"۔ (متفق علیہ)۔

دوسری حدیث: سیدنا معاویہ ابن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ نمازیوں میں سے ایک نمازی نے چھینک ماری۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے چھینکنے والے کے لئے دعا کی: یَرْحَمُکَ اللہ۔ اللہ تجھ پر رحم کرے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ مجھے برا جانتے ہوئے دیکھنے لگے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: ہائے میری ماں مجھے گم پائے! تمہیں کیا ہوا کہ میری طرف دیکھ رہے ہو۔ نمازی اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو جائے۔ وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ نمازی اسے خاموش کروا رہے ہیں۔ پھر نماز ختم ہو جاتی ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا ہے: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آپ کے بعد اچھا معلم کوئی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! آپ نے نہ مجھ پر سختی کی نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔

الرسول: "نماز میں مناسب نہیں ہے۔ لوگوں کی سی کوئی بات کی جائے، یہ تو تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنے کے لئے ہوتی ہے"۔

معاویہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں دورِ جاہلیت سے ابھی ابھی نکلا ہوں، اللہ تعالیٰ اسلام کو لایا ہے۔ ہمارے کچھ آدمی کاہنوں کے پاس جاتے ہیں جو علمِ غیب جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

الرسول: "تو ان کے پاس نہ جا"۔

معاویہ: ہمارے کچھ آدمی بدشگونی لیتے ہیں۔

الرسول: "یہ ایک خیال ہے جسے وہ اپنے سینوں میں پاتے ہیں۔ یہ چیز انہیں اپنے رُخ اور کام سے ہرگز نہ روکے" (اس لئے کہ بدشگونی نفع یا نقصان کا کوئی اثر نہیں رکھتی)

تیسری حدیث: اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ الیہود: اَلسَّامُ عَلَیْکَ۔ یعنی تجھے موت آئے۔ الرسول: وَعَلَیْکُمْ۔ اور وہی تم پر آئے۔ عائشہ: اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰہ وَ غضب علیکم۔ موت تمہی کو آئے، اللہ تم پر لعنت کرے اور تم پر غضبناک ہو۔

الرسول: "جانے دے عائشہ! نرمی اختیار کر، سختی اور بدزبانی سے بچ"۔ عائشہ: آپ نے نہیں سنا جو انہوں نے کہا تھا؟

الرسول: "کیا تو نے نہیں سنا جو میں نے کہا تھا۔ میں نے ان کا کلمہ انہی پر لوٹا دیا۔ تو میری بات قبول کر لی گئی اور میرے بارے میں ان کی بددعا قبول نہیں کی گئی"۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے: "بدزبانی نہ کر۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فحش اور بدزبانی کو پسند نہیں کرتا"۔

نرم برتاؤ کے بارے میں احادیث

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی ہی کو پسند کرتا ہے جو انعامات وہ نرمی پر عطا کرتا ہے وہ سختی پر عطا نہیں کرتا۔ نرمی کے بغیر اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا نہیں کرتا"۔ (رواہ مسلم)۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے: "نرمی اختیار کر، سختی اور بدزبانی سے پرہیز کر، جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت بخشتی ہے۔

اور جس چیز سے نرمی ختم ہو جائے تو وہ عیب دار ہو جاتی ہے"۔ (رواہ مسلم)۔

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! نرمی اختیار کر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی اہل خانہ سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے"۔ (رواہ احمد)

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص نرمی سے محروم ہوا وہ ہر بھلائی سے محروم ہوا"۔ (رواہ مسلم)۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو نرمی کا حصہ ملا، اسے بھلائی عطا کر دی گئی۔ اور جو شخص نرمی سے محروم ہو گیا وہ بھلائی سے محروم ہو گیا"۔ (رواہ احمد والترمذی)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی معاملے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے تو فرماتے تھے: "خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی پیدا کرنا اور تنگی پیدا نہ کرنا"۔ (متفق علیہ)۔

7۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نماز شروع کرتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اسے لمبا کروں مگر میں بچے کا رونا سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو سخت غم ہوتا ہے"۔ (متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ النسآء: 84)۔

"(اے نبی) اللہ کی راہ میں لڑائی کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات ہی کی تکلیف دی جاتی ہے۔ (کوئی آپ کا ساتھ دے یا نہ دے) ایمانداروں کو بھی (لڑائی کی) ترغیب دیجئے"۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت چہرے والے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات میں (دشمن کی آمد کے خوف سے) اہل مدینہ گھبرا گئے۔ لوگ آواز کی طرف نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے ہوئے ان سے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز کی طرف ان سے پہلے نکل گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبر کی تحقیق کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر بغیر زین کے سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: "ہرگز نہ ڈرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے (اس گھوڑے کو روانی میں)

دریا کی طرح پایا ہے۔ یہ تو دریا ہے"۔ حالانہ پہلے یہ گھوڑا سست رفتار تھا۔

3۔ ایک آدمی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا: اے ابو عمارہ! کیا تم غزوۂ حنین کے دن بھاگ گئے تھے؟ براء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھاگے تھے بلکہ کم ہمت لوگ میدان سے نکل گئے تھے۔ ان کا سامنا قبیلہ ءھوازن سے ہوا تھا۔ وہ بہت تیر انداز لوگ تھے۔ انہوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ گویا کہ ان پر ٹڈیوں کا لشکر چھا گیا۔ تب وہ بھاگ نکلے۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو تھامے آگے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اُترے۔ پھر دعا کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ کہہ رہے تھے: "أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ۔ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ" میں نبی ہوں (اس میں) کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"۔ اے میرے اللہ! اپنی مدد نازل فرما"۔ (متفق علیہ)۔ 4۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم جب لڑائی سخت زوروں پر ہوتی تھی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ ہم میں وہ سب سے زیادہ بہادر تھے ہم ان کی اوٹ میں دشمن سے مقابلہ کرتے تھے"۔ (رواہ مسلم)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

5۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان رتے ہیں: غزوۂ بدر کے دن ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی میں سب سے زیادہ سخت اور طاقتور تھے۔(اس کی سند حسن ہے۔ محقق شرح السنۃ)۔

6۔سیدنا جابر رضی الہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم خندق کھود رہے تھے۔ ایک سخت چٹان سامنے آئی تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے: ہمارے سامنے یہ چٹان ظاہر ہوئی ہے۔

الرسول:"میں اترتا ہوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے ہیں۔ بھوک کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدال پکڑ کر چٹان پر مارتے ہیں تو وہ نرم مٹی کی طرح ہو جاتی ہے۔(مفصل قصہ بخاری اور مسلم میں ہے)۔

تاریخِ انسانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انسان ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی پوری دنیا نے گواہی دی ہے۔ ان میں سے ایک امریکی ڈاکٹر "مائیکل ہارٹ" ہے جس نے اپنی کتاب میں ایک سو تاریخی آدمیوں کا ذکر کیا ہے۔

پروفیسر احمد بہاء الدین نے اس کا ترجمہ کر کے ایک عربی رسالے میں نشر کیا ہے۔ رسالہ نمبر 241 ہے۔ ہم اس سے وہ اقتباس لیتے ہیں جس میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے بارے میں بیان کیا ہے۔(اہم تاریخی آدمیوں میں مرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اول قرار دینا کتاب پڑھنے والوں کو حیران کرے گا۔ مگر پوری تاریخ انسانی میں وہی واحد شخص ہیں جس نے دین و دنیا کے دونوں پہلوؤں میں اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کی ہے) ۔(اور کسی مصلح کو دونوں پہلوؤں میں ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مترجم)۔ بہت سے پیغمبر، انبیاء اور حکماء گذرے ہیں جنہوں نے عظیم رسالتوں کا آغاز کیا مگر وہ ان کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو گئے جیسے مسیح علیہ السلام یا ان کے مشن میں دوسرے شریک ہونے والوں نے نصرانیت کی نشر و اشاعت میں جدوجہد کی مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی انہیں دنیا سے اٹھا لیا گیا۔ ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام آئے تو وہ یہودیت کی تکمیل نہ کر سکے۔ بلکہ یہودی ان کی موت تک انہیں ستاتے اور مخالفت کرتے رہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی واحد شخص ہیں جنہوں نے دین رسالت کی اپنی زندگی ہی میں تکمیل کر دی۔ اور پورے دینی احکام واضح اور مقرر کر دیئے۔ ان پر بڑے بڑے قبیلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ایمان لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی پہلو سے ایک نئی ریاست قائم کی۔ اسی طرح دنیوی میدان میں بھی انتہائی خوش نصیبی اور سرفرازی حاصل کی۔ چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بڑے قبیلے میں اور بڑے قبیلوں کو ایک امت میں ضم کر دیا۔ اپنی امت کے لئے اس کی زندگی کے تمام بنیادی امور طے کر دیئے۔ ان کی دنیا کے امور کا بھی پورا نقشہ عطا کیا۔ اور اسے پوری دنیا کی طرف پیش قدمی کے لائق بنا دیا۔

یہ سارا کام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انجام پا گیا۔ لہٰذا وہی شخص ہیں جنہوں نے دینی امور دنیوی رسالت کا آغاز کر کے ان کی تکمیل کر دی۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

سب جہانوں کے لئے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ﴾ (الانبیاء:106)۔

"اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔ صحیح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام ہے۔اس مفہوم کے لحاظ سے اس میں دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: 1۔رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے تو انہوں نے دنیا و آخرت میں عزت حاصل کی ہے۔

2۔رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کرنے والے دشمن، سو، جن کو جلدی موت کا شکار کر دیا گیا۔ وہ ان کیلئے ان کی زندگی سے بہتر ہے۔اس لئے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو ان کے فسق و فجور اور کفر و شرک کی وجہ سے آخرت میں ان کے عذاب میں اور اضافہ ہوتا۔ اس لئے کہ ان کی بد بختی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کی موت کا جلدی فیصلہ کفر کی حالت میں ان کی لمبی عمروں سے بہتر تھا۔

3۔رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدۂ صلح کرنے والے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد، ذمہ داری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہء رحمت میں امن و راحت کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔اور وہ اس عہد و پیمان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑنے والوں کی نسبت کم تکلف دہ تھے۔

4۔رہے منافق لوگ تو زبانوں سے ایمان کے اظہار سے انہیں مال و جان کی سلامتی اور احترام حاصل ہوا۔ اور وراثت وغیرہ کے سلسلہ میں اسلامی احکام کے اجراء سے انہیں امن و سکون حاصل ہوا۔ 5۔رہیں وہ امتیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی وجہ سے پوری روئے زمین کے لوگوں سے عذابِ عام اٹھا دیا۔

دوسری وجہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کیلئے رحمت ثابت ہوئے۔ مگر ایمانداروں نے شرحِ صدر سے اس رحمت کو قبول کیا تو انہوں نے دین و دنیا کا فائدہ اٹھایا۔ کفار نے اس رحمت کو ٹھکرا دیا اور قبول نہ کیا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے بھی رحمت ثابت ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رحمت کا مقام

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ﴾ (الانبیاء:106)۔

"اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

2۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھے رحمت کے ساتھ بھیجا گیا ہے"۔(رواہ مسلم)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں بلاشبہ حقیقی رحمت ہوں"۔ (رواہ الحاکم)۔

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا"۔ (متفق علیہ)۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "رحمت سے بدبخت ہی کو محروم کیا جاتا ہے" (رواہ الترمذی)

6۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "رحم کرنے والوں پر رحمن تبارک و تعالیٰ رحم کرتا ہے۔ اہل زمین پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔ (رواہ احمد وغیرہ)۔

7۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع رضی اللہ عنہ بن حابس تمیمی موجود تھے۔ اقرع رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو کبھی بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔ (متفق علیہ)۔

8۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک دیہاتی (صحرائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال دی ہے تو میں (تیرے دل میں رحمت پیدا کرنے کا) اختیار رکھتا ہوں"؟۔

9۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحمدل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو (سائل بھی) آتا تھا۔ اس سے کچھ دینے کا وعدہ کرتے تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہوتا تو اسے عطا کر کے وعدہ پورا کر دیتے تھے۔

10۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اپنے اہل و عیال کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحم کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا"۔ (رواہ مسلم)۔

حیوانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت

1۔ سیدنا سہیل بن حنظلہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گذرے (بھوک کی وجہ سے) جس کی پیٹھ اس کے پیٹ سے لگ چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان بے زبان مویشیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اچھی حالت میں ان پر سواری کرو اور اچھی صحتمند حالت میں ان کا گوشت کھاؤ"۔ (رواہ ابوداؤد)۔

2۔ سیدنا عبداللہ اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے بیان کیا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت کے لئے گئے۔ ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو چوزے (اس کے بچے) تھے۔ ہم نے اس کے دونوں چوزے پکڑ لئے۔ وہ چڑیا آکر پریشانی سے اڑنے لگی، پر پھڑ پھڑانے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاجت سے واپس) آکر فرمای: "اس پرندے کو کسی نے تکلیف پہنچائی ہے؟ اس کی اولاد اس کے حوالے کر دو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی

جسے ہم نے جلا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس نے اس (گھروندے) کو جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا: ہم نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی آدمی کے لائق نہیں ہے کہ آگ کے مالک (اللہ تعالیٰ) کے سوا کسی چیز کو آگ کے ساتھ عذاب دے"۔ (رواہ احمد وغیرہ)۔

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لئے برتن کو جھکا دیتے تھے۔ وہ پانی پی لیتی تو اس کے بچے ہوئے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر لیتے تھے۔ (رواہ الطبرانی)۔

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے۔ سو جب تم قتل کرو تو قتل میں بھی احسان سے کام لو۔ (یعنی ایک ایک عضو کاٹ کر قتل نہ کرو۔ یکدم قتل کر دیا کرو)۔ جب تم جانور کو ذبح کرو تو ذبح بھی اچھے طریق سے کرو۔ ذبح کرنے والا اپنی چھری کی دھار کو تیز کر لے۔ اور ذبح ہونے والے جانور کو زیادہ تکلیف نہ پہنچائے (بلکہ تیز چھری سے اسے راحت پہنچائے)۔ (رواہ مسلم)۔

5۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے آدمی کے پاس سے گذرے جو بکری کی گردن پر پاؤں رکھ کر چھری تیز کر رہا تھا۔ بکری اسے دیکھ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو اسے دو دفعہ مارنا چاہتا ہے؟ تو نے اسے لٹانے سے پہلے اپنی چھری کو تیز کیوں نہ کر لی"؟ (رواہ الحاکم علی شرط الشیخین)۔

6۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک عورت کو ایک کے بارے میں عذاب دیا گیا۔ جسے اس نے قید کر رکھا تھا۔ اس بناء پر وہ آگ میں داخل ہوئی۔ اسے بند کرنے کے بعد نہ اسے کھلایا نہ پلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی" (رواہ البخاری)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل وانصاف

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (سورۃ النحل:60)۔

"بیشک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے"۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا: ﴿أُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (سورۃ الشوریٰ:15)۔

3۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "قریش کو مخزومیہ عورت کی حالت نے فکر مند کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ وہ کہنے لگے: اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ دوسرے صحابہ نے کہا: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ یہ جرأت کون کر سکتا ہے؟ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے۔ لہٰذا اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی (سفارش کی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اللہ تعالیٰ کی سی حد میں سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا: جب کوئی ان کا شریف (بڑا) آدمی چوری کر لیتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور (کم حیثیت) آدمی چوری کر بیٹھتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ

دیتا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: اس کی بہت اچھی توبہ ہوئی بعد میں اس نے شادی کی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی۔ میں اس کی حاجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کر دیتی تھی۔ (متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم وحیاء

1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ (سورۃ الاحزاب آیۃ:53)۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کھانے کی دعوت کی طرف اجازت کے بغیر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برتنوں کی طرف دیکھنے کی خاطر آؤ مگر جب تمہیں اجازت دی جائے تو داخل ہو جاؤ۔ پھر جب تم کھانا کھا چکو تو نکل جاؤ۔ (گھر میں بیٹھ کر) باتوں میں نہ لگے رہو۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتی ہے۔ (وہ تو اپنی تکلیف ظاہر کرنے میں) تم سے شرماتا ہے مگر اللہ تعالیٰ حق ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا"۔ 2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردے میں بیٹھی ہوئی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو (کہے بغیر) ہم ان کے چہرے سے پہچان لیتے تھے۔ (متفق علیہ)۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حیاء جزِ ایمان ہے اور حیاء مجسم بھلائی ہے" (رواہ مسلم)

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حیاء جزِ ایمان ہے اور ایمان جنت میں جانے کا باعث ہے۔ فحش گوئی بداخلاقی ہے اور بداخلاقی جہنم میں جانے کا باعث ہے"۔ (رواہ الترمذی وغیرہ)۔

5۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حیاء اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔ ان میں سے ایک نکل جائے تو دوسرا بھی نکل جاتا ہے"۔ (رواہ الحاکم و البیہقی)۔

6۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حیاء بھلائی ہی لاتی ہے"۔ (متفق علیہ)۔

7۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: حیاء اور بدکلامی سے اجتناب ایمان کے اجزاء ہیں۔ فحش گوئی اور بہت باتیں کرنا منافقت کی شاخیں ہیں"۔ (رواہ احمد وغیرہ)۔ (کم گوئی ایمان کی شاخ ہے، بازبانی اور باچھیں پھاڑ کر باتیں کرنا منافقت کی شاخیں ہیں)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

8۔یعلی بن امیہ بیان کرتے ہیں: "رسول اللہ نے ایک آدمی کو کھلی فضا میں بے پردہ غسل کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر چڑھے، اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ بہت حیاء دار پردہ دار ہے۔ وہ حیاء اور ستر پوشی ہی کو پسند کرتا ہے۔ سو جب کوئی غسل کرے تو پردہ کر لیا کرے"۔(رواہ احمد وغیرہ)۔

9۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ہر دیک کا ایک خلق ہوتا ہے اور اسلام کا بنیادی خلق حیا ہے"۔(رواہ ابن ماجہ)۔

10۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لوگوں نے ابتدائی نبوت سے جو کلام پایا ہے (وہ یہ ہے) سو جب تو حیا ہی نہ کرے تو جو چاہے کرتا پھر" (رواہ البخاری)۔

11۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ایمان کی کچھ اوپر ستر یا کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں۔ بہترین شاخ "لا الٰہ الا اللہ" کہنا ہے اور ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے"۔(رواہ مسلم)۔

12۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی سے حیاء کے بارے میں ناراض ہو رہا تھا۔ اسے کہہ رہا تھا: تجھے زیادہ شرم وحیاء نے نقصان پہنچایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: "اسے چھوڑ دے (حیاء کرنے پر ناراض نہ ہو) اس لئے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے"۔(متفق علیہ)۔

13۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بھی فحش کسی چیز میں ہوتا ہے وہ اسے عیب دار کر دیتا ہے۔ اور جس چیز میں حیاء ہوتی ہے وہ اسے زینت بخشتی ہے"۔(رواہ الترمذی)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے کسی دروازے پر آتے تو اس کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کے دائیں یا بائیں ستون (Piller) کے سامنے کھڑے ہو کر دو دفعہ السلام علیکم کہتے تھے۔(رواہ احمد)۔

2۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لئے بھیجتے تو فرماتے تھے: "خوشخبری دینا، نفرت پیدا نہ کرنا۔ آسانی کرنا تنگی نہ کرنا"۔(رواہ احمد)۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول کرتے اور اس کا بدلہ دیا کرتے تھے۔(رواہ البخاری)۔

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بُرے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔(رواہ البخاری)۔

5۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیمار کی عیادت (مزاج پرسی) کے لئے جاتے تو فرماتے تھے: "کوئی بات (تکلیف) نہیں ہے، یہ بیماری تو پاک کرنے والی ہے"۔(رواہ البخاری)

6۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز پیتے تھے تو برتن کے باہر تین دفعہ سانس لیتے تھے (یعنی اسے تین وقفوں میں پیتے تھے۔ ایک دم بغیر وقفہ کئے نہیں سڑاک لیتے تھے) فرماتے تھے اس طرح وہ مشروب زیادہ خوشگوار اور بیماری کے جراثیم سے پاک رہتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)۔
7۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدل چلتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے چلتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کو فرشتوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی حفاظت فرشتے کرتے تھے)۔ (رواہ ابن ماجہ)۔

8۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت وغیرہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے۔ (رواہ احمد)۔

9۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے، وضو، کپڑے پہننے اور لینے دینے میں دایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے۔ اسکے علاوہ باقی کاموں میں بائیں ہاتھ سے کام لیتے تھے۔ (رواہ احمد)

10۔ جب اپنے اہل بیت میں سے کسی کے جھوٹ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگاہ ہوتے تھے تو اس کے توبہ کرنے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعراض کرتے تھے۔ (رواہ احمد)۔

11۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے اجازت دے دو، وہ خاندان کا بُرا بیٹا یا خاندان کا بُرا بھائی ہے"۔ جب وہ داخل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرم کلامی کی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ نے پہلے اس کے بارے میں یوں فرمایا تھا۔ پھر آپ نے اس سے نرم گفتگو کی!! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجے میں سب سے بدترین وہ شخص ہے جس کو لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ (یعنی اس سے کنارہ کشی کریں)۔ (رواہ البخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق سخت گفتگو (Remarks) اس کی غیر موجودگی میں دیئے تھے اور اس کے حاضر ہونے کے بعد نرم گفتگو دلجوئی اور الفت پیدا کرنے کے لئے کی تھی تاکہ اس کی قوم اسلام قبول کرلے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی کے کاموں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور ماہِ رمضان میں عام ایام سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ ورا رمضان گذرنے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت رہتی تھی۔ جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتے تھے۔ جب جبریل آپ سے ملتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے تھے۔ (رواہ البخاری)۔

2۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی خاطر جب بھی کوئی چیز مانگی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ضرور عطا فرمادی۔ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں کا ایک ریوڑ

عطا فرمایا۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور اس نے کہا: اے لوگو! اسلام قبول کر لو اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عطا کرتے ہیں جس سے فاقے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ (رواہ مسلم)

3۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان بکریاں مانگیں (یعنی بہت سی بکریاں مانگیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عطا کر دیں۔ اس نے اپنی قوم کے پاس آ کر کہا: اے لوگو! اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم عطا کرتے وقت اپنے فقر و فاقہ کا بھی اندیشہ نہیں کرتے (یعنی اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتا)۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی مالِ دنیا حاصل کرنے کے ارادے سے اسلام قبول کرتا تھا۔ اس کے بعد اسلام اس کے لئے دنیا اور اس کی ساری دولت سے زیادہ محبوب ہو جاتا تھا۔ (رواہ مسلم)۔

4۔ سیدنا شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا غزوہ کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نکلے اور حنین میں جنگ کی۔ اللہ نے اپنے دین اور مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ پھر رسول اللہ نے اس دن صفوان بن امیہ کو سو اونٹ پھر سو اونٹ، پھر سو اونٹ۔ (یعنی تین سو اونٹ دیئے تھے)۔

نوٹ: فتح مکہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے ایک سردار صفوان بن امیہ سے جو مشرک تھا، عاریۃً ہتھیار لئے تھے اور غزوہ حنین کی بے بہا غنیمت سے اسے تین سو اونٹ عطا کئے تھے۔ (مترجم)۔ ابن شہاب کہتے ہیں: مجھے سعید بن المسیّب نے بتایا کہ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو کچھ بھی عطا کیا، اس سے پہلے آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ قابلِ نفرت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مسلسل عطا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ میرے محبوب ہو گئے۔ (رواہ مسلم)۔

5۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس ہوئے تو دیہاتی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو گئے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ رہے تھے۔ (انہوں نے گھیرا تنگ کر کے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درخت کے ساتھ پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ درخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اچک لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر تھے۔ پھر فرمایا: "میری چادر مجھے لا دو کیا تم کو میرے بارے میں بخل کا اندیشہ ہے؟ اللہ کی قسم اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں وہ تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پر ہ تم مجھے بخیل، بزدل اور جھوٹا نہ پاتے" (رواہ البخاری)۔

6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے ایک اونٹ کا سودا کیا جو سفر میں بالکل تھک چکا تھا۔ چل ہی نہیں سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ درہموں کے بدلے سودا کر لیا۔

جب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اونٹ کی قیمت لینے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قیمت کے ساتھ اونٹ بھی عطا کر دیا۔ (متفق علیہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

1۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوش کن معاملہ پیش آتا تھا تو کہتے تھے "سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کے احسان و توفیق سے اچھے اعمال انجام پاتے ہیں۔ اور جب کوئی ناپسندیدہ امر پیش آتا تھا تو کہتے تھے: "ہر حال میں سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے"۔(رواہ الحاکم)۔
2۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تھے تو اپنے اور معوذات (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس)

پڑھ کر دم کرتے تھے، اور اپنا ہاتھ (سر سے لے کر جہاں تک وہ پہنچتا تھا) پھیرتے تھے۔(متفق علیہ)۔

3۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوش کن امر آتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدے میں گر جاتے تھے۔

4۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم (کی دشمنی اور ایذاء) کا اندیشہ کرتے تھے تو کہتے تھے: "اے میرے اللہ! ہم ان کے سامنے تجھے ہی کرتے ہیں (یعنی ان کے مقابلے میں تیری ہی پناہ لیتے ہیں) اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں"۔(رواہ احمد)۔

5۔جب کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں گھبراہٹ پیدا کرتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے: "اللہ میرا رب ہے، اللہ میرا رب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے"۔(رواہ النسائی)

6۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف لاحق ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے: "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ" ۔ "اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور اے قائم بالذات اور پوری کائنات کے نگران میں تیری رحمت کی فریاد کرتا ہوں"۔(رواہ الترمذی)۔

7۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں اور انسان کی بد نظری سے پناہ مانگتے تھے۔ یہاں تک کہ معوذتان نازل ہوئی۔ جب یہ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار کر لیا۔ اور ان کے علاوہ دوسرے کلمات کو چھوڑ دیا۔(رواہ الترمذی)۔

8۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مصیبت، بد نصیبی لاحق ہونے، بُری تقدیر اور دشمنوں کی شماتت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔(متفق علیہ)۔ نوٹ: کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر خوش ہونے کو عربی میں شماتت کہتے ہیں۔(مترجم)۔

9۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سورۃ قاف کے ساتھ خطاب کرتے تھے۔ یعنی سورۂ "ق" پڑھا کرتے تھے۔(رواہ ابو داؤد)۔

10۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کرتے تھے تو کہتے تھے: "اے میرے اللہ! تو ہی میرا بازو ہے (یعنی قوت کا باعث ہے) تو ہی میرا مددگار ہے۔ تیری توفیق سے میں ایک حالت سے دوسرے حالت بدلتا ہوں اور تیری توفیق ہی سے میں حملہ کرتا ہوں" (رواہ احمد)۔

11۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی مجلس سے اٹھتے تھے تو کہتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ "تم میں سے جو کوئی بھی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت یہ کلمات کہے گا اس سے جو خطا بھی اس مجلس میں سرزد ہوئی ہو گی وہ معاف کر دی جائے گی۔(رواہ الحاکم)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

12۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں زیادہ عیش و تجمل سے منع کیا کرتے تھے اور ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم کبھی کبھی ننگے پاؤں چلا کریں۔ (رواہ ابو داؤد)۔

13۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر دعا ان کلمات کے ساتھ ہوتی تھی: ﴿اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (متفق علیہ)۔ "اے میرے اللہ ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح (دل لگی)

1۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے میل جول رکھتے تھے یہاں تک کہ میرے ایک چھوٹے بھائی سے کہا کرتے تھے: "ابو عمیر! تیری نُغیر کیا کیا حال ہے"؟ عمیر کی ایک بلبل تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ پھر وہ مر گئی تھی۔ (متفق علیہ)۔ نُغیر سرخ چونچ والی چڑیا تھی۔

2۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمسے خوش طبعی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں جو بات بھی کرتا ہوں وہ سچی ہوتی ہے" (یعنی خوش طبعی میں بھی میری زبان سے غلط بات نہیں نکلتی)۔ (رواہ الترمذی)۔

3۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کرتا ہوں۔ اس نے عرض کیا: میں اونٹ کے بچے کو کیا کروں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو ان اونٹنیاں بھی تو اونٹوں کے بچے ہی ہوتے ہیں"۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)۔

4۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اے دو کان والے"۔ (رواہ الترمذی)۔

5۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگلی آدمی کا نام زاھر بن حرام تھا۔ وہ جنگل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ بھیجا کرتا تھا۔ جب وہ جانا چاہتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تیار کرتے تھے۔ اسے کچھ سامان دیتے تھے۔ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زاہر ہمارا جنگلی صحرا ہے اور ہم اس کے باشندے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ بدصورت تھا۔ ایک دن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر اسے ہم آغوش کر لیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتا تھا۔ زاہر بن حرام: مجھے چھوڑ دیجئے! (پکڑنے والا) یہ کون ہے؟ زاہر مڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کے ساتھ اپنی پیٹھ چپکانے لگا۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہتے ہیں: اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ زاہر بن حرام: اللہ کی قسم آپ مجھے کھوٹا (کم قیمت) پائیں گے۔ الرسول: مگر تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں ہے۔ یا فرمایا: "تو اللہ کے نزدیک مہنگا ہے"۔ (رواہ احمد والترمذی)۔ مزاح بغیر تنقیص و تحقیر کے کسی کے ساتھ خوش طبعی کرنا ہے۔ جس مزاح سے منع کیا گیا ہے وہ ہے جس میں جھوٹ اور زیادتی ہو۔ اور ہمیشہ اس عادت کو اختیار کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ عادت زیادت ہنسنے اور دل کی سختی کا باعث ہوتی ہے۔ اس سے کینے پیدا ہوتے ہیں۔ آدمی کی ہیبت اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔

وہ اشعار جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (سورۂ یس:69)۔ "ہم نے اسے شعر نہیں سکھائے اور نہ اس کے لائق تھا"۔

2۔جناب شریح رضی اللہ عنہ نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابن رواحہ کے اشعار کہا کرتے تھے۔ کبھی آپ طَرَفہ شاعر کے معلقہ کا یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے:

ویأتیک بالأخبار من لم تزوّد

تیرے پاس ایسی چیز بھی خبریں لائے گی جسے تو نے سفر خرچ بھی نہ دیا ہو گا۔(موجودہ دور کے مواصلاتی آلات سے متعلق یہ پیش گوئی ہے جو پوری ہو چکی ہے۔ ٹیلی فون، وائرلس، موبائل، ٹیلی ویژن وغیرہ اس کی مثالیں ہیں)۔

3۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بہت سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید کا کلمہ ہے:

ألا كلُّ شيء ما خلا الله باطل

"یاد رکھو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے"۔ اور امیہ بن ابی صلت شاعر قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے۔(متفق علیہ)۔(یعنی وہ سلیم الفطرت تھا) یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہی جب آپ نے اس کا شعر سنا تھا۔

4۔سیدنا جندب بن سفیان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پر ایک پتھر لگا تو وہ خون آلود ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا: ھل أنت إلا أصبع دميتِ وفی سبیل اللہ ما لقیتِ "تو ایک انگلی ہی تو ہے جس نے اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھائی ہے"۔ یہ شعر ابن رواحہ کا ہے۔
5۔سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی نے کہا: اے ابو عمارہ کیا تم (غزوۂ حنین میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ ابنِ عازب رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی بلکہ جلد باز (نو مسلم) لوگوں نے پیٹھ پھیری تھی۔ ان کا تیروں کے ساتھ قبیلہ ءہوازن نے سامنا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خچر پر تھے۔ ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب اس خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شہہ کہہ رہے تھے:

أنا النبی لا کذب

أنا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ (متفق علیہ)۔

6۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے دن مٹی ڈھو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ غبار آلود ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درج ذیل اشعار پڑھ رہے تھے:

واللہ لو لا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اللہ کی قسم! اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ ہم نمازیں پڑھتے۔

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ہم پر اطمینان نازل فرما۔ اگر ہم دشمن سے ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

والمشرکون قد بغوا علینا اذا أرادوا فتنۃ أبینا

مشرکین نے ہم پر سرکشی کی ہے۔ مگر جب انہوں نے فتنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا۔ (یعنی انہوں نے ہمیں دین سے پھسلانا چاہا۔ مگر ہم نے انکار کیا اور ثابت قدم رہے)۔

"اَبَیْنَا اَبَیْنَا" "ہم نے انکار کیا" ان الفاظ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے دہرایا۔ (متفق علیہ)۔

7۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مہاجرین اور انصار خندق کھودتے اور مٹی ڈھوتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمداً

علی الجھاد ما بقینا ابداً

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زندگی تک جہاد پر بیعت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے ہوئے یہ شعر پڑھتے رہے تھے:

اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ

فاغفر للأنصار والمھاجر

اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ (متفق علیہ)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں

أغرُّ علیہ للنبوۃ خاتم من اللہ مشھود یلوح ویشھد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مہر نبوت چمک رہی ہے اس کی اللہ کی طرف سے گواہی دی گئی ہے۔ وہ چمک رہی ہے اور آپ کی نبوت کی گواہی دے رہی ہے۔

و ضم إلاله اسم النبی إلی اسمه

إذ قال فی خمس المؤذن أشهد

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا لیا ہے۔ جب پانچ نمازوں کے لئے مؤذن "اشھد ان محمد رسول اللہ" کہتا ہے۔

و شق له من اسمه لیجله

فذو العرش محمود وھذا محمد

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے ہی نام سے مشتق کیا ہے۔ چنانچہ صاحب عرش (اللہ تعالیٰ) محمود ہے اور یہ (رسول اللہ) محمد ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

نبي أتانا بعد یأس وفترة

من الرسل والاوثان فی الأرض تُعبد

رسولوں کے وقفے اور ناامیدی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ جب زمین میں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔

فأمسی سراجاً مستنیراً و ھادیاً

یلوح کما لاح الصقیل المھند

وہ روشن چراغ اور رہنما بن گئے اور اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح نکل شدہ (Nickeled) ہندی، تلوار چمکتی ہے۔ (ہندی تلواریں اہل عرب میں بہت مشہور تھیں)۔

و أنذرنا ناراً و بشرَ جنة

و علمنا الاسلام فالله نحمد

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

آپ نے ہمیں جہنم کی آگ سے ڈرایا ہے۔ اور جنت کی خوشخبری دی ہے۔ ہمیں اسلام کی تعلیم دی۔ سو ہم اللہ کی تعریف کرتے ہیں۔

و أنت إله الخلق ربي و خالقي

لذلک ما عمرّتُ في الناس أشهد

(اے اللہ) تو ہی مخلوق کا معبود، میرا رب اور میرا خالق ہے۔ لہٰذا جب تک میں زندہ رہا یہی گواہی دیتا رہوں گا۔

تعالیت ربّ النّاس عن قول مَن دعا

سواک إلٰهاً أنت أعلی و أمجد

اے لوگوں کے مالک تو اس شخص کے قول سے بلند و برتر ہے جو تیرے سوا کسی اور کو پکارے۔ تو ہی بزرگ و برتر ہے۔

لک الخلق والنعماء والامر که

فإیاک نستهدی وإیاک نعبد

(کائنات) تیری ہی تخلق ہے۔ سب نعمتیں تیری ہیں۔ اور ہر معاملہ تیرے کنٹرول میں ہے۔ لہٰذا ہم تجھی سے ہدایت طلب کرتے ہیں۔ اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

بطیبةَ رَسمٌ للرسول و معهد

منیر و قد تعفو الرسوم و تهمد

طیبہ (مدینے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات منبر وغیرہ موجود ہیں۔ حالانکہ دنیا میں بڑے بڑے نشانات مٹ جاتے ہیں۔ (نمرود، فرعون، شداد اور قارون کے محلات و باغات کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے۔ مترجم)۔

عرفت بها رَسمَ الرسول و عهده

و قبراً به واری التراب و ملحد

میں ان نشانات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عہد کو پہچانتا ہوں۔ اور اس قبر کو بھی جسے مٹی نے چھپا رکھا ہے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اعني الرسول فإن الله فضله

على البرية بالتقوى و بالجود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مراد ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ اور سخاوت کی وجہ سے پوری مخلوق پر فضیلت دی ہے۔

فينا الرسول و فينا الحق نتبعه

حتى المسمات و نصر غير محدود

ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حق موجود ہے۔ جس کی ہم پیروی کرتے ہیں موت تک ہم اس دین کی غیر محدود مدد کرتے رہیں گے۔

حق مساوات

اسلام میں ہر انسان بشریت اور انسانیت کے ناطے برابر ہے، اگرچہ یہ اپنی شکل وصورت، رنگ و نسل، قوت و ذکاء، خوب صورتی، صحت، عمر اور طبائع کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ البتہ اسلام یہ کہتا ہے کہ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے۔ اور تقویٰ نام ہے اعمال صالحہ جن کے کرنے کی اسلام نے تاکید کی ہے، اور وہ اعمال جو انسان اپنے رب، اپنے اہل وعیال اور انسانی معاشرہ کے لیے انجام دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ (حجرات: 13)

"اے ایمان والو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے، پھر بنا دیا ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ، بے شک تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔"

تقویٰ کا اصل مقام تو قلب ہے اور یہ عبارت ہے ہر شخص کی بھلائی چاہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دل کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: "تقویٰ یہاں ہے۔" اور آپ نے اپنے دل کی طرف تین دفعہ اشارہ فرمایا۔ (مسلم، رقم: 2563، 2564)

تقویٰ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب اور اس کی جنت کی طمع کرتے ہوئے جس کو اللہ تعالیٰ نے صرف متقین کے لیے بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔ اس جنت میں کوئی داخل نہیں ہو گا پہلے اللہ کی رحمت سے پھر اس پر ایمان لانے کے نتیجہ میں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اور ایمان اس وقت تک تمہارا صحیح نہیں ہو گا جب

تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا تمہیں وہ شے نہ بتاؤں جس پر عمل کرنے سے تمہاری باہمی محبت میں اضافہ ہو۔ وہ شے یہ ہے کہ تم آپس میں "السلام علیکم" کو عام کرو۔" پھر سلام کرنے میں شریعت نے واقف و ناواقف، چھوٹے اور بڑے اور امیر و غریب کی تخصیص نہیں کی، بلکہ فرمایا کہ جو مسلمان بھی ملے اس کو سلام کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:

(وتقرئ السلام علیٰ من عرفت و علیٰ من لم تعرف)

(بخاری: 1/55، مسلم، رقم: 39، ابوداؤد، رقم: 5170)

"واقف اور ناواقف دونوں کو سلام کرو۔"

واقف و ناواقف کو سلام کہنا اصلاح اور محبت و مؤدت پھیلانے کا باعث ہے اس میں ریاکاری اور تکلف نہیں ہے۔ اس سے انس و محبت کے دروازے کھلتے ہیں، باہمی تقرب کی راہیں کھلتی ہیں، وحشت و بیگانگی دور ہوتی ہے، باہمی تعلقات میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر دو مسلمان آپس میں ملیں اور ایک دوسرے کو سلام نہ کریں تو اس سے آپس میں بیگانگی اور اجنبیت بڑھتی ہے۔ ایک اور موقع پر آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

(یا ایھا الناس: افشوا السلام، اطعموا الطعام، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام)

(سنن الدارمی: 1/340، 2/275، مسند احمد: 5/451، مستدرک حاکم: 3/1، ترمذی، رقم: 2485، ابن ماجہ، رقم: 1334، 3451)

"اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، بھوکے کو کھانا کھلاؤ، جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھو، اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔" سلام میں مساوات انسانی کا یہ لحاظ رکھا گیا کہ جو اونچا ہے اور اس کو نیچے کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا:

(یسلم الراکب علی الماشي، والماشي علی القاعد)

"سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھنے والے کو سلام کرے۔"

آج کل مساوات کا تصور صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، موجودہ دور میں لوگوں کو سونے اور چاندی میں تول کر اس کی حیثیت مقرر کی جاتی ہے۔ جو امیر ہے اس کے مقام کو ایک غریب کبھی نہیں پا سکتا خواہ غریب میں کتنی ہی خوبیاں کیوں نہ ہوں، لیکن چونکہ اس کے پاس مال نہیں۔ اس کا دامن دولت سے بھرا ہوا نہیں ہے، اس وجہ سے اس کی موجودہ سرمایہ دارانہ معاشرہ میں کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ہے۔ اسلام نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ہر قسم کی چھٹی دیتا ہے کہ جس طرح انسان چاہے کمائے اور جس طرح چاہے صرف اور خرچ کرے اور نہ وہ اشتراکی نظام معیشت کی طرح فرد کو مشین کا ایک پرزہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ نہ تو یہ کہتا ہے کہ تمام جائیداد کا مالک انسان ہے اور ہر فرد جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے اور نہ وہ ملک کی تمام جائیداد کا مالک اسٹیٹ کو قرار دے کر انفرادی سرمایہ داری کے بجائے ریاستی چور بازاری اور ریاستی ارتکاز و احتکار کو جنم دیتا ہے۔ اسلام دراصل تمام نظام ہائے زندگی کے محاسن کا ایک مرکب ہے جس سے ہٹ کر آگے اور پیچھے سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہیں۔ اسلام اقتصادی اور معاشی بنیادوں پر آدمی اور آدمی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا کیونکہ اس کے نزدیک مختلف کام کرنے سے آدمی اور

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

آدمی میں کوئی اہم فرق نہیں پیدا ہو جاتا۔ اسلام میں فرق صرف اور صرف ایک ہی چیز سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ ہے آدمی کا اخلاق، کردار اور تقویٰ۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

(لا فضل لاحد علیٰ احد الا بدین و تقویٰ)

"کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر کوئی فضیلت نہیں مگر دین داری اور پرہیز گاری کے اعتبار سے۔"

اسلام انسان کے معاشرتی اور سماجی نظم کی بنیاد اس تصور پر رکھتا ہے کہ تمام دنیا کے انسان ایک آدم کی اولاد ہیں اور اس لیے ان کے جملہ بنیادی حقوق میں کوئی امتیاز اور تفاوت بھی روا نہیں رکھا جاسکتا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں ایک جم غفیر کے سامنے یہ اعلان فرمایا تھا:

"کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے۔ تم سب آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔" (بخاری: 2/631، سیرۃ ابن ہشام: 2/201، عیون الاثر: 2/359)

مساوات کا صحیح مفہوم:

یہ تو ہر شخص کہتا ہے کہ اسلام میں مساوات ہے لیکن مساوات کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ عرف عام میں مساوات سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ تمام انسان ہر لحاظ سے برابر ہیں، لیکن یہ کہنا خلاف حقیقت ہے۔ تمام انسان ہر لحاظ سے قطعاً برابر نہیں ہیں، اللہ جل جلالہ نے ان کی طبیعتوں، صلاحیتوں، میلانات، رجحانات، رنگ و نسل اور فکر و نظر میں فرق رکھا ہے۔ خود قرآن حکیم میں ہے:

(هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ) (زمر: 9)

"جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔"

تاہم ان فطری اختلافات کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان مستقل نوعیت کی طبقہ بندی کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ان کی پیدائش میں انسان کو اپنی کسی کوشش کا کوئی دخل نہیں، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر مسلمہ ہے کہ مساوات انسانی کا مسئلہ انسانی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے اور معاشروں اور سماجوں کے بناؤ اور بگاڑ میں اس کا فیصلہ کن کردار رہا ہے۔ یونانی، رومی اور ہندی تمدنوں میں انسانی مساوات کا کوئی تصور موجود نہیں رہا۔ جدید سرمایہ دارانہ معیشت نے انسانوں کے مابین معاشرتی فرق کی بنیاد فراہم کر دی ہے اور معاشی اور اقتصادی جدوجہد کو رواں دواں رکھنے کے لیے آجر اور اجیر، جاگیر دار اور کاشت کار کے طبقات کی موجودگی کو لازمی اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اسلام نے مساوات انسانی کے مسئلہ کو اپنے مخصوص اور متوازن انداز میں قرآن و حدیث میں حل کیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: 1)

"اے لوگو! اپنے پروردگار (کی مخالفت سے) ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا (کیونکہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں) اور اس (ہی) جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حواء کو) پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلائیں۔" اسی طرح سورت حجرات:

13 میں بھی یہ کہا گیا کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تمہاری آپس کی پہچان ہو۔ ان آیات سے پتہ چلا کہ انسان ہونے کے ناطے تمام انسان برابر ہیں۔ ان کا مادہ تخلیق اور طریق تخلیق ایک ہے، خواہ کوئی غریب کا بچہ ہو یا شہنشاہ کا، آجر کا ہو یا اجیر کا، انسان ہونے کی حیثیت سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ البتہ اپنے خالق و مالک کی فرمان برداری اور نافرمانی ان کے درمیان فرق ضرور پیدا کر دیتی ہے، اور اس طرح انسانوں کے صرف دو طبقات ہیں: مسلم اور کافر۔ پس تمام انسان اسلام کی نظر میں برابر ہیں۔ قبیلہ، جنس اور نسب وغیرہ کے فرق سے ان میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ سب کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(الناس سواسية كاسنان المشط)

(مسند الشہاب لمحمد بن سلامہ، رقم: 190 (1/145)

اسلامی مساوات کے اسی جذبہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جیوش کی قیادت سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو سونپی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اسلام میں محمود و ایاز نہ صرف ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں بلکہ ایاز امام ہوتا ہے اور محمود مقتدی۔ پھر مساوات اور عدالت کے جذبہ کے تحت آپ نے اپنے انتقال سے قبل یہ اعلان فرمایا:

(ألا من كنت جلدت له ظهراً فهذا ظهري فليستقد، ومن كنت شتمت له عرضاً فهذا عرضي فليتقد)

"سن لو! میں نے اگر کسی کی پیٹھ پر کوئی چھڑی یا ضرب لگائی ہے تو میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے، اور جس کو میں نے عزت و آبرو کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی ہے تو وہ بھی مجھ سے بدلہ لے لے۔"

(طبقات ابن سعد: 2/255، کامل لابن اثیر: 3/154، وجاء معناہ فی حدیث رواہ مسلم: 16/150، مسند احمد: 2/43، مسند الدارمی: 2/314، ابوداؤد: 2/389، والنسائی: 2/29)

مساوات کے اسی جذبہ کو دنیا میں اجاگر کرنے کے لیے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(ان اللہ لیس بینہ و بین احد نسب الا بطاعتہ، والناس شریفھم ووضیعھم في ذات اللہ سواء)

"بے شک اللہ تعالیٰ کا کسی شخص سے کوئی نسبی رشتہ نہیں سوائے اس کی طاعت و فرمان برداری کے، شریف اور چھوٹے لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے برابر ہیں۔" (حقوق الانسان فی الاسلام، دکتور محمد الزحیلی: ص154) جاہلیت کے عدم مساوات کے جذبہ کو کم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لیس منا من دعا الیٰ عصبیۃ، ولیس منا من قاتل علیٰ عصبیۃ، ولیس منا من مات علي عصبیۃ)

"جو عصبیت کی طرف دعوت دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں، جو عصبیت (تعصب اور ناحق شناسی) یعنی تعصب اور قوم کی ناحق حمایت کے لیے لڑوہ بھی ہم میں سے نہیں اور جو عصبیت پر مرا اس کا بھی ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" (رواہ ابوداؤد: 2/625)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(من نصر قومہ علیٰ خیر الحق فھو کالبعیر الذي رویٰ فھو ینزع بذنبہ) (ابوداؤد: 624/2، بیھقی: 234/10)

"جو شخص اپنے اہل قوم کی ناحق پر مدد کرے (یعنی اہل قوم یا قبیلہ حق اور انصاف کی راہ سے ہٹے ہوئے ہوں مگر پھر بھی برادری کی لاج سے انہی کا ساتھ دیا جائے) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کنویں یا گھڑے میں گر گیا ہو، اب اس کو دم پکڑ کر نکالیں۔" بھلا دم پکڑنے سے کہیں اونٹ نکلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص گمراہی کے گڑھے میں گر گیا، اب اس کا نکلنا مشکل اور دشوار ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا کبر اور نخوت نکال لی ہے اور آباء واجداد پر فخر کرنا بھی ختم کر دیا ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ لوگ اپنی قوموں اور قبیلوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں کیونکہ ایسا کرنا جہنم کا ایندھن بننا ہے۔

(رواہ ابوداؤد: 624/2، ترمذی وحسنہ: 455/10، مسند احمد: 361/2، 524، الفتح الکبیر: 381/1)

مسلمانوں کی باہمی مساوات کے بارے میں بہت سی احادیث کتابوں میں موجود ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا جارہا، لیکن یہ تو ساری دنیا کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر مہاجرین وانصار میں باہمی اخوت اور بھائی چارے کے رشتہ قائم کیا، اور پوری دنیا کو بتایا کہ مسلمانوں میں باہمی مضبوط ترین رشتہ ایمان اور اسلام کا رشتہ ہے۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوئی۔ (عیون الاثر: 322/1)

بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے اور ایک دوسرے کے دلوں میں غم وخواری اور غم گساری کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ اور بعض حضرات نے اس بھائی چارے کا مقصد یہ بھی لکھا ہے کہ جاہلیت کی تمام عصبتیں تحلیل ہو جائیں۔ رنگ و نسل اور وطن کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں۔ غیرت و حمیت جو کچھ ہو وہ صرف اور

صرف اسلام کے لیے ہو۔ غمگساری اور موانست کے جذبات معاشرہ میں پیدا ہوں۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک ایسی اخوت کا مظاہرہ نہیں دیکھا۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ اور علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ اخوت قائم فرمایا اور غلام و آقا کی تمیز ختم کر دی۔ اس میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جو غلام تھے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا جو بنو ہاشم میں تھے۔ اسی طرح سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا اور سیدنا سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا۔ دوسری مواخات بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اور بعض اقوال کے مطابق جب مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ (عیون الاثر: 1/322) اس میں آپ نے 45 مہاجرین کو 45 انصار کا بھائی بنایا۔ انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارہ کا صحیح معنوں میں حق ادا کیا۔ چشم فلک نے کبھی ایسا بھائی چارہ نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جب مہاجرین اور انصار میں یہ مواخات قائم فرمائی تو انصار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انصار نے عرض کی تب آپ لوگ یعنی مہاجرین ہمارا کام کر دیا کریں تو ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ (بخاری: 1/312)

ایسے غم گسار، غم خوار مدد اور ایثار و خلوص کے پتلے تو حقیقی اور سگے بھائی بھی نہیں ہوتے جیسے انصار مہاجرین کے لیے تھے۔ انصار کی اس بے مثال غم گساری اور مدد کو دیکھ کر ایک دن مہاجرین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! جس قوم میں ہم آئے ہیں، ہم نے ان سے زیادہ کسی قوم کو غمگسار، اور ایثار پیشہ نہیں دیکھا، ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سارا اجر و ثواب یہی نہ لے جائیں اور ہم اس اجر و ثواب سے محروم اور خالی رہ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "نہیں، جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو۔" (عیون الاثر: 1/322، مسند احمد: 3/200، 204، البدایہ والنہایۃ: 3/228)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی مسلمان کا اپنی قوم، برادری یا قبیلہ کو محبت کرنا "عصبیت" نہیں ہے جس کی اسلام نے مذمت کی ہے بلکہ عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم اور برادری کے ظلم اور ناحق بات پر اس کی مدد کرے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ليس من العصبية ان يحب الرجل قومه، وانما العصبية ان يعين قومه علي الظلم)

"عصبیت یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے بلکہ عصبیت یہ ہے کہ ظلم پر اپنی قوم کی اعانت کرے اور اس کا ساتھ دے۔" (رواہ ابو داؤد: 2/625، سنن کبریٰ بیہقی: 10/234) ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(خيركم المدافع عن عشيرته مالم يأثم)

(رواہ ابو داؤد فی کتاب الادب، رقم: 5112)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اپنے قبیلہ اور برادری کی حمایت کرے جب کہ وہ (برادری والے) کسی غلط کام میں ملوث نہ ہوں۔"

ان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہت سی احادیث میں لوگوں کے مابین مساوات اور برابری کو ایمان کی بنیاد پر قائم کیانہ کہ رنگ و نسل اور وطن و نسب پر۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:

(ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم واجسادکم، ولکن ینظر الیٰ قلوبکم واعمالکم)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔" ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

(ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم واموالکم)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا۔"

لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق مقام دینا:

اگرچہ اسلام میں تمام لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی گئی ہے لیکن یہ بھی تاکید کی گئی کہ اسلام کی نظر میں یہ بھی عدل و مساوات کا ایک تقاضا ہے کہ اشراف اور صاحبان عزت و وقار سے ان کی حیثیت کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا۔

(ننزل الناس منازلھم) (رواہ ابوداؤد: 4842، وذکرہ مسلم تعلیقاً)

"کہ ہم ایک شخص کو اس کے درجہ پر رکھیں یعنی اس کی عزت اور فضیلت کے موافق اس کی تعظیم کریں۔ یہ نہیں کہ گدھا گھوڑا سب برابر، عالم اور جاہل، شریف اور کمین سب سے یکساں برتاؤ کریں۔" چنانچہ ایک مرتبہ انصار کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہونے کی حالت میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(قوموا الي سيدكم أو خيركم) (بخاری: 43، 30، مسلم: 1768)

"اپنے سردار کے لیے اٹھو۔"

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ایک دوسرے کے لیے تواضع کا حکم بھی فرمایا اور تاکید کی کہ کوئی اپنی کسی بات پر فخر نہ کرے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولاد آدم کا سردار ہو کر یہ فرماتے ہیں "ولا فخر" میں فخر نہیں کرتا۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(مسلم، رقم: 2278، ترمذی: 5/308، مسند احمد: 2/540، سنن ابی داؤد: 4/218، مسند ابی یعلی موصلی: 13/480) تو ہم کون ہیں جو اپنی کسی معمولی سی خوبی یا اپنے مال و دولت پر فخر کرنا شروع کر دیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ان الله اوحي الي ان تواضعوا حتي لا يفخر احد علي احد، ولا يبغي احد عليٰ احد)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ تم لوگ ایک دوسرے سے تواضع سے پیش آؤ، اور کوئی ایک دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ہی ایک دوسرے سے سرکشی کرے۔"

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مساوات:

اسلام نے نہ صرف مسلمانوں کے مابین مساوات کو قائم کیا بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بھی مساوات کے رشتہ کو استوار کیا۔ اور تمدنی اور حقوق عامہ ان کو بھی وہی دیئے تو مسلمان کو اسلامی حکومت میں دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾﴾ (النساء: 58)

"بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت کے اہلوں کو امانت سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت میں ایک تو امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے لوگوں کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا۔ مسلمانوں کے درمیان عدل نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان عدل کا حکم ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ چنانچہ امام عادل کی حدیث میں فضیلت بیان کی گئی اور امام ظالم کی مذمت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قاضی ظلم نہ کرے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب شخص امام عادل ہو گا اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ دور امام ظالم ہو گا۔

(ترمذی، رقم: 1335) اور ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس روز کوئی سایہ نہیں ہو گا اس روز سات آدمی اللہ کے سایے میں ہوں گے ان میں سے پہلا شخص عدل کرنے والا حاکم ہے۔" (بخاری، رقم: 660، مسلم، رقم: 1031، ترمذی، رقم: 291، مسند احمد: 2/439، مسند ابو داؤد الطیالسی، رقم: 2462، صحیح ابن حبان، رقم: 4469، ابن خزیمہ، رقم: 358، سنن کبریٰ بیہقی: 3/65)

پھر عدل کرنے والے حاکم کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ عدل کرنے والے حاکم کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے، اور زمین میں اللہ کی حد کو قائم کرنا اس زمین پر چالیس روز کی بارش سے زیادہ نفع آور ہے۔ (معجم کبیر طبرانی، رقم: 11932، سنن کبریٰ بیہقی: 8/162، بیہقی شعب الایمان، رقم: 7379)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اسلام کی رو سے ایک اسلامی ریاست میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ایک اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ جس طرح وہ مسلمانوں کی رعایت میں لڑتے ہیں مسلمانوں کو بھی ان کے لیے لڑنا چاہیے۔ اور ان کے فیصلے ان کے قوانین کے مطابق کرنے چاہئیں، ان کے عقائد کا احترام کرنا ضروری ہے، ان کی عیدوں کے موقع پر ان کو عدالتوں میں نہیں بلانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آپ نے یہود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: "تم لوگ یہودی ہو، تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔" (ترمذی، رقم: 2733، وقال: حدیث حسن صحیح)

عدل واحسان میں بھی اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مساوات کو قائم رکھا اور لوگوں کو تاکید کی کہ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا جائے اور اپنی زبان اور اپنے ہاتھ ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے، یا اس کے حق میں کوئی کمی کرے، یا اس کو اس کے طاقت سے زیادہ تکلیف دے، یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے، تو میں قیامت کے روز اس کی طرف سے وکیل اور جھگڑا کرنے والا ہوں گا۔" کسی ذمی کو قتل کرنا، اس کی عزت و آبرو سے کھیلنا تو بہت بڑی بات ہے اسلام نے تو ذمی کی غیبت کو بھی حرام قرار دیا ہے اور اس پر کسی قسم کا ظلم کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "جس شخص نے کسی مسلمان کے ذمہ کو جو اس نے کسی ذمی سے کیا تھا، توڑ دیا اور برقرار نہ رکھا، اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نفلی اور فرضی عبادت قبول نہیں فرمائے گا۔"

اور جو لوگ غیر اسلامی ممالک میں سکونت پذیر ہیں لیکن ان سے معاہدہ ہو چکا ہے، ان کو خلاف عہد تکلیف پہنچانا اور قتل وغارت کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں یہ شرط کی تھی کہ جو مسلمان دین اسلام کو قبول کر کے مسلمانوں کے پاس آ جائے گا، مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ان کی ہزار منت سماجت کے باوجود آپ نے ان دونوں کو بے تامل واپس کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی پابندی اس حد تک کی کہ اس سے بڑھ کر پابندی ناممکن تھی۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دشمن کے ساتھ ایک مدت کے لیے التواء جنگ کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اس عرصہ میں وہ چپکے چپکے سرحد پر جنگ کی مکمل تیاریاں کرتے رہے تاکہ مدت التوا ختم ہوتے ہی اچانک حملہ کر دیں۔ ان کی رائے میں یہ بات تدابیر جنگ کے اقتضاء کی وجہ سے ناجائز نہ تھی۔ دوسرے ان کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ دشمن بھی اسی فکر میں ہو گا کہ مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دے۔

چنانچہ جونہی مدت التواء ختم ہوئی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس فوج کو جو پہلے ہی سرحد پر متعین تھی، حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ فوج حملہ کرنے کے لیے جا رہی تھی کہ ایک صحابی رسول گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور یہ چلاتے ہوئے آ رہے تھے "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفاء لا غدر" یعنی "اللہ اکبر وفا کی جائے بد عہدی نہ کی جائے۔" لوگوں نے جب نظر اٹھا کر دیکھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو پتہ چلا کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جس قوم اور شخص کے درمیان کوئی عہد وپیمان ہو تو اس کی مدت کے اختتام سے قبل معاہدہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے حتیٰ کہ مدت معاہدہ پوری ہو جائے یا ان کی طرف سے عہد کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی فوج کو واپس بلا لیا۔

(ابو داؤد: 2/23، مصنف ابن شیبہ: 12/101، ابن حبان: 8/182، مشکوۃ: ص347)

ایک اسلامی ریاست میں جیسا کہ ایک مسلمان کا قصاص ہے یا اس کے اعضائے بدن کے عوض اعضائے بدن کا قصاص ہے، ویسا ہی ایک ذمی کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا، اور ایک مستامن کے قاتل سے بھی وہی قصاص لیا جائے گا۔ (مسلمن وہ ہے جو غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے لیکن امن لے کر اسلامی ریاست میں آکر آباد ہو اور ذمی بن گیا) بلکہ بعض لحاظ سے ایک ذمی کے حقوق ایک مسلمان سے بھی اسلامی ریاست میں زیادہ ہیں۔ جو اموال یا اشیاء مسلمانوں کو رکھنا یا استعمال کرنا حرام ہے بلکہ ان کا تلف کرنا ضروری ہے، اگر وہ اشیاء تلف کر دی گئیں تو ان پر کوئی ضمان نہیں، لیکن اگر وہ اشیاء ایک ذمی کی ملکیت میں ہوں اور کوئی مسلمان اسے تلف اور ضائع کر دے تو اس مسلمان کے ذمہ ضمان واجب ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلمان کی شراب یا خنزیر کو تلف کر دے تو اس پر ضمان واجب ہے۔ (کمافی در المختار)

یہ تو ایک ذمی کی جان اور مال کا حال ہے۔ اسلام نے اس کی ننگ و ناموس کا بھی اسی طرح تحفظ کیا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے۔ چنانچہ کسی ذمی کی آبروریزی اور اہانت و تذلیل خواہ قول سے ہو یا اشارہ و کنایہ سے ہو، سامنے ہو یا اس کی غیبت میں ہو، قطعاً حرام ہے۔ یہاں تک کہ ذمی کی غیبت کرنا بھی حرام ہے، گویا کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان اور ذمی کے حقوق میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں کے حقوق میں مساوات ہے، اور اس کو بھی وہ تمام تحفظات حاصل ہیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں۔ چنانچہ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے کہ:

"رعیت کے تمام انواع اصناف میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے۔ کسی کو کسی پر اس کے مرتبہ یا حال کی وجہ سے تقدیم و ترجیح نہ دے۔ قاضی کو چاہیے کہ مدعی اور مدعاعلیہ میں کسی بات کا فرق نہ کرے، نہ ان کی مجلس میں، نہ ان کی طرف دیکھنے میں اور نہ ہی گفتگو میں۔" (2/117)

حقوق و معاملات کی مساوات کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم ذمی اور مسلمن کو بھی شامل ہے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک فریق مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ یہودی سچا تھا لہٰذا آپ نے ڈگری اس کے حق میں دی۔ ہاں مسلمان اور ذمی (غیر مسلم) کا امتیاز کن امور میں ہے، اس کی چند ایک مثالیں یہ ہیں کہ کسی مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح درست نہیں ہے کیونکہ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے اور مسلمان عورت جب غیر مسلمان مرد کے تابع ہو گی تو اس کا اسلام اور ایمان معرض خطر میں ہو گا، البتہ مسلمان مرد غیر مسلمان عورت سے اس صورت میں نکاح کر سکتا ہے کہ غیر مسلم اہل کتاب میں سے ہو، مشرکہ نہ ہو، یا مثلاً غیر مسلم جو مسلمان حکومت کے تحت رہتا ہے، اس سے اور مسلمان دونوں سے محصول لیا جاتا ہے، لیکن چونکہ مسلمان کے ہر قول و فعل سے عبادت کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس لیے جو محصول اس سے لیا جاتا ہے اس کا نام زکوۃ یا عشر رکھا گیا ہے۔ اگر وہ ٹیکس اموال تجارت سے لیا گیا تو زکوۃ ہے اور محاصل زمین سے لیا گیا تو عشر ہے۔ اور پھر ان کا مصرف بھی الگ الگ مقرر کر دیا گیا۔ غیر مسلم سے جو محصول لیا جاتا ہے اس کا نام جزیہ اور خراج رکھا گیا، اور یہ اس کے حفظ جان و مال کا معاوضہ ہے تاکہ وہ معاملات اور معاشرت میں مسلمان کے برابر ہو کر رہیں، غیر مسلم کے مال سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ جزیہ کہلاتا ہے، اور محاصل زمین سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ خراج کہلاتا ہے۔ زکوۃ و عشر میں چونکہ ایک قسم کی عبادت کو دخل ہے لہٰذا اس کا مصرف اور ہے، اور غیر مسلموں سے ان کے جان و مال کے تحفظ کے لیے لیا جاتا ہے، لہٰذا اس کا مصرف اور ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں مسلمان سے بھی خراج لیا جاتا ہے یعنی جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو گئی وہ مسلمان کے قبضہ میں جانے کے بعد بھی خراجی ہی رہتی ہے۔ اسلام کی انہی تعلیمات کی روشنی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمی رعایا کو وہ سب حقوق دیئے جو اسلام نے انہیں دیئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اس زمانہ میں روم و فارس کی حکومتوں میں نہ تو آتش پرستوں کو وہ حقوق دیئے گئے تھے اور نہ ہی بازنطینی سلطنت میں عیسائیوں کو وہ حقوق حاصل تھے

حالانکہ وہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مصر کی فتح کے وقت قبطی باوجود عیسائی ہونے کے مسلمانوں کے بہی خواہ تھے کیونکہ جو حقوق انہیں مسلمانوں نے دیئے تھے وہ قیصر روم نے نہیں دیئے تھے۔ یہودیوں کا حال عیسائیوں سے بھی بدتر تھا۔ وہ ہر قسم کے انسانی حق سے محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی قابل رحم تھی، چنانچہ اسلامی حکومت نے غیر مسلموں کے ساتھ جو معاہدات کیے ان سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کو کیا کیا حقوق دیئے، بیت المقدس کا جو معاہدہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ہوا جس پر بطور گواہان سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دستخط تھے، اس معاہدہ میں صاف طور پر لکھا گیا کہ عیسائیوں کے جان ومال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے گرجے نہ تو توڑے جائیں گے اور نہ ہی ان کی عمارتوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور دراصل مسلمانوں کے حقیقی دشمن وہی تھے، ان کے جان ومال کو بھی پورا پورا تحفظ دیا گیا، اور ان کے گرجوں اور معبودوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر وطن سے نکل کر رومیوں سے جاملیں تو اس پر بھی ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ (طبری: 3/105)۔ کیا کوئی حکومت ملک کے مفتوحہ باشندوں کو اس طرح کا انصاف مہیا کر سکتی ہے؟"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کی جان ومال کو مسلمانوں کی جان ومال کے برابر قرار دیا اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔ چنانچہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بحر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے لکھ بھیجا کہ قاتل قصاص کے لیے مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث حنین نامی کو دے دیا گیا اور اس نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا۔ (الدارایہ فی تخریج الہدایہ: ص360) مال اور جائیداد کو بھی پورا پورا تحفظ دیا، اور جس قدر زمینیں غیر مسلموں کے قبضہ میں تھیں، ان کو اسی حیثیت سے بحال رکھا گیا جس حیثیت سے وہ فتح سے پہلے تھیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی خلاف قانون قرار دے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح کے بعد سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا، اس میں فرمایا: "مسلمانوں کو منع کرنا کہ وہ ذمیوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو کوئی نقصان پہنچائیں، اور نہ ان کا مال بے وجہ کھائیں، اور جس قدر شرائط آپ نے ان سے طے کی ہیں، ان سب کو پورا کیا جائے۔" (کتاب الخراج لابی یوسف: ص82)

ایک مرتبہ شام کے ایک ذمی کاشتکار نے یہ شکایت بارگاہ خلافت میں کی کہ مسلمان فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے اور تمام اضلاع کے حکام کو ایک گشتی مراسلہ (سرکلر) جاری فرمایا کہ ذمیوں پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب شام سے واپس تشریف لا رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ جواب دیا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا، اس لیے ان کو سزا کے طور پر دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جزیہ دینے میں ان کا عذر کیا ہے؟ جواب دیا گیا: "مفلسی اور ناداری۔" آپ نے حکم دیا کہ ان سب کو فوری طور پر چھوڑ دو اور ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دو کیونکہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو عذاب دے گا۔" (کتاب الخراج: ص125)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ان سے کیے گئے عہد کی پابندی کی جائے اور ان کا دفاع کیا جائے، اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کی اس وصیت کو جو آپ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو کی تھی، ان الفاظ میں نقل کیا ہے: "میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔" (بخاری: 1/187)

غیر مسلموں سے خراج وغیرہ لینے کے لیے مال گذاری کا جو بندوبست سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کروایا تھا، اس میں نہایت نرمی اختیار کی گئی تاکہ کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو، لیکن اس کے باوجود آپ کو یہ خیال ہر وقت پریشان کرتا تھا کہ کہیں ان پر زیادتی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، اس وقت بھی ذمیوں کا یہ خیال آپ کے ذہن میں اضطراب پیدا کر رہا تھا، حالانکہ آپ کا ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تو دس اشخاص کوفہ سے اور دس بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے چار مرتبہ تاکید کے ساتھ قسم لیتے تھے کہ مال گذاری کے وصول کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی سختی تو نہیں کی گئی۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ص 65) شہادت سے دو تین روز قبل کا واقعہ ہے کہ تمام افسران بندوبست کو بلایا اور مال گزاری کی تشخیص کے بارے میں ان سے گفتگو کی گئی۔ دورانِ گفتگو ان سے بار بار پوچھتے رہے کہ آپ لوگوں نے ان سے بندوبست مال گذاری میں سختی تو نہیں کی۔ (الخراج: ص 21)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ملکی انتظامات میں بھی ذمیوں اور غیر مسلم رعایا سے مشورہ لیتے رہتے تھے، گویا ملکی انتظامات میں آپ نے انہیں اپنے ساتھ شریک کیا ہوا تھا، خصوصی طور پر ان معاملات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا۔ آپ ان کو اکثر و بیشتر ذمیوں ہی کے مشورے اور استصواب سے طے فرماتے۔ چنانچہ مصر کی فتح کے بعد وہاں جو انتظام کیا گیا اس میں اکثر مقوقش سے رائے لی اور عراق کا بندوبست مال گذاری کرتے وقت عجمی رئیسوں کو مدینہ منورہ بلا کر ان سے مال گذاری کے حالات دریافت فرمائے اور مال گذاری کرنے والے کے رویہ کے بارے میں بھی پوچھا۔ (مقریزی: 1/75)

فاتح قوم کا رویہ مفتوح قوم سے اکثر درست نہیں ہوتا۔ مفتوح قوم کی عزت و ناموس کو اکثر مجروح کیا جاتا ہے، اور اپنی برتری اور تحکم کا اظہار کیا جاتا ہے، اور قرآن حکیم کے بقول "وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ" عزت داروں کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا جاتا ہے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی طرح خیال رکھا جس طرح ایک مسلمان کی عزت و آبرو کا خیال رکھا تھا۔ کسی ذمی اور غیر مسلم کے بارے میں کسی قسم کی تحقیر و توہین کا لفظ استعمال کرنا بھی نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ ان کے بڑوں کی تکریم اور چھوٹوں پر اسی طرح شفقت کی جاتی تھی جس طرح مسلمانوں کی کی جاتی تھی۔ سیدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ جو حمص کے گورنر تھے، نہایت نیک و پارسا تھے اور زہد و تقدس میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی ذمی کے بارے میں ان کے منہ سے یہ لفظ نکل گیا: "اخزک اللہ" یعنی اللہ تمہیں رسوا کرے۔ لفظ تو غیر شعوری طور پر ان کے منہ سے نکل گیا لیکن اس کے بعد ان کو اس قدر ندامت ہوئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حمص کی گورنری سے استعفیٰ دے دیا، اور بارگاہ خلافت میں کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے لہٰذا میں اس کو چھوڑتا ہوں۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: 2/203) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامیہ کے تمام ذمیوں کو مذہبی معاملات میں پوری پوری آزادی دی ہوئی تھی اور اپنی تمام مذہبی رسوم ادا کرنے میں انہیں نہ تو کوئی خوف تھا اور نہ جھجھک۔ اعلانیہ ناقوس بجاتے، صلیب نکالتے اور ہر قسم کے میلوں میں جن کا تعلق

ان کے مذہب سے ہوتا تھا، ان کو ان میں شامل ہونے کی پوری پوری آزادی تھی۔ اسی وجہ سے تو غیر مسلم ہمیشہ مسلمانوں کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ذمیوں کے مذہبی لیڈروں کے تمام اختیارات کو جو انہیں حاصل تھے، باقی رکھا۔ چنانچہ مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین جو تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو اس کو اسکندریہ بلا لیا۔ مؤرخین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ مصر اور اسکندریہ کی فتح کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط (موجودہ قاہرہ) میں قیام فرمایا تو انہوں نے عقیدے کی آزادی کو اپنی پالیسی کا سنگ بنیاد بنایا۔ چنانچہ جب قبطی راہبوں کو آپ کی پالیسی کا علم ہوا اور اس کی صحت و صداقت میں انہیں کوئی شک وشبہ نہ رہا، تو ان کی ایک بہت بڑی تعداد کلیساؤں سے نکل کر جہاں استبداد کے زمانہ میں انہوں نے پناہ لے رکھی تھی، اطاعت کا اعلان کرتی ہوئی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بخوبی جانتے تھے کہ قبطیوں کو اسقف پیٹریارک بنیامین سے غیر معمولی محبت اور تعلق ہے، اور جب سے اس نے صعید کے دور دراز علاقے کی طرف بھاگ کر صحرا میں پناہ لے رکھی ہے، قبطوں کی اس محبت اور اس تعلق میں اور بھی شدت پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے ان کی خواہش تھی کہ بنیامین اپنے مذہبی منصب پر واپس آ جائے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام قبطیوں کو امان دے دی اور اسقف بنیامین کے بارے میں خاص طور پر فرمایا کہ بوڑھے بطریق کو اپنی اور ان قبطیوں کی جان محفوظ سمجھتے ہوئے واپس آ جانا چاہیے، جو مصر یا غیر مصر میں آباد ہیں، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ہی ان سے عہد شکنی کی جائے گی۔ بنیامین کو عرب فاتح کے اس عہد کی اطلاع ملی تو وہ صحرائی مأمن سے نکل کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسکندریہ میں قبطیوں نے ایک ظفر مند کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا۔ ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی اور یہ خوشی ہر خوف اور ہر تکدر سے پاک تھی۔ جب پیٹریارک بنیامین اپنے پیروؤں میں اطمینان سے رہنے لگا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک روز اسے بلایا اور اس کے ساتھ نہایت عزت و تکریم کے ساتھ پیش آئے کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ "**اذا جاء کریم قوم فاکرموہ**" یعنی جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص آئے تو اس کی عزت و تکریم کرو، بنیامین نے ان سے گفتگو کی۔ وقار اور تحمل کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے میں بڑی نرمی اور شیرینی تھی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل پر اس کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا، اور انہوں نے قبطیوں کی مذہبی سیادت پیٹریارک بنیامین کے سپرد کر دی کہ وہ جس طرح چاہے ان کی مذہبی راہ نمائی کرے۔ قبطی بطریق بنیامین بھی مسلمان فاتح کے حضور سے انتہائی مسرور اور مطمئن واپس ہوا، اور اسکندریہ پہنچ کر اس نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے گن گانے شروع کر دیئے۔ وہ اپنے عقیدت مندوں سے کہتا تھا: "میں اپنے شہر اسکندریہ واپس آیا اور دیکھا کہ یہاں ہر طرح کا امن وامان ہے۔ اللہ نے کافروں کے جبر واستبداد کی لعنت ہمارے سروں سے دور کر دی ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا بنیامین کے جذبات تشکر و امتنان میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر کار تمام قبطی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اپنی مذہبی رسومات بے کھٹکے ادا کرنے لگے۔ بنیامین نے ان کے کلیساؤں کی اصلاح اور ان کی عبادت گاہوں کا دورہ کیا۔ وہ جہاں کہیں جاتا عقیدت مندوں کا ہجوم کھجور کی چھڑیاں اور عود دان ہاتھ میں لیے ایک جلوس کی صورت میں اس کے ساتھ ہوتا۔ حنانقیوسی مسلمانوں سے بغض رکھنے کے باوجود بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ "رومی سرزمین مصر سے اس لیے نکالے گئے اور مسلمان ان پر اس لیے فتح یاب ہوئے کہ ہرقل نے انسانیت سوز گناہوں کا ارتکاب کیا اور قبطیوں اور ان کے مذہب پر بے انتہاء ظلم ڈھائے تھے۔ مصر میں رومیوں کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامرانی کا یہی سبب ہے۔" جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ اسقف بنیامین اپنی قوم میں بڑی حیثیت و منزلت رکھتا ہے تو انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص کو لکھا کہ وہ مصر کی حکومت اور اس کے باشندوں کی آسائش کے لیے قبطیوں کے اس بطریق کی رائے سے فائدہ اٹھائیں۔ بنیامین نے بھی مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کا کھویا ہوا سارا اثر و نفوذ اسے بخش دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقریزی: 1/492) سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر نے غیر فوجی مناصب اکثر و بیشتر رومیوں ہی کے پاس رہنے دیئے جو فتح مصر سے قبل اپنی حکومت کی طرف سے ان عہدوں پر

مامور کیے گئے تھے، اور جنہوں نے اسلامی اقتدار کے بعد بھی اپنے ملک واپس جانے کے بجائے مصر ہی میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔ ان میں سے کئی رومیوں نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے منیاس کو زیریں مصر کا حاکم مقرر کیا جہاں وہ ہرقل کے زمانے میں حکمران تھا، اور اس کے دوسرے ابنائے جنس کو بعض اور علاقوں کی حکومت تفویض کی، جو عہدے ذرا کم حیثیت کے تھے وہ بھی قبطیوں کو دیئے۔ البتہ جن رومی عہدہ داروں نے اجنبی حکومت کی رعایا بننا گوارہ نہ کیا اور سرزمین مصر کو چھوڑ کر چلے گئے، ان کی جگہ قبطیوں کو دے دی گئی۔ اور یہ سب عہدے ذمیوں کو دیئے گئے۔

مختصر یہ کہ غیر مسلموں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں مذہبی معاملات میں پوری پوری آزادی تھی اور پیٹریارک بنیامین کو اسکندریہ کی جو کرسی دوبارہ نصیب ہوئی وہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیر مسلموں کے لیے پالیسی کا نتیجہ تھی۔ یہ تو صرف مصر کا معاملہ ہے۔ آپ ان تمام معاہدات کو ایک نظر دیکھ لیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ کیے گئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہر معاہدہ میں یہ فرقہ موجود تھا کہ "نہ تو ان کا مذہب بدلا یا جائے گا اور نہ ہی ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت کی جائے گی۔" چنانچہ بیت المقدس کے معاہدہ میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں۔ ایسے ہی جرجان، آذربائیجان، لوقان اور دوسرے شہروں کے معاہدات میں صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ "ان کی جان و مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے (**الامان علي اموالهم وانفسهم وملتهم وشرائعهم**) اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشاعت اسلام کے لیے نہایت کوشاں تھے، لیکن وعظ و پند کے ذریعے نہ کہ جبر و استبداد کے ذریعے، کیونکہ اسلام کا حکم ہے "**لا اکراہ فی الدین**"، اور اسلام کے حکم کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گردن فوری طور پر خم ہو جاتی تھی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کرتا تو مسلمان بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا، مسلمان والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی، ذمی بھی اس میں برابر کے شریک ہوتے۔ بیت المال سے مسلمانوں کو جو رعایت ملتی وہی رعایت ایک ذمی کو بھی ملتی تھی۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ کی فتح میں اہل شہر کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، اس میں یہ الفاظ تھے: "اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت آ جائے، یا وہ پہلے دولت مند تھا پھر غریب اور قلاش ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا، اور اس کو اور اس کے اہل و عیال کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ دارالاسلام میں رہے، لیکن اگر وہ مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک چلا گیا تو پھر مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔" (کتاب الخراج لابی یوسف: ص 85) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اس اصول کو اپنائے رکھا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا اور جب آپ کو پتہ چلا کہ وہ جزیہ ادا کرنے کے لیے بھیک مانگ رہا ہے تو آپ نے نہ صرف اس کا بلکہ اس جیسے تمام معذوروں کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا اور جزیہ معاف کر دیا، اور یہ بھی فرمایا: "بخدا! یہ بات عدل و انصاف کے منافی ہے کہ ان لوگوں کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔" (کتاب الخراج: ص 150-151) تاریخ کے اوراق اس بات کی بھرپور شہادت دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے ذمیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کیا اور ان کو وہی مراعات دیں جو وہ مسلمانوں کو دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ذمیوں نے بھی ہر موقع پر خود اپنی ہم مذہب حکومتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کی یہاں تک کہ جاسوسی بھی کی۔ مسلمان لشکروں کی خوراک اور رسد مہیا کرنے اور دوسرے کئی طریقوں سے مدد کی۔ ہر قسم کے راز مسلمانوں تک پہنچائے اور تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جنگ یرموک میں شرکت کے لیے جب مسلمانوں کو انطاکیہ جانا تھا تو تمام مفتوحہ علاقوں کے امراء اور رؤساء

مسلمانوں کے عدل وانصاف سے اس قدر گرویدہ ہوگئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے انہوں نے عیسائیوں کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو انہی جاسوسوں کی وجہ سے تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے اس بارے میں اپنے افسروں سے مشورہ طلب کیا۔ مختلف افسروں نے مختلف مشورے دیئے۔ ایک تجویز کے جواب میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہم عیسائیوں کو شہر سے باہر نکال دیں۔" اس پر سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: "اے امیر! آپ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اس لیے نقضِ عہد کیوں کر ہو سکتا ہے؟" سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ بالآخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود ہیں، اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ جب یہ بات متفقہ طور پر طے ہو چکی تو سپہ سالار لشکر اسلامی سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے افسر خزانہ سیدنا حبیب بن مسلم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے، وہ ان کی حفاظت کا ٹیکس ہوتا ہے۔ اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے، لہٰذا جو کچھ ان سے ہم نے لیا ہے سب ان کو واپس کر دو اور ان سے کہہ دو کہ "ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا وہ اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، اس لیے جزیہ یا خراج جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم لوگوں کو واپس کیا جاتا ہے۔" چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی، ساری کی ساری واپس کر دی گئی۔ یہ دنیا میں پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ فاتح قوم نے مفتوح قوم سے لی ہوئی رقم واپس کی۔ عیسائیوں کے حاشیہ خیال میں بھی ایسا ممکن نہیں تھا۔ انہیں قیصر روم کا جور وستم اور جبر واستبداد جو ٹیکسوں کی فراہمی کے بارے میں تھا، بخوبی یاد تھا، لہٰذا ان پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش و جذبہ کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم لوگوں کو جلد واپس لائے۔" یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا "تورات کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر انہوں نے شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ ہی یہ برتاؤ نہیں کیا تھا، بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے اور انہیں فوجی Strategy کے تحت خالی کرنا پڑا، ان سب کی جزیہ کی رقم جس قدر وصول ہوئی تھی ساری کی ساری واپس کر دی۔

(فتوح البلدان: ص137، کتاب الخراج لابی یوسف: ص181، فتوح الشام: ص138)

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عہد میں ذمیوں سے حسن سلوک:

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عہد خلافت میں بھی ذمیوں سے عدل وانصاف اور مساوات کا برتاؤ ہوتا رہا۔ انہوں نے مسلمانوں کی طرح ذمیوں کی عزت و آبرو اور جان ومال کی حفاظت کی اور ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ جزیہ اور خراج کی وصولی میں ان کے ساتھ وہی نرمی اور آسانی برتی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے برتی تھی، اور شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا کہ مجھے صدقات وغیرہ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ لکھ کر ارسال فرمائیں۔ انہوں نے صدقات اور حکومت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تو انہیں لکھ دیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر آپ اپنے زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی طرح حکمرانی کے فرائض انجام دے دیں تو آپ ان سے بڑھ جائیں گے کیونکہ نہ آپ کا زمانہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی طرح کا ہے اور نہ ہی آپ کی رعایا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رعایا کی طرح ہے۔" (تاریخ الخلفاء: ص231)
آپ نے اپنے زمانے کے مختلف گورنروں اور کارکنان حکومت کو لکھا کہ کوئی شخص ذمیوں پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ کرے اور ان کے حقوق کا

اسی طرح تحفظ کرے جس طرح مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ذمی کے خون کی وہی قیمت قرار دی جو مسلمانوں کے خون کی تھی۔ ایک دفعہ حیرہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ چاہیں تو قتل کریں، چاہیں تو معاف کر دیں۔ گورنر نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا، اور ذمیوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ (نصب الرایہ: 3/360)

یہ صرف ایک اسلامی ریاست کا خاصہ ہے وگرنہ اور کسی ریاست میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ نے عدی بن ارطاط کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔ ان میں جو بوڑھا یا نادار ہو جائے کفالت عامہ کے تحت اس کی گذران دو، اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اسے اس کی کفالت کا حکم دو۔ جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے یا بڑھاپے نے اسے معذور کر دیا ہو تو اسے آزاد کرنا پڑے گا یا پھر مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑے گی۔ (طبقات ابن سعد: 5/280)

شاہی خاندان سے جب آپ نے مسلمانوں کی غصب شدہ املاک چھین کر اصل مالکوں کو واپس کیں تو اس وقت ذمیوں کے مغصوبہ زمینیں بھی واپس دلائیں۔ اس سلسلہ میں ایک ذمی نے دعویٰ دائر کیا کہ عباس بن ولید نے جو شاہی خاندان کا چشم وچراغ ہے، میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے عباس سے جواب دعویٰ کے لیے کہا۔ اس نے کہا کہ یہ زمین مجھے ولید نے جاگیر میں دی ہے اور میرے پاس اس کی دستاویز موجود ہے۔ ذمی نے اپنے دعویٰ کا جواب سن کر کہا: "امیر المومنین! میں آپ سے کتاب کے مطابق اس کا فیصلہ چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "کتاب اللہ ولید کی سند پر مقدم ہے۔" چنانچہ عباس بن ولید سے زمین چھین کر ذمی کو واپس لوٹا دی۔" (سیرۃ عمر بن عبد العزیز: ص104، لابن جوزی، البدایہ والنہایہ: 9/213)

آپ کا حکم تھا کہ کوئی مسلمان کسی ذمی کے مال پر دست درازی نہ کرے، چنانچہ اس ہدایت کے اثرات تھے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے مال، زمین اور عزت و آبرو پر دست درازی نہ کر سکتا تھا۔ جو ایسا کرتا اس کو قرار واقعی سزا ملتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شودی نے ایک سرکاری ضرورت کے تحت ایک نبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ آپ سے پہلے بھی ایسا ہو جاتا تھا۔ آج بھی گھوڑے کیا عوام کی بسیں اور کاریں اپنے جلسوں کی رونق بڑھانے کے لیے بیگار میں پکڑ لی جاتی ہیں اور ان کو کئی کئی روز تک استعمال میں لایا جاتا ہے۔ عوام روتے رہتے ہیں اور حکومت کے کارندوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ کیونکہ سرکاری عہدے داروں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ بہرے ہوتے ہیں، عوام کے رونے اور چلانے کی آواز انہیں سنائی نہیں دیتی۔ وہ "یک چشم" بھی ہوتے ہیں کہ انہیں صرف اپنا آپ دکھائی دیتا ہے عوام دکھائی نہیں دیتے، لیکن عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو اس عہدے دار کو چالیس کوڑے لگوائے تاکہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔

(طبقات ابن سعد: 5/276)

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں ذمیوں کے ساتھ اتنی نرمی برتی گئی کہ اس سے عام لوگوں کو کئی نقصانات اٹھانے پڑے۔ آپ کے عہد خلافت میں غلہ کا نرخ گراں ہو گیا۔ ایک شخص نے آپ سے گرانی کا سبب پوچھا، فرمایا: "پہلے خلفاء ذمیوں کو جزیہ کی وصولی

میں تکالیف دیتے تھے، اس لیے وہ جس نرخ پر بھی ہو سکتا غلہ فروخت کر دیتے تھے، اور میں ہر شخص کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہوں جس کو وہ برداشت کر سکے، اس لیے اب ہر ذمی جس طرح چاہتا ہے فروخت کرتا ہے۔(کتاب الخراج لابی یوسف: ص76)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا محبت و احترام کی بنیاد پر ذمیوں سے سلوک کرنا اسلام کے اصولوں کے عین مطابق تھا، اور آپ سے ان کے حسن سلوک کی بنیادیں محبت و احترام پر اٹھائی گئی تھیں۔(تاریخ الشعوب الاسلامیہ: 1/184)

آپ کو یہ بات پسند تھی کہ غیر مسلم اور ذمی ایک اسلامی حکومت میں رہ کر اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مصئون سمجھیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے اہل ذمہ پر بڑی سختی کی ہوئی تھی۔ اس نے یہ قانون بنایا ہوا تھا کہ وہ ذمیوں کے غلہ کے گوداموں کو سر بمہر کروا دیتا تھا اور اس وقت تک سیل نہ کھولتا تھا جب تک وہ جزیہ ادا نہ کرتے۔ لیکن سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو یہ بات ناپسند تھی۔ وہ کسی صورت نہیں چاہتے تھے کہ ذمیوں کے وقار اور احترام کو ٹھیس لگے۔ اہل ذمہ کے ساتھ اس حسن سلوک کو دیکھ کر کئی شہروں کے کوتوال آپ کی اجازت کے بغیر ہی اہل ذمہ کے مظالم کو رفع کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک روز آپ نے کوتوال شہر عمرو بن مہاجر کو بلوایا۔ لیکن وہ موجود نہ تھا۔ پھر جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا: "کہاں تھے؟" اس نے جواب دیا: میں اہل کتاب کے مظالم رفع کرنے کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کا یہ عذر سن کر اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔(سیرۃ ابن عبدالحکم: ص164) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے گورنروں کو ہر وقت یہی تلقین کرتے رہتے تھے کہ ذمیوں کو تمہارے ہاتھوں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے عبدالرحمٰن بن نعیم کو لکھا کہ جس گرجاگھر، آتش کدہ یا عبادت خانہ پر تم سے صلح کر لی گئی ہے اس کو ہرگز منہدم نہ کرو۔(طبری: 5/364)

اور ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب بنو امیہ کے امراء نے سیاحت کا ارادہ کیا تو آپ نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ذمیوں کو نہیں ستائیں گے اور نہ قوم کے کسی شخص کو تنگ کریں گے۔(سیرۃ ابن جوزی: ص77)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک نہایت دین دار اور پابند شریعت شخص تھے۔ اس وجہ سے ان کی نگاہ سے یہ بات اوجھل نہ تھی کہ دنیا میں عبادت خانوں کا باقی رہنا لوگوں کے لیے باعث صلاح و فلاح ہے۔ وہ عبادت خانے خواہ کسی دین و ملت کے ہوں کیونکہ کوئی مذہب بھی لوگوں کو بداخلاقی اور بدتہذیبی نہیں سکھاتا بلکہ عبادت خانوں ہی میں جا کر لوگوں کو اخلاق اور ان کی تہذیب میں حسن اور نکھار پیدا ہوتا ہے، اور ان کی معاشرت درست ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ دو خارجیوں نے آ کر آپ سے ذمیوں کے بارے میں استفسار کیا کہ "انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف دی جا سکتی ہے؟" آپ نے جواب میں فرمایا: "کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے اندر تکلیف دیتا ہے تو ہم کون ہیں جو ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیں؟"

انہوں نے پھر پوچھا گیا کہ اگر اہل ذمہ کے عبادت خانے یعنی گرجے وغیرہ ڈھا دیئے جائیں تو کیا حرج ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے اس کی یہ بات ہرگز نہیں مانی۔(سیرۃ ابن عبدالحکم: ص174) گذشتہ خلفاء نے ذمیوں کے مذہبی حقوق بھی پامال کیے ہوئے تھے۔ آپ نے ان حقوق کو از سر نو قائم کیا۔ چنانچہ دمشق میں ایک گرجا عرصہ سے مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آ رہا تھا۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب مسند نشین خلافت ہوئے تو عیسائیوں نے ان کے پاس اس کا دعویٰ کیا۔ آپ نے فوری طور پر اس کو واپس دلا دیا۔ ایک مسلمان نے ایک گرجے کی بابت یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی ملکیت ہے۔ سیدنا عمر ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم ان کو نہیں لے سکتے یہ ان کا رہے گا۔" (فتوح البلدان: ص130)

عمر بن عبدالعزیز ذمیوں کو نہ صرف عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے بلکہ شاہی خاندان جو اپنے کو دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اعلیٰ وارفع تصور کرنے لگے تھے، ان کے برابر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہشام نے غرور وتمکنت میں جو شاہی خاندان میں پیدا ہو گیا تھا۔ ایک عیسائی سے سخت کلامی کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کو ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی یہاں تک کہ ہشام کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔ اسلام نے صرف نظام حکومت کے اچھا ہونے پر زور نہیں دیا بلکہ اسلام نے حاکم حکومت کے اچھا ہونے پر بھی زور دیا ہے۔ اگر حاکم اچھا ہے تو نہ صرف رعایا خوش حال ہو گی، بلکہ حکومت کے محاصل میں بھی اضافہ ہو گا۔ لوگوں میں دیانت وامانت، صدق وراست بازی اور فرائض وحقوق کی ادائیگی کا جذبہ ابھرے گا۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے کے خلفاء لوگوں سے ناجائز محاصل وصول کرتے خصوصی طور پر ذمیوں سے وصولی میں ظلم وتعدی سے کام لیتے۔ وصول کرتے وقت سختی اور تشدد کرتے۔ آپ نے ان سب چیزوں کا سدباب کر دیا۔ اب بغیر کسی سختی اور تعدی کے ٹیکس اور خراج و جزیہ وصول ہوتا اور پھر اس کے مصارف بھی کثیر ہوتے تھے۔ لیکن ان کثیر مصارف کے باوجود بیت المال کی آمدنی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ حجاج بن یوسف کے ظالمانہ دور سے کہیں زیادہ عراق کی آمدنی تھی۔ آمدنی کے اس اضافہ کو دیکھ کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حجاج پر لعنت کرے، اس کو نہ دین کا سلیقہ تھا اور نہ دنیا کا۔ اس کے ظالمانہ دور میں قومی خزانے کی آمدنی صرف دو کروڑ اسی لاکھ درہم تھی، لیکن اب اسی عراق کی آمدنی لوگوں کو اتنی سہولتیں دینے کے باوجود بارہ کروڑ چالیس لاکھ درہم ہے۔

حق ملکیت

اسلام نے انسان کی انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا ہے اور ایک انسان کو اس کا حق دیا ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اور اس سے ہر قسم کا فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ ملکیت کا حق زیادہ تر مال پر ہوتا ہے کیونکہ اس سے آدمی کی دنیوی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان کی دنیوی زندگی کا انحصار بھی مال ہی پر ہے۔ مال ہی انسان کی پانچ ضروریات میں سے ایک ہے۔ پھر قرآن نے اس کو دنیوی زینت بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا﴾ (الکھف: 46)

"مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں۔"

اس آیت میں مال کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے اور مال اور بیٹوں کو دنیوی زندگی کی زینت قرار دیا گیا ہے، اور جو چیز دنیا کی زندگی کی زینت ہو وہ بہت جلد زائل ہونے والی ہے۔

ایک اور آیت میں کہا گیا:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) (تغابن: 15)

"تمہارے اموال اور تمہارے بیٹے فتنہ ہیں۔"

اور بھی کئی آیات میں اموال کی نسبت انسانوں کی طرف کر کے ان کے تملک کو ظاہر کیا گیا ہے۔

اسلام کا سارا ڈھانچہ انفرادی ملکیت پر قائم ہے۔ یہ اصول تسلیم نہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اسلام کے معاشی قوانین بیکار ہو کر رہ جائیں گے بلکہ دین اسلام کا ایک رکن زکوۃ بھی عملاً غیر ضروری قرار پائے گا۔ اسی طرح اس کا دوسرا رکن حج بھی کروڑوں افراد کے لیے عملاً ختم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ معاشی قوانین کا عظیم الشان مسئلہ میراث بھی باقی نہ رہے گا۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے معاشی قوانین انفرادی ملکیت کی اساس پر قائم ہیں، اسی لیے اس اصول پر الگ سے دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زکوۃ اور میراث کے بارے میں آیات، انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں آیات قرآنیہ، قرض اور خرید و فروخت سے متعلق آیات، خلع اور مسئلہ رضاعت کے احکام پر مشتمل آیات، نیز ان مسائل اور دیگر مسائل سے متعلق کثیر التعداد احادیث سب کی سب انفرادی ملکیت کے دلائل و براہین ہیں۔ اسی طرح کم ناپنے، کم تولنے کی ممانعت، چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا، غصب اور رہزنی کی سزا، کسی کا مال تلف کر دینے پر تاوان ادا کر دینے کی سزا اور اس طرح بیسیوں مسائل پر جو آیات و احادیث موجود ہیں، وہ سب انفرادی ملکیت کے دلائل و براہین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل اور اپنی کتابوں کے واسطہ سے اپنے ہر ہر بندے پر جو حقوق و فرائض عائد کیے ہیں، جن اخلاقی اقدار کو تسلیم کرنے اور ان کی نگہداشت کرنے کا پابند کیا ہے، اور جس نوع کی زندگی بسر کرنے کا مطالبہ کیا ہے، وہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اس کی حاصل کی ہوئی چیزوں پر ان کے مالکانہ حقوق تسلیم نہ کیے جائیں۔ فی الواقع انفرادی ملکیت کے حق کی نفی اس نقطہ نظر کی نفی ہے جو اسلام نے زندگی کے بارے میں عطا کیا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اس نقطہ نظر کو ماننے سے انکار کر دے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اسے صحیح بھی تسلیم کرے۔ اس پر ایمان کا مدعی بھی ہو اور پھر انفرادی ملکیت کے حق سے انکار کی بھی کرے کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی اس طرح ضد ہیں جیسے سیاہی اور سفیدی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اس بات میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں کچھ ایسی احتیاجات رکھ دی ہیں جن کی تسکین و تکمیل کے لیے وہ ہر وقت بے قرار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے یہ احتیاجات انسان کی فطرت میں رکھیں، اس نے خارج میں ایسے وسائل اور انسان کے داخل میں ایسے قوائے علم و عمل پیدا فرما دیئے جن سے کام لے کر وہ اپنی ان احتیاجات کی تسکین و تکمیل کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اس وجہ سے پیدائش کا عمل انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ انسان معاشی اعتبار سے آسودہ حال رہے، اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر وسائل کائنات سے استفادہ کرنے کے لیے جدوجہد کرے تو وہ انہیں رزق و دولت سے نوازتا ہے۔ اگر تلاش رزق کرنے والے یہ ہاتھ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے ہوں تو اللہ رب العزت کی رزق رسانی کی سنت کامل ترین انداز میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: "یعنی اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی روش پر گامزن رہتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے ان پر کھول دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی (اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلایا) پس ہم نے ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑا۔" (الاعراف: 96)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اسلام علوم وفنون میں ایک مسلمان کی دلچسپی اور ترقی کرنے کو نہ صرف نظر استحسان سے دیکھتا ہے بلکہ اس پر بڑا زور دیتا ہے۔ اس جدوجہد کا ایک مقصد ایک تو معرفت الٰہی کا حصول ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان ان وسائل و آلات تک رسائی حاصل کرلے جو زود پید اواری کا باعث بن کر اس کی نہ صرف ضروریات کو پورا کرے بلکہ اس کو احتیاجات کی لذتوں سے بھی شاد کام کرے۔ انسان کا اپنے علوم وفنون اور اپنی جسمانی اور ذہنی کدوکاوش کو ذریعہ معاش بنانا اسلام میں عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

(کسب الحلال فریضه بعد الفریضة)

"یعنی کسب حلال فرض عبادات کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔"

اس کی خاطر نماز تہجد جیسی عظیم عبادت میں بھی تخفیف کر دی گئی۔ انسان یہ ساری جدوجہد اس وجہ سے کرے گا کہ جو کچھ وہ اپنی محنت سے کمائے وہ اس کی ملکیت میں ہو۔ اگر اس کی محنت کا نتیجہ اور ثمرہ کوئی دوسرا لے جانے تو کبھی بھی وہ محنت وکاوش میں دلچسپی نہیں لے گا۔ اس وجہ سے اس نے فرد کو حق ملکیت عطا کیا ہے۔

ملکیت کا حقیقت:

ملکیت کی حقیقت جان لینے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ملکیت سے کیا مراد ہے؟ اور ملکیت کس کو کہتے ہیں؟ ملکیت سے مراد کسی مال یا شے پر کسی فرد کا قبضہ اور اس شے یا مال کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کا حق ہے۔ علامہ مقدسی کے مطابق ملکیت انسان اور شے کے مابین وہ خصوصی تعلق ہے جو شرعاً دوسروں کے لیے اس شے یا مال سے استفادہ میں رکاوٹ اور اس انسان کے تصرف اور استعمال کے لیے وجہ جواز بنتا ہے، البتہ اگر کوئی مانع ہو تو یہ الگ بات ہے جیسے جنون وغیرہ۔ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ "ملکیت کسی شے میں تصرف پر وہ قدرت اور حق ہے جو کسی انسان کے لیے شارع علیہ السلام کے ثابت کرنے سے ابتدائی طور پر ثابت ہے مگر یہ کہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔

علمائے اسلام نے ملکیت کی تعریف میں اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ چنانچہ قرافی نے لکھا ہے کہ:

"ملک شریعت کی طرف سے کسی چیز میں یا کسی چیز کے نفع میں ایک ایسی اجازت ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ یہ شخص جس کو یہ اجازت حاصل ہے، خاص اس چیز سے یا اس کی منفعت سے نفع حاصل کرے یا اسی حیثیت میں کہ شریعت نے اجازت دی ہو، اس چیز کا یا اس کی منفعت کا بدل لے لے۔" (انوار البروق فی انواع الفروق: 3/244، بحوالہ الملکیت فی الاسلام لسید ابی نصر احمد الحسینی)

شارع ہدایہ علامہ کمال بن الہمام فرماتے ہیں:

"ملک تصرف کرنے کی وہ قدرت ہے جو شریعت نے بلا واسطہ ثابت کی ہو بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو یعنی ایسی قدرت کہ اگر کوئی شرعی (قانونی) رکاوٹ نہ ہو تو ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے۔" (بحوالہ الاشباہ والنظائر: ص 531)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

تصرف کی طاقت اور قدرت وکیل کو بھی ہوتی ہے مگر بلا واسطہ نہیں ہوتی بلکہ موکل کی عطا کردہ ہوتی ہے، لہٰذا وکیل کو مالک نہیں کہا جائے گا۔ ایک دیوالیہ جس کو عدالت نے نوٹس دے دیا کہ وہ کوئی شے فروخت نہیں کر سکتا، وہ اگرچہ تصرف نہیں کر سکتا مگر وہ اپنے اثاثہ کا مالک ہے۔ برصغیر پاک وہند کے مایہ ناز فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے الفاظ نہایت مختصر اور واضح ہیں۔ فرماتے ہیں:

(معني الملك في حق الآدمي كونه احق بالانتفاع من غيره) (حجة الله البالغه: 96/2، ابواب اتبغا والرزق)

"آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے مقابلہ میں اس کو نفع اٹھانے کا حق زیادہ ہے۔" قاضی القضاۃ عبید اللہ بن مسعود الحنفی صاحب شرح الوقایہ نے یہ تعریف کی ہے: "ملک انسان اور کسی چیز کے درمیان شریعت کا تجویز کردہ ایسا تعلق ہے جو اس شخص کے لیے جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اس شے میں تصرف کرے اور دوسرے کے تصرف کو روکتا ہے۔" (وحاجزاً عن تصرف الغير فيه) (شرح الوقایہ، کتاب العتاق) سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ حق ملکیت انسان کو حقیقی ہے لیکن اسلام میں یہ حق ملکیت عارضی ہے کیونکہ اسلام میں کائنات کی ہر چیز کا مالک درحقیقت اللہ تعالیٰ جل شانہ ہیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم کی مختلف آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

(لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ)

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔"

اس آیت اور قرآن حکیم کی دوسری آیات کی رو سے اصل مالک تو ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کو اشیاء کے حقوق ملکیت اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور ان کی حیثیت ایک مقدس امانت کی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان اشیاء میں تصرف کا حق رکھتا ہے لیکن اس سلسلہ میں اسے مالک حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی رضا اور اس کا منشاء ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اس نے ہی اس کو پیدا کیا، بنایا اور بڑھایا۔ جس نے ابر نیساں کی ایک بوند کو سیپ میں بند کر کے پالا اور پرورش کیا، یہاں تک کہ وہ قطرہ باراں کا آب دار قیمتی موتی ہو گیا۔ انسان کی ملکیت یہ ہے کہ اس کو اپنے کام میں لا سکتا ہے، اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، کسی دوسرے انسان کو روکنے کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ اس نے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس کو نکالا ہے یا کوہ کن نے پہاڑ کی چٹان پھاڑ کو یہ موتی اور لعل وہاں سے برآمد کیا۔ ان دونوں کو حق ہے کہ آپس میں تبادلہ کر لیں۔ اس کا نام خرید وفروخت اور انتقال ملکیت ہے، لیکن حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ نائب خدا اور خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے انسان کے ذمہ دنیا و آخرت کی فلاح وصلاح کا حصول ہے، اور اس کائنات کی ہر شے کا مقصود وجود انسان کو اپنے مقصد اور تگ وتاز زندگی میں کامیابی کے مواقع فراہم کرنا ہے، اس لیے حق ملکیت کا حصول انسان کا مقصد زندگی نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

(أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا) (النساء: 5)

"(اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو) جن کو اللہ نے تمہاری گذر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔"

آیت کے اس ٹکڑے میں ایک طرف تو مال کی اہمیت بتائی اور واضح کیا کہ انسانی معاش میں اس کا بڑا دخل ہے، لہٰذا اس کی حفاظت کا داعیہ قلوب میں پیدا کیا گیا۔ نہ صرف حفاظت کا داعیہ پیدا کیا گیا بلکہ اس کی حفاظت کو بھی ضروری قرار دیا اور اس کا ضیاع گناہ قرار دیا۔ اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اگر کوئی شخص قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے جیسا کہ جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہونے پر شہادت کے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مال کی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص مقتول ہو جائے وہ شہید ہے۔" (بخاری: 1/337، مسلم: 1/81) ایک اور روایت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیک آدمی کے لیے اس کا اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاع حیات ہے۔" (مشکوٰۃ: ص326) چونکہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی وحدت کی اکائیاں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی چند افراد یا کسی ایک طبقہ کی ملک نہیں ہونی چاہیں، بلکہ تمام انسانی افراد کو استفادہ کا موقع ملنا چاہیے، اور محروم افراد کے ساتھ ہمدردی اور اخوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بھی اس مال سے استفادہ کا موقع دیا جائے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔" (مشکوٰۃ: ص324، مجمع الزوائد: 8/250) انسان کو اگرچہ مال اور دیگر اشیاء پر ملکیت کے حقوق دیئے گئے لیکن یہ حقوق بطور آزمائش اور امتحان دے دیئے گئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ آزمائش اسی صورت میں ہوتی ہے جب انسان کو اختیار اور اپنی پسند و ناپسند کے مطابق عمل کی آزادی حاصل ہو۔ البتہ اس حق اور اختیار کو اس طرح محدود کیا گیا کہ اس کی آزادی ملکیت سے دوسرے افراد کی آزادی مجروح نہ ہو، اور اس آزادی سے معاشرہ میں فساد اور فتنہ برپا نہ ہو۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اموال و املاک پر افراد کو نجی ملکیت کا حق حاصل ہے، ورنہ قانون وراثت، نظام زکوٰۃ و عشر و صدقات، نظام نفقات اور قانون وصیت وغیرہ سب بیکار ہو جائیں، کیونکہ ان تمام احکام پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اموال و املاک انسان کی ذاتی ملکیت میں ہوں۔ تاہم یہ مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ مشروط ہیں۔

اسلام نے انسان کو نجی ملکیت پر جو حقوق دیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(1) ہر انسان اپنی زیر ملکیت شے کو اپنے یا دوسرے انسانوں کے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ ان اشیاء میں ترمیم و اضافہ عمل پیدائش کے ذریعہ کر سکتا ہے۔ اس کا یہ حق منقولہ و غیر منقولہ، ذی روح اور غیر ذی روح ہر طرح کی املاک اور اشیاء پر ہوتا ہے۔ انسان نئی ٹیکنالوجی اور علم کی بنیاد پر ان اشیاء میں جدت بھی پیدا کر سکتا ہے۔

(2) جو اشیاء یا جاندار انسان کی نجی ملکیت میں ہیں ان میں اضافہ کرنا اور نفع کمانا انسان کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو وہ کرایہ پر دے سکتا ہے۔ وہ ذاتی مال سے ذاتی کاروبار کر سکتا ہے تاکہ اس سے وہ نفع حاصل کرے۔ بعض مفکرین انسان کی ذاتی ملکیت کا حق تو تسلیم کرتے ہیں لیکن نفع حاصل کرنے کی غرض سے اس کو کاروبار میں لگانے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ ایک کم عقلی کی بات ہے۔ کاروبار میں نفع و نقصان دونوں کا رسک (Risk) ہے۔ نقصان کی صورت میں صاحب مال اپنے مال اور محنت دونوں سے یک قلم محروم بھی ہو سکتا ہے، لیکن اگر مال خرچ کر کے اور شبانہ روز محنت کر کے اسے نفع اور فائدہ ہو تو یہ بھی اس کا حق بنتا ہے۔

(3) اپنے اس مال سے ہر شخص شراکت کے ذریعہ بھی نفع کما سکتا ہے۔ شراکت سے مراد ایسا پیداواری یا کاروباری عمل ہے جس میں دو یا دو سے زائد افراد متعین سرمایہ کے ساتھ نفع کے حصول اور نقصان کی ذمہ داری برداشت کرنے کے لیے اکٹھے ہوں اور نفع و نقصان کی شرح کا تعین حصہ داران کے لیے پہلے سے طے ہو۔ انسان کا حق تملیک اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنا طے ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: "وہ زرع کہاں ہے جو میں نے فلاں روز آپ کو دی تھی۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ میرے پاس موجود ہے، چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کر دی۔ (ابو داؤد، رقم: 2126)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ وہ زرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھی۔

اسی طرح کسی علمی اور ادبی کام کے بھی حقوق ملکیت ہوتے ہیں، نئی ایجادات کے حقوق ملکیت، انجینئروں کے نقشہ جات اور ان کے پلان کے حقوق ملکیت، ادبی کتابوں، تراجم کے حقوق نشر و اشاعت یہ سب حقوق اسلام میں ایک انسان کی ملکیت میں داخل ہیں بشرطیکہ وہ کسی حرام کام کی کمائی کے نتیجہ میں آمدنی نہ ہو۔ کیوں حرام مال، مال غیر متقوم ہوتا ہے۔

ملکیت میں حق تصرف:

اسلام نے انسان کو اس کی ملکیت میں تصرف کا بھی پورا پورا حق دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (بقرہ: 261)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے کے ساتھ سو دانے ہیں، اور جس کے لیے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔" اس آیت اور قرآن حکیم کی دوسری کئی آیات میں مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور صدقہ و خیرات کی ترغیب دی اور پھر اس کا اجر و ثواب بھی ذکر کیا، کیونکہ صدقہ و خیرات سے دولت پورے معاشرہ میں گردش کرتی ہے۔ ہر امیر و غریب کی جیب تک پہنچتی ہے۔ فقراء اور غرباء کی زندگی کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور رفاہ عامہ کے بہت سے کام انجام پاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ جائز و ناجائز کام میں مال خرچ کرو بلکہ "فی سبیل اللہ" کی قید لگائی کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اللہ کی راہ کی کئی صورتیں ہیں۔ دین کی نشر و اشاعت میں خرچ کرنا، مساجد و دینی مدارس کی بہتری اور تعمیر کے لیے خرچ کرنا، کوئی لائبریری بنانا، یتیم خانے تعمیر کرنا، ہسپتال بنانا، اس میں ادویات رکھنا، یتیموں اور بیواؤں کے لیے وظائف جاری کرنا، بیماریوں کے علاج معالجہ کے لیے انہیں مختلف سہولتیں دینا، تنگ دست پڑوسیوں کی مدد کرنا، یہ اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں دولت کو صرف کرنا سب "فی سبیل اللہ" کی مختلف صورتیں اور انواع ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی ملکیت میں انسان کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔ وہ اس مال میں سے قرض بھی دے سکتا ہے اور مستحقین پر اس کو خرچ بھی کر سکتا ہے، اور ایک مومن اس بات پر مامور ہے کہ وہ اس مال کو خرچ کرے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے آسمان سے زمین پر اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(اللّٰھم اعط منفقاً خلفاً)

"اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما۔" ا

ور دوسرا کہتا ہے:

(اللّٰھم اعط ممسکاً تلفاً)

"اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے حصہ میں ہلاکت رکھ۔" (بخاری، رقم:1442، مسلم، رقم:1010)

ایک شخص کا اپنے مال کو مضاربت پر دینا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اپنے مال میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔ مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے جب کہ دوسرا شخص صرف کاروباری جدوجہد اور سعی و کوشش کرتا ہے نقصان کی صورت میں صاحب سرمایہ کا مالی نقصان ہو گا، دوسرے کی محنت کا۔

پھر کسی شے کے مالک کو اپنی چیز دوسرے کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کرایہ کسی شے کے استعمال کے فائدوں کی قیمت کو کہتے ہیں۔ اس سے چیز تو اصل مالک کی ملکیت ہی میں رہتی ہے لیکن اس کے فوائد کرایہ پر لینے والے کی ملکیت بن جاتے ہیں۔ نقد سرمایہ کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا کیونکہ نقد سرمایہ کو خرچ کیے بغیر اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ وہ خود باقی رہتے ہوئے اپنے فوائد استعمال منتقل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سرمایہ کو کرایہ پر دینا سود کہلاتا ہے۔ مالک کو اپنی ملکیت میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زیر ملکیت چیز دوسرے شخص کو منتقل کر دے، خواہ قیمت کے عوض ملکیت منتقل کرے یا بلا عوض کے۔ چنانچہ چیزوں اور جائیداد کی خرید و فروخت، ہبہ، وصیت اور وقف وغیرہ ملکیت کی منتقلی کی مختلف شکلیں ہیں۔

ملکیت کی حرمت:

اسلام نے ہر شخص کی ملکیت کا پورا پورا احترام کیا ہے اور اس میں ہر قسم کی زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

(كل المسلم علي المسلم حرام، دمه و ماله و عرضه)

(رواہ مسلم، رقم: 2564 جزء من حدیث)

"ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت و آبرو حرام ہے۔"

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ (النساء: 29)

"اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔"

اس آیت میں دوسروں کے اموال میں تصرف کی اجازت دی ہے اور اس کے لیے کچھ ہدایات بھی دی ہیں۔ ان ہدایات کی روشنی میں دوسرے کے مال میں تصرف کرنے کا حق دیا گیا ہے، وگرنہ دوسروں کے مال میں تصرف کرنا حرام قرار دیا گیا۔ بیع وشراء کے ذریعہ دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح ہبہ، وراثت اور کسی چیز کو بنا کر اس کا مالک ہونا جائز ہے۔ اور جوا، سٹہ، غصب، چوری، ڈاکہ، خیانت، جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ اور رشوت سے دوسرے کا مال کھانا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا۔

آج کل معاشرہ میں رشوت کا بہت چلن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ نہ رشوت لینے والا اس کو گناہ سمجھتا ہے اور نہ رشوت دینے والا، حالانکہ حدیث میں دونوں کو جہنمی کہا گیا ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے رشوت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کوئی شخص حاکم یا کسی اور افسر مجاز کو کوئی چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے، یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔ (تاج العروس: 10/150)

کسی شخص پر ظلم کرنے کے لیے یا کوئی ناجائز کام کرانے کے لیے کچھ دینا رشوت ہے، اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے یا خود کو ظلم سے بچانے کے لیے کچھ دینا یہ رشوت نہیں ہے۔" چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے ان کا کچھ سامان چھین لیا گیا۔ انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے کر اپنا سامان چھڑا لیا۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے کہ تم اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے کچھ دو جو تمہارا حق نہیں ہے۔ اس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی: 10/139) بعض حضرات کے نزدیک رشوت ہر وہ مال ہے جو بشرط اعانت خرچ کیا جائے۔ (الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ: ص330)

یعنی ہر وہ مال جو کسی کام میں کسی شخص کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کیا جائے۔ اس تعریف سے "ہدیہ" آپ سے آپ نکل جاتا ہے کیونکہ یہ اعانت کی شرط کے ساتھ نہیں دیا جاتا، لیکن یہ تعریف غیر رشوت کو رشوت میں داخل ہونے سے مانع نہیں جیسے مزدور، انجینئر، یا وکیل کو اجرت یا فیس دے کر اس سے کام کرانا، ظاہر ہے اس کا تعلق رشوت سے نہیں ہے، لیکن اس تعریف سے ان کا شمار بھی رشوت میں ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

(لا یحل لامرئ من مال اخیه الا ماطابت به نفسه)

(مسند احمد: 5/113، نیل الاوطار: 8/277)

"اپنے بھائی کا مال اس کی رضامندی اور طیب نفس کے بغیر لینا کسی شخص کے لیے حلال نہیں۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے جو دوسروں کا مال چوری کرتا ہے اس کی سزا ہاتھ کاٹنا رکھی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ (مائدہ: 38)

"چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہونے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعبیر، اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے۔"

چوری کی سزا سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا حرام ہے، اور کسی شخص کو شریعت یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی کی ملکیت میں کسی قسم کا کوئی تصرف کرے۔

ایک حدیث میں فرمایا جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین غصب کرتا ہے، تو سات زمینیں قیامت کے روز اس کے گلے کا طوق بنادی جائیں گی۔ (فتح الباری، رقم: 2452، مسلم مع نووی: 11/48)

انسان کی ملکیت کے حصول پر قیود:

اسلام نے اگر ایک انسان کی ملکیت کو تسلیم کیا ہے تو اس کے حصول پر کچھ حدود و قیود بھی لگادی ہیں:

1۔ پہلی قید یہ ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہو رہا ہے وہ حرام نہ ہو بلکہ طیب اور طاہر ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نجاسات، شراب، خنزیر، خون، مردار اور جانور جو بتوں پر یا ان کے نام پر ذبح کیے جائیں، اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں یہ سب حرام ہیں اور لوگوں کا مال باطل طریق سے کھانا، بت اور ان کی قیمتیں، تصاویر اور ان کی قیمتیں ان سب کی تملیک حرام ہے۔ (ملاحظہ ہو مائدہ: 3، بقرہ: 188)

2۔ کسی شے کو اپنی ملکیت میں لینے کا طریقہ بھی جائز اور حلال ہو، اگرچہ وہ چیز بذات خود حلال ہو، لیکن اگر اس کا طریقہ تملیک صحیح نہیں تو وہ شے ملکیت میں رکھنی جائز نہیں ہے، مثلاً گائے بذات خود حلال شے ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی کی گائے چوری کر کے لے آئے تو اس کی ملکیت اس پر ثابت نہ ہو گی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ کسی انسان کے قدم قیامت کے روز اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چار سوالوں کا جواب نہ دے دے۔

(1) اپنی عمر اس نے کس طرح گزاری

(2) اپنی جوانی کن کاموں میں صرف کی

(3) اس کے علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس پر کتنا عمل کیا

(4) اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ (رواہ مسلم واحمد والدارمی والترمذی بمعناہ (2410) وقال حدیث حسن صحیح)

خلاصہ یہ کہ اسلام غیر مشروع طریقہ تملیک کو حرام قرار دیتا ہے کیونکہ یہ امانت میں خیانت کے قائم مقام ہے۔ غیر مشروع طریقہ تملیک درج ذیل ہیں:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

1۔ دھوکہ دہی:

دھوکہ دہی سے جو مال کمایا جائے وہ بھی آدمی کی شرعی ملکیت ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(من غشنا فليس منا)

"جو ہم سے دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

(اخرجہ ابن حبان، رقم: 1107، مجمع الزوائد: 4/94، 4/95، 4/96، مسند احمد: 2/69، 3/466، 4/45، معجم اوسط طبرانی، رقم: 2488، مسند البزار، رقم: 1255، طبرانی فی الکبیر: 22/198، حاکم فی المستدرک: 2/9، مسند حمیدی، رقم: 1033، مشکل الآثار: 2/134)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

(من غش المسلمين، فليس منهم)

(مجمع الزوائد: 4/95، اخرجہ الطبرانی فی الکبیر: 18/359)

"جو مسلمانوں سے دھوکہ کرے وہ ان میں سے نہیں ہے۔"

چنانچہ بعض کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے دودھ میں پانی ڈالا ہوا تھا۔ آپ نے وہ سارا نیچے گرا دیا تاکہ آئندہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔

2۔ رشوت:

غیر مشروع طریقہ تملیک رشوت بھی ہے۔ اس کے بارے میں گذشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں کے جہنمی ہونے کا سندیسہ سنایا ہے۔

(رواہ الترمذی، رقم: 1336، وقال حدیث حسن صحیح)

بعض روایات میں "الرائش" کا لفظ بھی آیا ہے جس کا مطلب ہے وہ شخص جو رشوت لینے اور دینے والے کے درمیان دلالی کا کام کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی: 10/139)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ "سحت" کا کیا مطلب ہے۔ انہوں نے فرمایا: "رشوت۔" پھر پوچھا گیا کہ فیصلے پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (سنن کبریٰ بیہقی: 10/139)

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور باطل کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ظلم اور ضرر سے بچنے کے لیے کسی افسر مجاز کو کچھ دیتا ہے تو وہ رشوت نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اجعل مالك دون نفسك و نفسك دون دينك)

(السیاسیۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ للسید عبداللہ جمال الدین: ص 53)

"اپنے مال کو اپنی جان سے کم مرتبہ سمجھو اور اپنی جان کو اپنے دین سے کم مرتبہ خیال کرو۔"

جب انسان کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم اور ضرر کے دفعیہ کے لیے مال کو ڈھال اور بچاؤ کا سامان بنانے کی اجازت دی ہے۔ اور اس قسم کے معاملہ میں رشوت دینا ایک قسم کی حفاظتی تدبیر ہے۔ لہٰذا دینا درست ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس وقت حبشہ میں تھے، آپ نے گلو خلاصی کے لیے دو دینار بطور رشوت دیئے، تب کہیں آپ کو رہائی ملی۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

(ان الاثم علىٰ القابض دون الدافع)

(تفسیر قرطبی: 6/184، عون المعبود: 9/496)

"لینے والا گنہگار ہے دینے والا نہیں۔"

سچے، امانت دار، ثابت قدم، مقتدر اور بے نیاز افراد کو سرکاری کاموں کی ذمہ داری سونپنا ایک اہم دینی فریضہ ہے جس کو شریعت اسلامیہ اپنی بلند تر تعلیمات کے ذریعہ ہم پر واجب کرتی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں رشوت کے ذریعہ لوگ پچھلے دروازوں سے اعلیٰ عہدوں اور بلند مرتبوں پر فائز ہو جاتے ہیں، اس لیے اسلام نے رشوت لینے والے، رشوت دینے والے اور درمیانی ایجنٹ کو جہنم کی بشارت دی ہے۔ (ردالمختار: 4/306) اس قسم کی رشوت کو بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے، اور ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (نساء: 58)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے سپرد کر دیا کرو۔ اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔" کسی منصب یا ملازمت کے حصول کے لیے رشوت دینا در حقیقت امانت کو نااہلوں کے سپرد کرنا ہے۔ اس سے حکم خداوندی کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اس لیے کسی بھی منصب یا ملازمت کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا حرام ہے۔

ابو یعلی نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سند مرفوع کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ: "جس شخص نے دس آدمیوں پر کسی کو کار گزار بنایا، اور اسے معلوم ہے کہ اس گروہ میں اس سے بہتر بھی کوئی شخص ہے تو وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جماعت مسلمین کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو گا۔" (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: 2/165)

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر وہ والی (حکمران) جو مسلمانوں کی جماعت کی نگہداشت کرتا ہے، اگر وہ اس حال میں مرے کہ اس نے لوگوں کے ساتھ فریب اور دھوکہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔" (فتح الباری: 16/346، السیاسیۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ: ص14)

اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہوا، پھر اس نے کسی شخص کو باہم دوستی یا قرابت داری کی بنیاد پر کسی عہدہ اور منصب پر فائز کیا تو اس نے اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔"

(السیاسیۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ: ص10)

اور رشوت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہر شخص کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنی چاہیے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "ہر وہ گوشت جو "سحت" سے پیدا ہوا یا بنا ہو، جہنم اس کے لیے سب سے بہتر ٹھکانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "یا رسول اللہ! سحت کیا ہے؟" فرمایا: "رشوت۔" (الجامع الکبیر: 3/150، واخرجہ البیہقی فی شعب الایمان)

پبلک کے روپیہ میں خیانت کرنا:

لوگوں کے فنڈز اور ان کے ٹیکسوں سے اکٹھی کی ہوئی رقم میں خیانت کرنا بھی حرام ہے اور اس طریقہ سے کمائی ہوئی دولت پر بھی اسلام میں حق ملکیت ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿﴾﴾
(آل عمران: 161)

"اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں، اور جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت کی ہوئی چیز قیامت کے دن لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" اس آیت کے بارے میں اگرچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مال

غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، لیکن اس سے مراد مسلمانوں کے ہر قسم کے اموال ہیں۔ جو شخص پبلک منی (Public Money) میں خیانت کرتا ہے وہ اس آیت کی وعید کا مستحق ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیۃ جو قبیلہ آزد کی شاخ بنی لُتب سے تعلق رکھتا تھا، بنی سلیم کے صدقات اکٹھے کرنے پر عامل مقرر کیا۔ جب وہ صدقات وصول کر کے واپس آیا تو اس نے کہا کہ یہ تو آپ کا مال ہے اور یہ میرا مال ہے۔ مجھے یہ ہدیہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

"جن عاملوں کو میں بھیجتا ہوں ان کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ کہتے ہیں: یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ یہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا، پھر ہم دیکھتے کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، تم میں سے جو شخص بھی صدقات (اموال مسلمین) میں سے کوئی چیز لے گا، قیامت کے روز جب وہ آئے گا تو وہ شے اس کی گردن پر سوار ہو گی، اونٹ بڑبڑا رہا ہو گا، گائے بول رہی ہو گی، بکری ممیا رہی ہو گی، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، پھر دو مرتبہ فرمایا: "اے اللہ! کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔" (مسلم: 3/1463، بخاری، رقم: 2597، مع اختلاف فی اللفظ)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارے ہدیے جو ابن اللتبیہ لایا تھا، بیت المال میں جمع کروا دیئے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی منصب کا عامل بنایا اور اس نے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز ہم سے چھپالی تو یہ خیانت ہے جس کو قیامت کے دن لے کر آئے گا۔ انصار میں سے ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ! اپنے دیئے ہوئے منصب کو مجھ سے واپس لے لیجئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا ہوا؟" اس نے کہا: "میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، میں اب بھی یہی کہتا ہوں، ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی عہدہ کا عامل بنایا اس کو چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے، اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ سخت گناہ ہے، اور فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار اونٹ بڑبڑا رہا ہو۔ وہ شخص کہے گا: "یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے، میں کہوں گا: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ میں تجھ کو تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک کو قیامت کے روز اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار گھوڑا ہنہنا رہا ہو۔ وہ کہے گا: "یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے، میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔" اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے روز اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار بکری ممیا رہی ہو۔ وہ کہے گا: "یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے، میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ میں تجھے اللہ کا حکم پہنچا چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے قیامت کے روز کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار انسان چیخ رہا ہو۔ وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے، میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے اللہ کے احکام پہنچا چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونا اور چاندی ہو، وہ کہے

گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے۔ میں کہوں گا: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے اللہ کے احکام پہنچا چکا ہوں۔" (مسلم: 1461/3، بخاری: 432/1، مسند احمد: 426/2)

ایک اور حدیث میں سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ھدایا العمال غلول) (مسند احمد: 495/5)

"عاملوں (حاکموں) کا ہدیہ خیانت ہے۔"

پاکستان میں دفاتر میں کام کرنے والے لوگ اکثر و بیشتر دفاتر کی اسٹیشنری کا سامان اپنے ذاتی استعمال کے لیے گھر لے آتے ہیں یا جیسے گورنمنٹ کے ورکشاپ میں کام کرنے والے لوگ اپنی ذاتی استعمال کے لیے مختلف چیزیں ورکشاپ سے بنا کر لے آتے ہیں یا بعض دینی مدارس کے مہتمم مدرسہ کے تمام اموال اور گاڑیوں کو بے دھڑک اپنے ذاتی استعمال میں لاتے ہیں، یہ تمام امور خیانت میں شمار ہوتے ہیں۔

سود:

احتکار کی سب سے ملعون قسم سودی لین دین ہے۔ یہ تمام اقتصادی اور معاشی نظام کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ کروڑوں انسانوں کو مفلس اور نان شبینہ کا محتاج بنا کر دولت کا سمٹاؤ ایک مخصوص طبقہ کی طرف کر دیتا ہے۔ سود سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم اور مضبوط ستون ہے اور اس نظام کی عمارت کا زیادہ انحصار اسی پر ہے۔

سود کے جرم کے گھناؤنے پن کی وجہ سے قرآن حکیم نے انتہائی سخت لہجوں میں سود خوری کی سزاؤں کا اعلان کیا ہے۔ سزائیں بھی شدید کہ بڑے سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں بھی سزاؤں کی اتنی شدت قرآن حکیم میں نہیں ملتی۔ شیطانی آسیب زدوں کی شکل میں سود خور اٹھے گا۔ تکثیر دولت کی تمام کوششوں کو اس کی قدرت برباد کر کے رکھ دے گی، جہنم میں اسے ابدی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا، اور آخر میں قرآن نے اعلان کر دیا کہ جو شخص سود خوری سے رکنے اور توبہ کرنے پر آمادہ نہیں ہے، چاہیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اعلان جنگ دے دے۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی جرم پر خواہ وہ انسان کی زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہو، قرآن حکیم میں اتنی سزاؤں کی دھمکی نہیں دی گئی ہے۔ قرآن حکیم نے سود کے بارے میں بڑے صریح اور واضح الفاظ میں نہایت سخت اور قطعی احکام صادر فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو، پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارا حق ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے۔"

(بقرہ: 279) اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم نے اس باغیانہ روش سے توبہ نہ کی تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس کی نوعیت بالکل ایک الٹی میٹم کی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی نظام میں سودی کاروبار ایک سنگین فوجداری جرم ہے۔ اگرچہ یہ ایک فرد کا عمل ہے لیکن اگر یہ کام ایک جماعت کرے تو اس کی حیثیت باغیوں اور مفسدوں کی ہے جن کی سرکوبی کے لیے عند الضرورت فوجی کاروائی بھی کی جا سکتی ہے۔ حکم کی اس سنگینی اور قرآن کے اس الٹی میٹم سے اصل مقصد سرمایہ دارانہ اخلاق، سرمایہ دارانہ

ذہنیت، سرمایہ دارانہ تمدن اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا بھی استیصال کر کے وہ نظام قائم کرنا تھا جس میں بخل کے بجائے فیاضی، خود غرضی کے بجائے ہمدردی اور باہمی تعاون ہو، سود کے بجائے صدقات، بنک کے بجائے بیت المال ہو، اور سود کی ہر نوع اور قسم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے خواہ وہ ذاتی ضرورت کے قرضہ پر لیا جائے یا نفع آور کاروبار میں لگانے والے قرضہ پر ہو یا اس قرض پر لیا جائے جو حکومت شہریوں سے لیتی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: "نہ تمہیں ظلم کرنا ہے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا یعنی جو پہلے تم سود لے چکے ہو اسے اگر تمہارے اصل مال میں شمار کر لیں اور اس میں سے کاٹ لیں تو تم پر ظلم ہو گا، اور ممانعت کے بعد کا سود چڑھا ہوا اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے۔"

احادیث نبویہ میں بھی سودی کاروبار کے بارے میں نہایت سختی سے ممانعت کی گئی ہے جن میں سے چند ایک احادیث حسب ذیل ہیں: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کی دستاویز لکھنے والے اور سود کے معاملہ کی گواہی دینے والے، ان سب پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب معصیت کے ارتکاب میں برابر ہیں۔ (مسلم، رقم: 3981، ابن ماجہ: 2277، ابن حبان: 11/399، سنن الدارمی: 2/246، سنن کبریٰ بیہقی: 5/275، مسند ابی داؤد طیالسی: 45، مسند احمد: 1/393)

ایک اور حدیث سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے 36 بار زنا کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کوئی شخص ایسا نہیں ہو گا جو سود نہ کھائے گا، اور اگر کوئی سود نہ کھائے گا تو اس کو اس کا غبار ضرور پہنچے گا۔" (ابن ماجہ، رقم: 2278، ابو داؤد فی الاجارات، سنن کبریٰ بیہقی: 5/275، شرح السنہ بغوی: 8/55، مستدرک حاکم: 2/11، مسند احمد: 2/294، مسند ابی یعلی موصلی: 11/105، تہذیب الکمال: 10/416)

احتکار:

احتکار کا مطلب یہ ہے کہ دولت سمٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محدود و محصور ہو کر رہ جائے۔ اسلام نے احتکار کی سخت مذمت کی ہے کیونکہ اسلام کے معاشی نظام میں یہ بات ہرگز برداشت نہیں کی جا سکتی کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے۔ اس کے اثرات معاشرہ پر نہایت برے پڑتے ہیں۔ جس طرح خون تمام جسم میں جب تک دورہ نہ کرے اس وقت تک جسم صحیح طور پر تندرست نہیں رہ سکتا، اسی طرح جب تک دولت تمام معاشرہ میں گردش نہ کرے اور ہر شخص کی جیب تک پیسہ نہ جائے معاشرہ صحیح طور پر درست نہیں رہ سکتا۔ سرمایہ داری کے اس کافرانہ نظام میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔

پیدائش دولت کے باب میں رزق حلال کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں جو لوگ زیادہ سرمایہ دار ہوتے ہیں ان کی پیدائش دولت کے طریقے اکثر و بیشتر ناجائز اور حرام ہوتے ہیں۔ رزق حلال کی جدوجہد ذاتی اغراض کے ٹکراؤ سے معاشرہ کو محفوظ کر دیتی ہے اور انسانی توانائیاں مثبت اور مفید تعمیری کاموں پر مرکوز ہو جاتی ہیں جس سے دولت کی پیدائش کا عمل تیز اور مفاسد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ معاشرہ کے تمام

افراد کو اپنی صلاحتیں بیکار چھوڑنے کے بجائے مفید پیداواری کاموں میں صرف کرنی چاہئیں۔ گداگری اور طفیلی پن کی ہر شکل معاشرہ کے توازن کو خراب کر دیتی ہے۔

اسلام نے اکتساب مال کے ایسے تمام ذرائع کی سختی سے ممانعت کر دی ہے، چنانچہ منشیات، سود، جوا، رشوت، لاٹری، چوری، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹ، فحش اور مخرب اخلاق اشیاء کی پیدائش اور فروخت، قحبہ گری، عفت فروشی، رقص و سرود، کلب اور اس طرح کی دیگر اشیاء کی سرگرمیوں کے ذریعہ روزی کمانا اور ان کی خرید و فروخت اور ان کی پیدائش میں کسی قسم کی معاونت کو حرام اور ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے لاتعداد اور ان گنت معاشی، اقتصادی، معاشرتی، سماجی اور اخلاقی مفاسد جنم لیتے ہیں، اور معاشرہ کے حسن اور اس کے سکون کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی نظام معیشت میں ضرر اور غرر، اکراہ اور بیگار اور اس قسم کے دیگر ذرائع آمدنی کی بھی ممانعت کر دی گئی، کیونکہ اس سے نہ صرف انسانی عظمت پر دھبہ لگتا ہے بلکہ معاشی سرگرمیوں کا توازن بھی یک قلم بگڑ جاتا ہے۔ جب دولت کی پیدائش پر اس قدر پابندیاں اور قدغنیں ہوں تو یقین جانئے نہ تو اس زمانہ میں کوئی شخص کروڑ پتی اور ارب پتی ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی غریب ایسی غربت کی زندگی بسر کر سکتا ہے جس میں اس کو اپنی غربت کا احساس ہو۔

اسلام نے اسراف و تبذیر کی مذمت کے ساتھ ساتھ بخل اور شح کی بھی مذمت کی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب و سزا کی سخت وعید بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ (نساء: 37)

"جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں، اور جو شے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" اسلام نے وہ ساری چیزیں اپنی تعلیمات میں بیان فرمادیں جن سے احتکار کا قلع قمع ہوتا ہے اور دولت سمٹ کر ایک طبقہ میں یا چند ہاتھوں میں محصور و محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ پورے معاشرہ میں گردش کرتی ہے اور ہر شخص اس سے مستفید ہوتا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سرمایہ داروں کو احتکار سے روکا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(لا يحتكر الا خاطي) (ابو داؤد: 132/2، ابن ماجه، رقم: 2154)

"احتکار کرنے والا گنہگار اور خطاکار ہے۔"

(والحدیث اخرجہ ایضاً مسلم فی المساقاۃ والترمذی فی البیوع، وابن حبان: 11/308، وابن ابی شیبہ: 6/102، والبیہقی فی السنن الکبریٰ: 6/29، والبغوی فی شرح السنہ: 8/179، والحاکم فی المستدرک: 2/47، مصنف عبد الرزاق: 8/203، مسند احمد: 3/452، مسند الدارمی: 2/248)
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک احتکار صرف غذائی اشیاء میں ہے۔

(ملاحظہ ہو المغنی لابن قدامہ: 4/244، نووی شرح مسلم: 11/43)

لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک احتکار کی حرمت صرف غذائی اشیاء میں نہیں ہے بلکہ ہر وہ شے جس سے عامۃ الناس کو ضرر پہنچے اس کا چند ہاتھوں میں سمٹ جانا اور اس کا روک رکھنا احتکار اور حرام ہے۔(ردالمختار: 5/282)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتکار کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا: (المحتکر ملعون) (ابن ماجہ: 2153، مسند الدارمی: 2/165، کامل ابن عدی: 5/1847، نصب الرایہ: 4/261، کنز العمال: 4/97)

"احتکار کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار۔"

ابن ماجہ ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"جو شخص احتکار کا جرم کرے اور مسلمانوں پر کھانے کی اشیاء کو روک دے اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور افلاس میں مبتلا کرے۔"

(رواہ احمد فی مسندہ: 1/21، ابن ماجہ، رقم: 2155، اخرجہ البیہقی فی دلائل النبوۃ: 5/245، کنز العمال: 4/97)

قمار:

جوا جسے آج کل کی اصطلاح میں سٹہ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی احتکار ہی کی ایک جزئی ہے۔ سٹہ سے مراد جوئے کی وہ عام شکل نہیں جو مال سے کھیلا جاتا ہے بلکہ اس میں جوئے کی وہ تمام صورتیں داخل ہیں جو موجودہ زمانہ میں تجارت کے نام پر کھیلی جاتی ہیں۔ اس کو تجارتی جوا کہتے ہیں۔ اسلام میں ہر قسم کا جوا خواہ وہ تجارتی ہو یا غیر تجارتی، اسلام میں حرام ہے۔ یہ تجارتی جوا ملک کے معاشی نظام کو تباہ کرتا ہے جب کہ غیر تجارتی جوا گھروں اور خاندانوں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

سٹہ کیا ہے؟ سٹہ دراصل بیع قبل القبض کا نام ہے یعنی جو چیز قبضہ میں نہیں ہے اس کی خرید و فروخت کرنا۔ اسلام نے اس قسم کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اناج خریدے وہ قبضہ سے قبل اس کو فروخت نہ کرے۔" (مسلم، رقم: 3732)

سٹہ کا یہ کام قمار ہوتا ہے، اور قمار کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾) (مائدہ: 90)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں شیطانی کاموں میں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔"

اس آیت میں جوئے کو بھی شراب کی طرح حرام قرار دیا گیا ہے۔ جوا کی تعریف یہ ہے کہ وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی، قمار اور میسر کہلاتی ہے۔ (التعریفات، میر سید شریف جرجانی: ص 77)

یہی تعریف دوسرے لوگوں نے بھی کی ہے۔ قمار قمر سے ماخوذ ہے۔ اور قمر کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو شرط کے ساتھ جائز سمجھتا ہے، یہ نص قرآن سے حرام ہے۔ اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو یہ جائز ہے۔ (ردالمختار: 5/258) اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ جوئے سے ایک فریق کو بغیر کسی محنت اور عمل کے بہت فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق ناگہانی طور پر بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں، اور بسا اوقات یہ دشمنی قتل اور خون ریزی کی طرف پہنچاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ شراب اور جوئے میں شخصی اور اجتماعی اور دینی اور دنیاوی بہت سی خرابیاں ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں یورپ نے اسلام کے قانون سے باغی ہو کر اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کیا ہے اور کر رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات قمار بازی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے اکیلے انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔ یہ تخمینہ یورپ کے

صرف ایک ملک اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق ہے اور وہ بھی جنگ عظیم سے قبل کا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لیے مطلق کوئی گنجائش نہیں جو صریح قمار اور جوا ہوں یا ان کی تہ میں مالی بڑھوتری کا وہی جذبہ کارفرما ہو جو قمار میں پایا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں ہر قسم کی لاٹری بھی قمار میں داخل ہے جس کی کئی صورتیں بازاروں میں رائج ہیں۔ آج کل وبا کی طرح قمار کی ایک صورت معمول کی شکل میں عام ہو گئی ہے۔ بعض شہروں میں بچے اخروٹ اور کانچ کی گولیاں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں اور اس پر شرطیں لگاتے ہیں۔ یہ بھی قمار وغیرہ میں داخل ہے۔ آج کل تو کرکٹ اور دوسرے کھیلوں پر بھی شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ یہ سب حرام ہیں اور اس میں کسی قسم کی اعانت بھی حرام ہے۔

لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا:

قرآن حکیم نے ایک ایسی اصطلاح استعمال کی ہے کہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا، اس کی رو سے ہر وہ مال لینے والے کے لیے ناجائز اور حرام ہے جو دوسرے سے غلط اور باطل طریق سے لیا جائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (بقرہ: 188)

"اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق کھاؤ اور نہ (بہ طور رشوت) وہ مال حاکموں کو دو تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ۔" اس بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیبة نفس منه)

(رواہ احمد: 5/72، تفسیر قرطبی: 12/314، مجمع الزوائد: 4/218)

"کسی مسلمان کا مال دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے مگر طیب نفس اور رضامندی کے ساتھ۔"

لہٰذا جو مال دوسرا شخص خوش دلی اور رضامندی سے نہ دے وہ جائز نہیں ہے۔

خرید و فروخت میں جھوٹ بولنا:

اسلام میں تجارت اسلامی نظام معیشت کا جزو اعظم ہے۔ اس وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ:

"اس دنیا میں تجارت تمام معاشی اعمال میں سب سے بڑا وسیلہ معاش ہے اور تمدن وحضارت کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے۔"

اس وجہ سے اسلام نے تجارت کی بڑی ترغیب دی کیونکہ اقتصادی اور معاشی ترقی کا راز سب سے زیادہ تجارت ہی میں مضمر ہے۔ چنانچہ اسلام میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مال اور املاک کو مزید نفع کمانے اور اس طرح اپنی ملکیت اور مال میں اضافہ کرنے کے لیے استعمال کرے۔ وہ اپنے مال سے خود تجارت کر سکتا ہے اور دوسرے کاروباری شخص کے واسطے سے بھی اپنا منشاء پورا کر سکتا ہے۔

لیکن اس نے مال کمانے پر یہ قدغن لگادی کہ "اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔ (النساء:)

اس آیت میں ایک لفظ "بالباطل" فرما کر تمام ناجائز طریقوں سے حاصل کیے ہوئے مال کو حرام قرار دے دیا۔ ان ناجائز طریقوں کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ آیت کے پہلے جملہ میں ناحق اور ناجائز طریقوں سے کسی کے مال میں تصرف کرنے کو حرام قرار دیا گیا۔ دوسرے جملہ میں جائز طریقوں کو حرمت سے مستثنیٰ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: "إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ "یعنی دوسروں کا وہ مال حرام نہیں جو بذریعہ تجارت باہمی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو۔ چنانچہ تجارت کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، اور سچے اور امانت دار تاجر کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ قیامت کے روز نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ ایک اور حدیث میں جو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سب سے زیادہ پاک کمائی تاجروں کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں، اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں اور جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں، اور جب کوئی سامان کسی سے خریدیں تو (تاجروں کی عادت کے مطابق) اس سامان کو برا اور خراب نہ بتائیں، اور جب اپنا سامان فروخت کریں تو واقعہ کے خلاف اس کی تعریف نہ کریں، اور جب ان کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو اس کو ٹالیں نہیں، اور جب ان کا قرض کسی کے ذمہ ہو تو اس کو تنگ نہ کریں۔" (حاشیہ تفسیر مظہری)

اسلام نے تجارت کے لیے کچھ بنیادی اصول رکھے ہیں جو کاروبار کی صحت اور درستی کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

1۔ تجارت کا جواز چونکہ باہمی تعاون پر مبنی ہے لہٰذا تجارت کے تمام معاملات میں جانبین سے تعاون کا وجود ضروری ہے یعنی یہ نہ ہونا چاہیے کہ ایک فریق کی طرف سے تعاون ہو اور دوسرے کی طرف سے تعاون نہ ہو۔

2۔ تجارت میں جانبین سے حقیقی رضا کا وجود ضروری ہے، اضطراری رضا معتبر نہیں کیونکہ قرآن نے باہمی رضامندی کی شرط لگائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

(نهي رسول الله صلي الله عليه وسلم عن بيع المضطر)

(ابو داؤد، کتاب البیوع)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردستی اور جبر کی بیع سے منع فرمایا۔"

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جبری اور اضطراری رضا کو اسلامی نقطہ نظر سے غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اس لیے کہ "مفلس" مضطر اور مجبور ہوتا ہے کہ جس شے کے پورا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس کو اپنی بے چارگی کی وجہ سے اپنے ذمہ واجب کر لیتا ہے، اور یہ رضا ہرگز حقیقی رضا نہیں ہے۔ پس سود جیسا معاملہ ناپسندیدہ معاملات میں سے ہے اور نہ کاروبار کے صالح اور درست معاملات میں سے ہے، اور بلاشک وشبہ یہ معاملہ باطل اور ظلم ہے۔ (وانما هو باطل و سحت) (حجۃ اللہ البالغہ: 2/103)

3۔ ایک اور بنیادی اصول اسلام نے تجارت کا یہ رکھا ہے کہ نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ کسی کو نقصان پہچانا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "لاضرر ولا ضرار" ان اصولوں کی روشنی میں اسلام نے کئی قسم کی خرید وفروخت کو جائز قرار نہیں دیا جیسے بیع ملامسہ، بیع منابذہ، دھوکہ کی بیع، بیع پر بیع کرنا، بیع بخش، تلقی جلب کی ممانعت، قبضہ سے قبل کسی چیز کی فروخت، مجہول ڈھیر کی بیع، ظہور صلاحیت سے قبل درختوں پر پھلوں کی بیع، ہنڈی کی بیع، حرام چیزوں کی خرید وفروخت جیسے کتے کی بیع، شراب، خنزیر اور بتوں اور تصاویر کی خرید وفروخت وغیرہ۔

3۔ اپنی ملکیت میں تصرف کا طریقہ:

اسلام نے اپنے حق ملکیت میں تصرف کرنے پر بھی کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، ان پابندیوں میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

اسراف و تبذیر:

اگرچہ ہمارا مال ہماری ملکیت ہے لیکن اسلام نے اس کے خرچ کرنے پر دو پابندیاں لگائیں۔ ایک اسراف کی اور دوسری تبذیر کی۔ اسراف نام ہے ضروریات کی تکمیل کے لیے مقدار یا معیار کے اعتبار سے زائد از ضرورت مال صرف کرنے کا۔ سہولت، آرام اور زیب وزینت کے لیے مال

صرف کرنا اسراف نہیں ہے بشرطیکہ اعتدال ملحوظ رکھا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: "کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (اعراف: 31)

ایک اور مقام پر فرمایا کہ "اللہ کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔" (الفرقان: 27)

قرآن حکیم نے اپنی جائز اور حلال کمائی کو خرچ کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیا۔ ایک "اسراف" اور دوسری "تبذیر۔" علامہ مادردی نے "اسراف" اور "تبذیر" کے باہمی فرق کو یوں بیان کیا ہے: "کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا "اسراف" ہے، اور یہ ثبوت ہے اس عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں، اور کیفیت یعنی مواقع صرف میں حد سے تجاوز کا نام "تبذیر" ہے، اور یہ شہادت ہے ان موانع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں۔" (روح المعانی: 15/59)

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک لوگ ایسے مکان نہ بنانے لگیں جن کو وہ منقش کپڑوں کی مثل (آراستہ) کریں گے۔" (الادب المفرد، بخاری: ص67) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں گورنروں کو ایک خط لکھا تھا:

(ان لا تطیلوا بنائکم فانه من شر ایامکم) (الادب المفرد: 66)

"بلند و بالا عمارتیں نہ بناؤ کیونکہ یہ طرز زندگی بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔"

معلوم ہوا کہ اسراف کی ممانعت کا مقصد انسان کو صرفِ مال میں ایک معتدل اور متوازن زندگی پر قائم رکھنا ہے۔ اسراف کے تین مختلف پہلو ہیں۔

1۔ مقدار یا وصف کے اعتبار سے حد اعتدال سے تجاوز

2۔ اہم ترین ضروریات کو نظر انداز کر کے غیر اہم امور پر مال خرچ کرنا

3۔ اجتماع کے عام معاشی حالات کے لحاظ سے فضول اخراجات۔ اسلام میں اسراف کی ان تینوں قسموں کی ممانعت کر دی گئی۔ اسلام اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے، مثلاً عام حالات میں خرچ آمدنی سے بڑھنا نہیں چاہیے۔ چنانچہ ارشاد نبوت ہے:

(الاقتصاد في النفقه نصف المعيشة)

(کنز العمال عن ابن عمر، مجمع الزوائد: 1/216)

"(آمدہ صرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوش گواری کا نصف حصہ ہے۔"

اسی طرح اسلام نے عیش کوشی سے بھی منع فرمایا۔ گویا اسلام نے انسان کو حق ملکیت دینے کے ساتھ اس پر عیش کوشی کی پابندی لگادی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

(ایاك والتنعم! فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين)

(مسند احمد: 5/243)

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنائیں۔"

بات دراصل یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں میں انہماک ایک انسان کو آخرت کی زندگی سے غافل اور اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے بے پروا بنا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے عیش کوش آدمی اپنی دولت کو مقاصد زندگی میں خرچ نہیں کرتا بلکہ ادھر ادھر خرچ کر کے ضائع کر دیتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ریشم و دیباج کے کپڑے نہ پہنو، سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو، نہ ان سے بنے ہوئے بڑے پیالوں میں کھانا کھاؤ، یہ سب دنیا کی زندگی میں ان دنیا پرستوں کے لیے ہے۔" (رواہ مسلم والبخاری وابوداؤد والترمذی)

یہ عیش کوشی کی زندگی تبذیر میں آتی ہے جس کے بارے میں قرآن کا فیصلہ ہے کہ "تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔" (بنی اسرائیل: 27)

(2) شح (بخل):

جس طرح اسلام نے اسراف و تبذیر کی ممانعت فرمائی اسی طرح مسلمان کو بخل اور شح سے سختی سے روکا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

(وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿﴾) (تغابن: 16)

"اور جو اپنے نفس کے بخل اور حرص سے بچالیا گیا، پس وہی کامیاب ہے۔"

بخل اور شح کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے، تاہم بعض حضرات کہتے ہیں کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا بخل ہے، اور لوگوں کے مال کو ناجائز طریقے سے ہڑپ کر جانا شح ہے، اور یہ بخل سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے مال میں سے زکوۃ ادا کرتا ہے اور حسب ضرورت صدقہ و خیرات کرتا ہے، اور مال حاصل کرنے کے لیے ناجائز حربے اور ذرائع اختیار نہیں کرتا ہے وہ گویا شح نفس سے بچالیا گیا جو اس کے عند اللہ کامیاب ہونے کی دلیل ہے، اور اس کے برعکس رویہ بخل اور شح ہے جو انسان کی تباہی و بربادی کی علامت ہے۔ عصمنا الله منه

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اس سلسلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ظلم کرنے سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کے اندھیروں کا باعث ہو گا۔

(واتقوا الشح، فان الشح اهلك من كان قبلكم، حملهم علىٰ ان سفكوا دماءهم واستحلوا محارمهم) (مسلم، رقم: 2578)

"اور شح (بخل اور حرص) سے بچو، اس لیے کہ اسی شح نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اس شح نے ہی انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپس میں خون ریزی کریں اور حرام کردہ چیزوں کو انہوں نے حلال کر لیا۔"

(3) اضاعۃ المال:

اسلام نے جہاں فرد کو ملکیت کا حق دیا وہاں اسے اپنی ملکیت کو ضائع کرنے کی بھی ممانعت فرما دی کیونکہ مالک حقیقی تو حق تعالیٰ ہیں، اور یہ مال انسان کے پاس ان کی امانت ہے، اور ایک امین کو امانت میں خیانت کا کوئی حق نہیں۔ قرآن حکیم میں مال کے ضائع کرنے کو فساد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں اس لیے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ و برباد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (بقرہ: 205)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور دوسرے کئی حضرات نے "تولیٰ" کا مطلب حکومت اور اقتدار کیا ہے اس معنی سے مطلب یہ ہو گا کہ جب اس کو ملک میں اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ اس بات کی سعی و کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے (یعنی فیملی پلاننگ کرے)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت سے فرمایا کہ "مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔" (الادب المفرد: 25)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ تین چیزوں کو تمہارے لیے پسند فرماتے ہیں اور تین چیزوں کو ناپسند۔ پس جن تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ تم صرف اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور تم اللہ کی رسی کو مضبوط سے پکڑو اور تشتت و افتراق کا شکار نہ ہو جاؤ، اور تمہاری جن تین چیزوں کو ناپسند فرماتے ہیں وہ یہ ہیں:

(قيل و قال، وكثرة السوال، واضاعة المال) (مسلم، رقم: 1715)

"قیل و قال کرنا، زیادہ سوال کرنا اور مال کو ضائع کرنا۔"

محدثین نے مال کو ضائع کرنے کا مطلب یہ لکھا ہے:

"اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور بے جا تلف کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا کرنے کے مترادف ہے، اور حق تعالیٰ شانہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کر دے گا تو پھر وہ کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔" (نووی شرح مسلم) قرآن حکیم میں ہے:

"تمہارے مال جن کو اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا۔" (النساء: 4)

معلوم ہوا کہ مال ایک نہایت مفید شے ہے۔ اس سے بہت سے دینی کام ہو سکتے ہیں۔ مفید اشیاء کو ضائع اور تلف کرنا انسانیت کا مشترکہ نقصان ہے، لہٰذا مال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا۔

اسلام کے بالمقابل سرمایہ دارانہ نظام میں ملکیت کا مطلق تصور دیا گیا جو حدود و قیود سے نا آشنا ہے لیکن اسلام میں جو تصور ملکیت ہے وہ محدود اور مقید ہے۔ اس میں مثال کو ضائع اور تلف کرنے کی مطلق اجازت نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو حکومت وقت سے بھی پرسش ہو گی اور روز قیامت بھی مواخذہ ہو گا۔ جن ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے، وہاں اموال تجارت اور صنعتی اور زرعی پیداوار کو بجائے غرباء اور فقراء کو دینے یا انہیں سستا فروخت کرنے سے منع کرتے ہیں تاکہ مجموعی منافع میں اضافہ ہو جائے۔ اسلام میں اس طرح مال کو ضائع کرنے سے روکا گیا۔

(4) دوسروں کو ضرر اور نقصان دینا:

اسلام نے انفرادی ملکیت پر یہ قدغن لگا دی کہ اس سے دوسروں کو ضرر نہ پہنچے۔ چنانچہ کسی مالک کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں اس قسم کا تصرف کرے جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے یا ان پر کسی قسم کی زیادتی ہو، بلکہ اسلام تو ایسی ملکیت مالک سے چھیننے کا بھی حق رکھتا ہے جس سے مفاد عامہ کو ضرر اور نقصان پہنچے، چنانچہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ کیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ انصار کے ایک شخص کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا درخت تھا۔ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اکثر و بیشتر اس باغ میں جاتے جس سے باغ کے مالک کو بڑی اذیت اٹھانی پڑتی۔ باغ والے نے اس بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ تم یہ درخت باغ کے مالک کے ہاتھ فروخت کر دو۔ انہوں نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم اس کو کہیں اور منتقل کر دو۔ انہوں نے اس بات سے بھی انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترغیب کے طور پر فرمایا کہ اس طرح تمہیں اور اس کو بہت فائدہ ہو گا لیکن سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ تو اس باغ والے کے نقصان کا باعث ہے۔ آپ نے انصاری سے کہا: "جا کر اس کا درخت جڑ سے اکھاڑ دو۔" (رواہ ابو داؤد، رقم: 3636)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ضحاک بن خلیفہ انصاری کا ہے۔ ان کی زمین میں پانی سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے باغ سے ہو کر جاتا تھا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باغ کے راستہ سے اس پانی کے جانے کو روک دیا۔ سیدنا ضحاک نے اس بارے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ انہوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ تم اپنے باغ میں سے پانی گزرنے کی اجازت دے دو؟ انہوں نے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اس کے پانی گزرنے کی تم نے اجازت نہ دی تو میں تیرے پیٹ کے اوپر سے اس کو گزاروں گا۔ (مؤطا امام مالک)

پڑوسی کے لیے حق شفعہ:

اسلام میں پڑوسی کا بڑا حق رکھا گیا ہے۔(النساء: 36) اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

(مازال جبريل يوصيني بالجار حتي ظننت انه سيورثه) (بخاری، رقم: 6014، مسلم: 2624)

"مجھے جبرئیل برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں یہ گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا مستحق قرار دے دیں گے۔"

اور سیدنا امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ اس حالت میں میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: "لوگو! میں تمہیں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اتنی بار فرمایا اور اتنا زور دے کر فرمایا کہ میں سمجھنے لگا کہ آپ اسے وراثت میں حق دار قرار دے دیں گے۔

(ترمذی، رقم: 1943، ابوداؤد، رقم: 5252، مسند احمد: 5/267)

پڑوسی کے اور بھی بہت سے حقوق ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا، انہی حقوق میں سے ایک حق شفعہ ہے۔ اسلام نے پڑوسی کی ملکیت پر یہ قید لگا دی کہ اگر وہ اپنی کسی ملکیت کو فروخت کرے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے پڑوسی سے پوچھے۔ اگر اس نے پڑوسی کو فروخت سے قبل نہیں پوچھا تو شریعت نے پڑوسی کو شفعہ کا حق دیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (الجار احق بسقبہ) (بخاری: 2258) "کیونکہ پڑوسی قریب ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ حق دار ہے۔"

مصلحت عامہ کے تحت بعض ملکیت ختم کی جاسکتی ہے:

اسلام یہ چاہتا ہے کہ زمینیں آباد ہوں اور مخلوق خدا کو رزق کی کوئی تنگی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام دنیا میں جاگیرداری اور زمین داری کا نظام رائج تھا۔ اس نظام کی وجہ سے زمین زمینداروں اور جاگیرداروں کے ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ گئی اور کاشت کاروں اور ہاریوں کا طبقہ جبر و تحکم اور تشدد و استبداد کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہر قسم کے وحشیانہ مظالم برداشت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس طبقہ کو زمین چھوڑ کر نہ دوسرا پیشہ تبدیل کرنے کا اختیار تھا اور نہ اپنے آقا سے سرخروئی کی امید۔

جبر و استبداد کی اس فضا میں اسلام ایک عالم گیر انقلاب کی شکل میں امانت و عدالت، افادیت و رحمت، اخوت و مساوات اور ایثار و قربانی کا پیغام لے کر "وادی غیر ذی زرع" میں نمودار ہوا، اور کچھ ہی عرصہ کے بعد اس نے دنیا کی زہریلی ہواؤں کو نسیم سحر کے جھونکوں میں تبدیل کر دیا اور ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس میں نہ تو ملکیت کی آڑ میں جور و استبداد کی گنجائش باقی رہ گئی اور نہ روٹی کی خاطر انسان غیر اللہ کی غلامی پر مجبور رہا۔

اسلام میں جاگیریں تو ملتی ہیں جو لوگوں کو مفاد عامہ کے پیش نظر اسلامی ریاست کی طرف سے دی جاتی ہیں جن کو عربی میں "قطائع" کہتے ہیں، لیکن جاگیر داری نظام کو یک قلم ختم کیا کیونکہ جو جاگیریں اسلامی ریاست کی طرف سے دی جاتیں، ان کے انتظام کی دو صورتیں رائج تھیں:

(1) کسی کو کاشت کے لیے زمین دی جاتی تھی اور وہ خود اس پر کاشت کرتا تھا۔

(2) اگر مفاد عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہونے کی بنا پر وہ خود کاشت نہ کر سکتا تو دوسرے کے ذریعہ سے کاشت کراتا تھا، اور آمدنی یا پیداوار میں دونوں شریک ہوتے تھے۔

اسلامی ریاست میں کبھی تو اس جاگیر کی یہ صورت ہوتی کہ صرف زمین کی منفعت کا مالک بنایا جاتا اور ذات زمین پر کسی قسم کے تصرف بیع، ہبہ وغیرہ کا اختیار نہ ہوتا تھا، اور کبھی زمین اور اس کی منفعت دونوں کا مالک بنا دیا جاتا۔ اس صورت میں ہر قسم کے تصرفات جیسے بیع اور ہبہ وغیرہ کے اختیارات بھی اس کو حاصل ہوتے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں مفاد عامہ کا نظریہ مضمر ہوتا، اور وہ نظریہ اکثر و بیشتر بنجر زمین کے احیاء کا ہوتا، لیکن اس میں گورنمنٹ کا ٹیکس ضرور لیا جاتا۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الاقطاع اعطاء الارض للاحیاء سواء وجب فیه العشر او الخراج) (فیض الباری: 308/3)

"اقطاع کسی کو آبادکاری کے لیے زمین دینا خواہ اس میں عشر واجب ہو یا خراج۔"

اجتماعی مفاد کے لیے خلیفہ کے اختیارات بہ نسبت دوسری زمینوں کے "قطائع" پر زیادہ ہوتے تھے۔ چنانچہ انہی اختیارات کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے بعض قطائع کو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واپس لے لیا تھا، اور اس واپسی پر مفاد عامہ کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارفرمانہ تھا۔ جس طرح رسول اللہ نے مفاد عامہ کی خاطر "جاگیر" دی تھی اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مفاد عامہ کے پیش نظر واپس لے لیا تھا۔ گویا کہ جاگیر دینے اور اس کے لینے دونوں میں مفاد عامہ کی روح کارفرما تھی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ کو پوری وادی عتیق جاگیر میں دے دی لیکن وہ اس کا بڑا حصہ آباد نہ کر سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ زمین اس لیے نہ دی تھی کہ نہ خود اس کو آباد کریں اور نہ کسی دوسرے کو آباد کرنے دیں، لہٰذا جتنی زمین آپ آباد کر سکتے ہیں اتنی اپنے آپ رکھیں اور بقیہ ریاست کو واپس کر دیں۔

بات صاف تھی اور مفاد عامہ کے حق میں تھی لیکن یہ سن کر سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی زمین کبھی واپس نہیں کرو گا خواہ میں اس کو آباد کروں یا نہ کروں۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی پر بہت اصرار کیا اور بالآخر آباد شدہ حصہ چھوڑ کر بقیہ تمام زمین واپس لے لی۔

(کتاب الاموال: ص290، کتاب الخراج لابی یعلی: 93)

ایسے ہی اور کئی واقعات کتابوں میں ملتے ہیں کہ ایک شخص کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعہ زمین دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔ (کتاب الخراج لابی یعلی موصلی: 78)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتیں اور تقاضے

لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس کلمہ کا معنی و مفہوم اچھی طرح سمجھے اور حقوق اللہ اور حقوقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرے، اور پھر اعتقادی، قولی اور عملی طور پر انھیں ادا بھی کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت یہ نہیں کہ تحفظِ ناموسِ رسالت کے نام پر جلوس نکالا بھڑ گئے، بے قابو ہو گئے، پھر اپنے ہی ملکوں اور اپنے ہی لوگوں کی بند دوکانوں پر سنگباری کی، گاڑیاں نذر آتش کر دیں یا ان کے شیشے توڑ دیے، سرکاری و نجی اَملاک برباد کر دیں، نعرے بازی کر دی، امن و امان بحال رکھنے میں کوشاں پولیس پر پتھراؤ کر دیا اور سمجھ لیا کہ ہم نے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تحفظِ ناموسِ رسالت کا حق ادا کر دیا ہے۔

حقیقی حب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ علامتیں ہیں اور پھر ان علامتوں کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ مطالبے اور تقاضے بھی ہیں جنہیں پورا کیے بغیر وہ محبت صادق ثابت نہیں ہو گی۔

علاماتِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ تعالیٰ نے بعض علامتیں مقرر فرمائی ہیں جن کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے میں کہاں تک سچا ہے اور اس کے دعوے کی دلیل کیا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

{ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ } [البقرۃ: ۱۱۱]

"(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دیں کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔"

اور جس شخص میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتیں جتنی زیادہ ہوں گی اس کے دعوے کی صداقت اور اس کی محبت کا درجہ بھی اتنا ہی بلند ہو گا۔ اور جس قدر ان علامتوں میں کمی ہو گی اسی قدر اس کا دعوائے حب و شوق بھی بے جان ہو گا۔ بعض اہلِ علم نے اس سلسلے میں چار علامتوں کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً:

۱۔ دیدار و قربِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تمنّا اور اس کے لیے بہر قیمت تیاری۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان و مال قربان کرنے کے لیے تیار ہونا۔

۳۔ اتباعِ اوامر اور اجتنابِ نواہی۔

۴۔ نصرتِ سنت اور دفاعِ شریعت۔[1]

جبکہ بعض اہلِ علم نے کچھ دوسری علامتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو یہ ہیں:

۵۔ علم قرآن وسنت۔

۶۔ بکثرت یادِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۷۔ محبتِ احبابِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۔ زیاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کرنا:

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر مؤمن و مسلمان اپنے دل میں اس بات کی شدید تمنا رکھے کہ اے کاش! مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو سکے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کی علامت بھی ہے اور اس محبت کا تقاضا بھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

[1]شرح مسلم للنووي (16،2) فتح الباري (59،1) عمدة القاري (144،1)

((مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبّاً، نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِي، يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ))[1]

"میری امت کے مجھ سے شدید محبت رکھنے والے لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس بات کی خواہش رکھتے اور تمنا کرتے ہیں کہ انھیں چاہے اپنے سارے اہل و عیال اور دولت ومال کے عوض ہی میری زیارت نصیب ہو جائے تب بھی یہ سودا مہنگا نہیں۔" صحیح مسلم اور مسند احمد میں اس سے ملتی جلتی ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبّاً، قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ [أَوْ يَخْرُجُوْنَ] بَعْدِي، يَوَدُّ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ فَقَدَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ وَأَنَّهُ رَآنِي)) [2]

"میری امت میں سے مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور چاہیں گے کہ اگر اپنا تمام اہل ومال دے کر بھی میری زیارت کا شرف حاصل کر سکیں تو سودا مہنگا نہیں۔"

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال ہے تو اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے جانے اور انصارِ مدینہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور زیارت و دیدار سے خوش ہونے کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسند احمد کی ایک حدیث کے مطابق حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے لوگ چھتوں پر چڑھ چڑھ کر راستہ دیکھ رہے تھے، راستہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ یہ نعرے لگا رہے تھے:

[1]صحيح مسلم (2178،4) رقم الحديث [1832] [2] مسند أحمد (156،170،5) صحيح الجامع، رقم الحديث (1003) الصحيحة، رقم الحديث (1418)

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ! جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، جَاءَ مُحَمَّدٌ ﷺ۔"

"اللہ اکبر! اللہ کے رسول تشریف لے آئے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رنجہ فرما دیا ہے۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وَتَنَازَعَ الْقَوْمُ أَيُّهُمْ يَنْزِلَ عَلَيْهِ۔''[1]

''لوگوں میں اس بات پہ تنازع ہونے لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس کی ضیافت میں آئیں؟''

جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''فَمَا رَأَيْتُ يَوْمًا قَطُّ أَنْوَرَ وَلَا أَحْسَنَ مِنْ يَوْمٍ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُوْ بَكْرٍ الْمَدِيْنَةَ۔''[2]

''میں نے اتنا روشن اور خوبصورت دوسرا کوئی دن نہیں دیکھا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدینہ آمد کا دن تھا۔'' اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔''[3]

''میں نے اہلِ مدینہ کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا جتنے خوش وہ اس دن تھے جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔''

۲۔ اطاعت واتباعِ رسول:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعلقِ خاطر کی علامات میں سے ایک نشانی یہ

[1] مسند أحمد (155،1) وصححه أحمد شاكر۔ [2] الفتح الرباني (290،20) [3] صحيح البخاري (260،7)

ہے کہ محبت کا دعویٰ کرنے والا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کرنے والا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر چلنے والا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج کو اختیار کرنے والا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اقتدا کرنے والا ہو۔ حب صادق کی علامت یہ ہے کہ اس کی عبادات کے دوران یہ باقاعدہ نظر آئے کہ یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مسنون طریقے کے مطابق نمازیں ادا کرتا ہے، اپنی طرف سے طہارت و نماز کے طریقوں میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا اور نہ ہی محض لوگوں کے ڈر سے سنتوں کو ترک کرتا اور اپنوں کے دباؤ میں آکر بدعات و خرافات اور ناجائز امور کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہماری شادی بیاہ اور پیدائش و اموات کے مواقع ہماری حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ اسی طرح کئی خود ساختہ تہوار اور بعض کافروں کی نقالی میں منائے جانے والے میلے ٹھیلے، کھیل تماشے اور رنگ رلیاں بھی ہماری حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بخوبی پتہ بتا دیتی ہیں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

نمازوں کی طرح روزے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل وطریقہ کو اپنایا جائے اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اُسوہ اور نمونہ بنایا جائے۔ غرض ہر کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق کیا جائے اور ہر قدم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روشنی میں اٹھایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا احیاء کیا جائے اور اپنی خواہشاتِ نفس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو ترجیح دی جائے۔اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعلقِ خاطر کا دعویدار ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی سے اعراض کرے بلکہ ان سے استہزاء کرنے اور ان کا اور ان پر عمل پیرا لوگوں کا مذاق اڑانے والا ہو! یہ اطاعت و اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی من مرضی کا سودا بھی نہیں بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور یہ ہم پر فرض وواجب ہے، اور اس بات کا پتہ کئی قرآنی آیات اور ارشاداتِ نبویہ سے چلتا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ . قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ } [آل عمران: ۳۱، ۳۲]

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیں کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔"

جبکہ آگے اسی سورت میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ } [آل عمران: ۱۳۲]

"اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

نیز سورۃ النساء میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ . وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ } [النساء: ۱۳، ۱۴]

"یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائے گا اُس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔"

سورۃ النساء ہی کی ایک اور آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا } [النساء: ۵۹]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں اُن کی بھی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔" جبکہ اس سورۃ النساء ہی میں اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعتِ الٰہی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

{مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا} [النساء: ٨٠]

"جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر! آپ کو ہم نے اُن کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔"

آگے چل کر سورۃ الانفال کی (آیت: ٢٠) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ} [الأنفال: ٢٠]

"اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو اور اُس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو۔"

سورۃ الاحزاب میں ارشادِ ربانی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا. يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا} [الأحزاب: ٧٠، ٧١]

"مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔"

سورۃ محمد میں ارشادِ الٰہی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ} [محمد: ٣٣]

"مومنو! اللہ کا ارشاد مانو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دو۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کے اس حکم و وجوب پر ہی بس نہیں بلکہ قرآنِ کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اوامر کی نافرمانی کرنے والوں کو سخت وعید فرمائی ہے اور آفت و فتنہ اور عذابِ الیم کی خبر دی ہے۔ چنانچہ سورۃ النور میں ارشادِ الٰہی ہے:

{لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ} [النور: ٦٣]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بیشک اللہ کو یہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔"

اطاعتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عملی نمونے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بجالایا کرتے تھے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے صرف چند واقعات ہی کافی ہیں۔

ا۔ تعمیلِ ارشاد میں عدمِ تاخیر:

صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب میں مذکور ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کی اجازت مل جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِس کی اجازت دیتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی یہ آیت نازل فرمائی:

{ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ } [البقرۃ: 144]

"(اے نبی!) ہم آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں منہ کرنے کا حکم دیں گے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیں اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) اُن کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے بے خبر نہیں ہے۔"

تب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک آدمی نے نماز پڑھی اور پھر اس کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس صحابی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

((هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَّهُ قَدْ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوْعٌ فِي صَلٰوةِ الْعَصْرِ)) [1]

"میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ وہ لوگ نمازِ عصر کے رکوع میں تھے کہ عین اسی حالت ہی میں قبلہ شریف کی طرف گھوم گئے۔"

اندازہ فرمائیں کہ انھوں نے رکوع سے اٹھنے کا بھی انتظار نہیں کیا، چہ جائیکہ

[1]صحیح البخاري مع الفتح (13،232)

وہ اگلی نماز کا انتظار کرتے۔ اسی واقعہ کی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی "مسجدِ قبلتین" ہو گیا کیونکہ وہاں ایک ہی نماز دو قبلوں کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی۔

۲۔ ابلتی ہانڈیاں بہادیں:

صحیح بخاری میں ایک اور واقعہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کرنے والے نے یہ اعلان کر دیا:

((إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ))

"اللہ اور اس کا رسول تمھیں پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔"

اس اعلان کا سننا ہی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پکنے کو تیار ابلتی ہوئی ہانڈیاں بہادیں۔ ان لوگوں نے اتنا بھی انتظار نہیں کیا کہ اس مرتبہ کا پکا ہوا گوشت تو کھالیں آئندہ چھوڑ دینگے۔

۳۔ شراب کا سیلاب آگیا:

اسی طرح کا رویہ اس وقت بھی اختیار کیا گیا جب شرابِ خانہ خراب کی حرمت نازل ہوئی۔ لوگوں نے لبوں تک پہنچے ہوئے جام واپس رکھ دیے اور گھروں میں موجود شراب کے تمام جام توڑ دیے، راوی بیان کرتے ہیں کہ اس دن مدینہ منورہ کی گلیوں میں اتنی شراب بہائی گئی:

"فَجَرَتْ فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ۔"[1]

"مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔"

اور بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ:

"مدینہ کی گلیوں میں گویا شراب کا سیلاب آگیا ہو۔"

[1]صحیح البخاري مع الفتح (10،39) تفسیر ابن کثیر (2،83)

۴۔ کنگن اتار پھینکنا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل وبجا آوری میں صرف مرد صحابہ رضی اللہ عنہم ہی پیش پیش نہیں تھے بلکہ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی کسی سے کم نہ تھیں۔ چنانچہ سنن ابی داود میں روایت ہے کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ ہی اس کی بیٹی بھی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((أَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا؟)) "کیا تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ دیتی ہو؟"

اس نے جواب دیا: نہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟))

"کیا تمھیں پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں ان کے بدلے جہنم کی آگ کے دو کنگن پہنائے؟"

راویٔ حدیث حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس عورت نے وہ دونوں کنگن بچی کے ہاتھ سے نکالے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

((هُمَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهٖ))[1]

"یہ میری طرف سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ ہیں۔"

۵۔ نقاب وحجاب کی پابندی:

آج کل مسلمان مرد داڑھی منڈوانے اور لباس وپوشاک حتیٰ کہ طور اطوار میں تقلیدِ فرنگ کے اتنے دلدادہ ہو چکے ہیں کہ مسلم اور کافر میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہی معاملہ مسلمان عورتوں کا بھی ہے کہ بے پردگی وعریانی میں وہ بھی کسی سے کم نہیں، جب برقعہ، پردہ یا نقاب وحجاب کی بات ہو تو بعض عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ دل کا صاف ہونا ضروری ہے صرف چہرہ چھپا لینے سے کیا ہوتا ہے؟ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا تمھارے دل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں، بیٹیوں اور صحابہ کی عورتوں سے زیادہ پاک ہیں؟ انھیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم فرمایا تھا:

{يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا} [الأحزاب: ۵۹]

[1] سنن أبي داود (۱/۲۹۱)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیں کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (منہ) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں، یہ اَمر ان کے لیے موجبِ شناخت (وامتیاز) ہو گا تو کوئی اُن کو ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" انھوں نے فوراً نقاب وحجاب کا اہتمام شروع کر دیا اور دل کی صفائی کا کوئی بہانہ نہیں بنایا۔

۲۔ کناروں پر چلنا:

اسی پر بس نہیں بلکہ سنن ابی داود میں روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد دیکھا کہ گلی میں مرد وزن کا اختلاط ہو گیا ہے تو عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((اِسْتَأْخِرْنَ ، فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِيْقِ))

"پیچھے ہٹ جاؤ، تمھیں یہ اجازت نہیں کہ راستے کے درمیان میں چلو، تمھیں کنارے پہ چلنا چاہیے۔"

حدیث کے راوی صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْتَصِقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰى أَنَّ ثَوْبَهَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوْقِهَا۔"[1]

"عورت اس طرح دیوار کے ساتھ ہو کر چلتی کہ اس کے کپڑے دیوار کے ساتھ چمٹ چمٹ جاتے تھے۔"

سبحان... ایں تفاوت راز کجا تا بہ کجا

۳۔ علم قرآن وسنت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اللہ کی کتاب قرآنِ کریم اور اس کے علوم کو سیکھا جائے، اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور اس کی بکثرت تلاوت کی جائے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن کا علم حاصل کیا جائے، ان میں وارد اوامر ونواہی کے مطابق چلا جائے اور ان پر عمل پیرا لوگوں سے محبت کی جائے۔

۴۔ بکثرت یادِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جس سے جتنی زیادہ محبت کرتا ہے اسی قدر اس کا دل اس کی یادوں سے معمور رہتا ہے۔ ایک مقولہ مشہور ہے:

"مَنْ أَحَبَّ شَيْئاً أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهٖ۔"[2]

"جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اسے بکثرت یاد کرتا ہے۔"

انھی الفاظ کی ایک حدیث بھی ہے لیکن اسے کبار محدّثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1] الصحيحة، رقم الحديث (856) [2] دیکھئے: ضعيف الجامع للألباني (3،5،149)۔

لہٰذا وہ تو قابلِ استدلال نہیں تاہم فطرت کا تقاضا یہی ہے اور سچی محبت کی علامت بھی کہ محب جلوت وخلوت میں قلب و قالب سے اپنے محبوب کو یاد کرے اور اس کی زبان اس کے ذکر سے تکان محسوس نہ کرے، اور اس کی کیفیت یہ ہو

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار جب

ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یا پھر اس کیفیت کو یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے

تم میرے پاس ہوتے ہو جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حبیبِ کبریاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بکثرت یاد کئی طریقوں سے ممکن ہے جن میں سے بعض صورتیں بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں مثلاً:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا بکثرت مطالعہ کرنا جس کے لیے آج عربی، اردو اور انگلش ہر زبان میں بہترین کتبِ سیرت موجود ہیں۔
۲۔ زندگی میں ہر قدم اٹھانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کرنا۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود وسلام پڑھنا، جس کی فضیلت قدرے تفصیل سے تھوڑا آگے چل کر ذکر کی جارہی ہے۔

۵۔ محبتِ احبابِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر اس شخص اور ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی۔ لِ رسول، اہلِ بیت اور انصار ومہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی جائے کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت ورفاقت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ انھوں نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور بلاواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کی سعادت وعزت پائی۔ انھوں نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور دفاع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وارشادات کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبانے کے لیے اپنی لسان اور شمشیر وسناں کا استعمال کیا، اور انھوں ہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت [قرآن وسنت] ہم تک پہنچائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرابت داروں سے رشتہ داری کی محبت ومودت کا تو باقاعدہ مطالبہ فرمایا ہے،

چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

{ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ} [الشوریٰ: ۲۳]

"یہی وہ (انعام ہے) جس کی اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے۔ کہہ دیں کہ میں اس کا تم سے صِلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت (تو چاہیے) اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لیے اس میں ثواب بڑھائیں گے بیشک اللہ بخشنے والا قدر دان ہے۔" جبکہ صحیح مسلم، سنن دارمی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے:

((أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ)) [1]

[1] صحيح مسلم (1873،4) سنن الدارمي (432،2) مسند أحمد (367،114.4،2)

"میں تمھیں اپنے اہلِ بیت سے حسنِ سلوک و محبت کے لیے اللہ کا خوف دلاتا ہوں۔"

اسی حدیث میں ہے کہ حضرت حصین بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت نہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:

((نِسَآؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ))

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں سے ہیں۔"

مزید فرمایا کہ اہلِ بیت وہ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور پھر آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس کا تذکرہ فرمایا۔ رضي الله عنهم۔

آلِ رسول اور اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم جن کی محبت حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے ان کی اہلیت و صلاحیت کا یہ عالَم ہے کہ ان کی تطہیر و پاکیزگی کا پتہ تو خود قرآنِ کریم نے دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب میں ارشادِ الٰہی ہے:

{وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا} [الأحزاب: ۳۳]

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہارِ تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے (پیغمبر کے) اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دُور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاوخوشی حاصل کی جائے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اجر وثواب بھی آجائے گا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

،،اِرْقَبُوْا مُحَمَّدًفِيْ أَہْلِ بَيْتِہٖ۔''[1]

''حضرت محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں تلاش کرو۔'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا ادب و احترام مدِ نظر رکھا کرو۔ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کے بارے میں بھی قرآن کے متعدد مقامات خصوصاً سورۃ الفتح شاہد ہے، اور صحیح بخاری ومسلم، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد وطیالسی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

((لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِہٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَہَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِہِمْ وَلاَ نَصِيْفَہٗ))[2]

''میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو وہ ان کے ایک مٹھی دانے صدقہ کرنے کے ثواب کو تو کیا اس کے آدھے کو بھی نہیں پاسکتا۔''

نیز صحیح بخاری ومسلم، نسائی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((آيَۃُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ)) [3]

[1] صحيح البخاري (5،26) [2] صحيح الجامع، رقم الحديث (2310) [3] صحيح البخاري رقم الحديث (3573)

'' ایمان کی نشانی انصار صحابہ سے محبت اور نفاق کی نشانی انصار صحابہ سے بغض ونفرت ہے۔''

جبکہ بخاری ومسلم کی ایک متفق علیہ حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

((لاَ يُحِبُّہُمْ اِلاَّ مُؤْمِنٌ وَلاَ يُبْغِضَہُمْ اِلاَّ الْمُنَافِقُ ، فَمَنْ أَحَبَّہُمْ أَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ أَبْغَضَہُمْ أَبْغَضَہُ اللّٰہُ)) [1]

''انصار سے محبت صرف مومن ہی کرتے ہیں اور ان سے نفرت صرف منافق کرتے ہیں۔ جس نے ان سے محبت کی اس سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو ان سے نفرت کرتا ہے اس سے اللہ نفرت کرتا ہے۔''

غرض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو یہ مقام ومرتبہ دیا ہے ہم پر فرض بنتا ہے کہ ہم بھی ان کا مکمل احترام واکرام کریں، عزت سے سب کا نام لیں اور نام کے ساتھ ہی حسبِ موقع ایک صحابی ہو تو ''رضی اللہ عنہ'' صحابیہ ہو تو ''عنہا'' دو صحابی یا صحابیات ہوں تو ''عنہما'' مجموعہ صحابہ ہوں تو ''عنہم'' اور مجموعہ صحابیات ہوں تو ''عنہنّ'' بھی کہیں۔

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ کی رضاوخوشنودی کا پتہ تو خود قرآنِ کریم نے دے رکھا ہے چنانچہ سورۃ التوبۃ میں ارشادِ الٰہی ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

{ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ } [التوبة: ۱۰۰]

"جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے)

[1] صحيح البخاري رقم الحديث (3572

مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

ایسے ہی سورۃ الفتح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا } [الفتح ۱۸]

"(اے پیغمبر!) جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر سکینت و تسلی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔"

اسی طرح سورۃ البینہ کی آخری آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ } [البينة: ۸]

"اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش، یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔"

محبت کا ایک انداز:

احبابِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ ان کے لیے اور اپنے سے پہلے گزرے ہوئے تمام اہلِ ایمان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعائیں کی جائیں اور اپنے دلوں کو ان کے خلاف حقد و حسد اور بغض و نفرت سے پاک رکھا جائے، اور اس کے لیے اللہ سے دعائیں کی جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے میں ارشاد فرمایا ہے:

{ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ } [الحشر: ۹، ۱۰]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور) خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو، اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ اور (ان کے لیے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔"

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اپنی رضا و خوشنودی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں اس امت کے بہترین لوگ قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)) [1]

"لوگوں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے والے (صحابہ) ہیں، اس کے بعد ان کا درجہ آتا ہے جو ان کے بعد (تابعین) ہیں اور پھر وہ جو ان کے بھی بعد (تبع تابعین) آئیں گے۔"

راوئ حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فَلَا أَدْرِيْ أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر فرمایا یا تین کا۔"

جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب و اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے والوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وعیدیں پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جنھیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

استاذ اور سادات کا ادب ایک نادر مثال:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے شیخ و استاذ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے بڑے ادب و تواضع سے ان کی سواری کی لگام پکڑے کھڑے تھے، اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: "رسول اللہ کے برادرِ عم زاد! لگام چھوڑ دیں۔" اس پر انھوں نے کہا:

[1]صحيح البخاري (5,2-3) صحيح مسلم (4,1964)

" ہمیں اسی طرح اپنے علماء کا ادب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" اب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: " مجھے اپنا ہاتھ دکھائیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ چوم لیا اور کہا: "ہمیں اسی طرح اہلِ بیت کا ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"[1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

بہترین دلوں والے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری نوعِ انسانی میں سے بہترین دلوں کے مالک تھے۔ چنانچہ مسند احمد، طیالسی اور شرح السنہ بغوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعارف اور مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''

إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ فَابْتَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ، ثُمَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَوَجَدَ قَلْبَ أَصْحَابِهٖ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهٖ، يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى دِيْنِهٖ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْهُ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ سَيِّئٌ۔ ''[2]

''اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تمام بندوں کے دلوں سے بہترین پایا، لہٰذا انھیں اپنے لیے اور اپنی رسالت کے لیے منتخب فرمالیا۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے علاوہ باقی بندوں کے دلوں پر نظر دوڑائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے دلوں کو سب سے بہتر پایا، لہٰذا انھیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر منتخب کر لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے جہاد کرتے رہے۔ چنانچہ یہ تمام مسلمان [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم] جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے۔ اور جسے یہ سب برا قرار دیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہی ہوتی ہے۔''

[1] تاریخ دمشق (326/19) [2] مسند أحمد (1، 379) منحة العبود ترتيب مسند الطيالسي (ص: 3) شرح السنة للبغوي (1، 214)

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے

جس طرح حب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض علامتیں ہیں اسی طرح اس کے چند مطالبات اور تقاضے بھی ہیں جن کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، اور وہ درج ذیل ہیں:

1 درود شریف پڑھنا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعلقِ خاطر کے مطالبات اور تقاضوں میں سے سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی مکمل احترام و اکرام کے ساتھ لیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے، سننے، لکھنے اور پڑھنے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

پڑھا جائے کیونکہ اس صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو سب سے پہلے تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے فرشتے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی تمام اہلِ ایمان مسلمانوں کو بھی حکم فرمادیا ہے کہ تم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا } [الأحزاب: ٥٦]

"اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی اُن پر درود اور سلام بھیجا کرو۔"

اللہ اور اس کے فرشتوں کا درود پڑھنا:

ا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تقاضا پورا ہو گا اور ساتھ ہی پڑھنے والے کو اس کے دیگر فوائد و ثمرات اور فضائل و برکات بھی حاصل ہوں گی۔ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ اور اس کے مقربین فرشتے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحمتوں کے نزول کی شکل میں اور فرشتے طلبِ استغفار و رفعِ درجات کی صورت میں، اور ساتھ ہی اہلِ ایمان کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کریں، تاکہ وہ بھی اس شرف سے بہرہ مند ہوں۔ اس عمل کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو گی کہ اس کو پہلے اللہ نے اپنی طرف اور پھر اپنے فرشتوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ آیت کو "اِنَّ" کے ساتھ شروع کیا جو نہایت تاکید کے لیے آتا ہے، پھر مضارع کے صیغہ "یُصَلُّوْنَ" سے ذکر فرمایا ہے جو اس بات کے استمرار اور دوام کی دلیل ہے۔ یعنی یہ قطعی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ع

یُصَلِّیْ عَلَیْہِ اللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ

یہٰذَا بَدَا لِلْعَالَمِیْنَ کَمَالُہٗ

"اللہ جل جلالہٗ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے اور یہ بات تمام جہانوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و کمال کی عمدہ دلیل ہے۔" اس اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرف حضرت آدم علیہ السلام کے مسجودِ ملائکہ ہونے سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعزاز و اکرام میں اللہ تعالیٰ خود بھی شامل ہے جبکہ آدم علیہ السلام کے اعزاز میں فرشتے ہی شامل ہوئے تھے اور وہ بھی صرف ایک مرتبہ شامل ہوئے جبکہ یہاں دوام و استمرار ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ع

عقل دُور اندیش می داند کہ تشریفے چنیں

ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

"دُور اندیش اور عقل و دانش والے لوگ جانتے ہیں کہ ایسا شرف کسی دین پرور نے کہیں دیکھا نہ پہلے کسی پیغمبر کو یہ نصیب ہوا۔"

۲۔ دس رحمتیں نازل، دس نیکیاں حاصل، دس درجات بلند، دس گناہ معاف:

صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا)) [1]

"جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔" سنن نسائی، دارمی، مستدرک حاکم، مصنّف ابن ابی شیبہ، مسند احمد اور فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاسماعیل القاضی میں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ ذَاتَ يَوْمٍ ، وَ الْبِشْرُ يُرٰى فِيْ وَجْهِهٖ، فَقَالَ: اِنَّهٗ جَآءَنِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ: أَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَّا يُصَلِّيْ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا، وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِّنْ أُمَّتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا)) [2]

[1] صحيح مسلم رقم الحديث (306) [2] مستدرک حاکم (420،2) مسند أحمد (29،30،4) الترغيب و الترهيب (497،2) مشكوٰة بتحقيق الألباني (292،1) و صححه لشواهده۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسرّت کے آثار نمایاں تھے۔ فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ کا ربّ کہتا ہے: کیا یہ چیز آپ کو راضی کرنے کے لیے کافی نہیں کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے میں اس پر دس رحمتیں بھیجوں گا اور جو آپ پر ایک مرتبہ سلام کہے میں اس پر دس مرتبہ سلامتی نازل کروں گا۔"

نیز سنن نسائی اور مسند احمد والی روایت میں ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ صَلٰوةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحَا عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَ لَهٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَهَا))

"آپ کی امت میں سے جس نے آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اسے دس نیکیاں عطا کرے گا، اس کے دس گناہ معاف کرے گا، اس کے دس درجات بلند کرے گا اور جس طرح وہ درود پڑھے ویسے ہی اللہ کی طرف سے جواب بھی پائے گا۔" اور طبرانی میں ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

((يَقُوْلُ الْمَلَكُ : وَأَنْتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ))

"فرشتہ اس بندے کو کہتا ہے: اللہ تجھ پر بھی درود (رحمتیں) بھیجے۔"

جبکہ الادب المفرد امام بخاری، سنن نسائی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ، وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ خَطِيْئَاتٍ ، وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)) [1]

[1] مستدرک حاکم (1،550) صحیح الجامع الصغیر (3،5،316)

"جس نے مجھ پر ایک مرتبہ دورد پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، اس کے دس گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے۔"

۳۔ قبولیتِ دعاء کا نسخہ:

سنن ابو داود، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا، اُس نے نماز پڑھی اور دعا کی:

"اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ ! إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ))

"اے نمازی! تم نے جلدی کی ہے، جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بیٹھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرو اُن الفاظ کے ساتھ کہ جن کا وہ اہل ہے، اور مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔"

راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:

((أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ ! اُدْعُ تُجَبْ)) [1]

"اے نمازی! اب جو مانگو گے وہ ملے گا۔"

۴۔ مشکلات و مصائب کا حل اور گناہوں کا کفّارہ:

سنن ترمذی، مستدرک حاکم، مسند احمد اور فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سنن الترمذی ، رقم الحدیث (3676)

لاسماعیل القاضی اور مسند احمد میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

((إِنِّيْ أُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ . فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰتِيْ ؟))

" میں آپ پر بکثرت درود شریف پڑھتا ہوں، اس کے لیے اپنے کُل وقت میں سے کتنا خاص کروں ؟" آپ نے فرمایا: ((مَا شِئْتَ)) "جتنا چاہو۔" میں نے عرض کیا: "چوتھائی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ)) "جتنا چاہو، لیکن اگر (چوتھائی سے) زیادہ کرو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔" میں نے عرض کیا: "آدھا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "جتنا چاہو، لیکن اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمھارے لیے بہتر ہے۔" میں نے عرض کیا: "دو تہائی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھاری مرضی، لیکن اگر اس سے بھی بڑھالو تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔" میں نے عرض کیا: ((اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا)) 'میں سارا وقت آپ پر درود پڑھنے میں وقف کر دیتا ہوں۔" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَنْ تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ)) [1]

"تب تو تمھارے تمام دُکھ درد دور اور گناہ معاف ہو جائیں گے۔"

صحیح مسلم، سنن ابی داود اور ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ . ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ . فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا)) [2]

[1] مستدرک حاکم (2، 421) فضل الصلوٰۃ للقاضي إسماعيل بتحقيق الألباني (ص 32) مشكوٰة مع تحقيق الألباني (1، 293) و حسنه۔ [2] صحيح مسلم رقم الحديث (384)

"جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو تو تم بھی اسی طرح کہتے جاؤ اور آخر میں مجھ پر درود بھیجو۔ اس لیے کہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر اس کے بدلے اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔"

۵۔ جو مانگو سو ملے:

سنن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے تھے۔ جب میں نے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور پھر اپنے لیے دعا مانگی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سَلْ تُعْطَهْ، سَلْ تُعْطَهْ)) [1] "مانگو اور پاؤ، مانگو اور پاؤ۔"

۶۔ سلامِ الٰہی کا انعام بے بدل:

سنن کبریٰ بیہقی، مسند احمد، مستدرک حاکم اور فضل الصلوٰۃ للقاضی اسماعیل میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے اور کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گئے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجود ہوئے اور اتنا لمبا سجدہ کیا کہ میں ڈر گیا مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہو۔ میں نے قریب ہو کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ اقدس کو اٹھایا اور مجھ سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" میں نے اپنا خدشہ بیان کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ جِبْرِيْلَ عليه السلام قَالَ لِيْ: أَلَا أُبَشِّرُكَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ، وَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ)) [2]

[1] صحيح سنن النسائي (1/275) مسند أحمد (1/25،26،38) و صفة الصلوٰة (ص: 109) [2] مسند أحمد (1/191) سنن البيهقي (2/370)

"حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر مجھ سے کہا: کیا میں آپ کو خوش خبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیغام دیا ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا میں اُس پر رحمتیں نازل کروں گا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا میں اُس پر سلام بھیجوں گا۔"

۷۔ قبولیتِ نماز کا ذریعہ:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے جلاء الافہام میں تین احادیث نقل کر کے لکھا ہے کہ انفرادی طور پر تو ان کی اسانید قابلِ حجت نہیں لیکن اگر ان تینوں کو اکٹھا کیا جائے تو یہ قوت اختیار کر جاتی ہیں۔

۱۔ ان تینوں میں سے ایک دار قطنی و بیہقی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مرفوع حدیث ہے، جس کے الفاظ ہیں:

((لَا صَلٰوةَ لِاَّ بِطُهُوْرٍ وَ بِالصَّلٰوةِ عَلَيَّ)) [1]

"وضو کیے اور مجھ پر درود پڑھے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔"

۲۔ دوسری حدیث سنن ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی، مستدرک حاکم اور معجم طبرانی کبیر میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ)) [2]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔"

۳۔ تیسری حدیث سنن دار قطنی میں حضرت بُرَیدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں:

((يَا بُرَيْدَةُ! إِذَا صَلَّيْتَ فِي صَلٰوتِكَ فَلَا تَتْرُكَنَّ التَّشَهُّدَ وَالصَّلٰوةَ عَلَيَّ فَإِنَّهَا زَكٰوةُ الصَّلٰوةِ)) [1]

"اے بریدہ! جب تم نماز پڑھو تو تشہد (سلام) اور مجھ پر درود پڑھنا ہرگز نہ چھوڑو، کیونکہ یہ نماز کی زکوٰۃ ہے۔"

۸۔ روزِ قیامت قربِ مصطفیٰ:

ترمذی شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً)) [2]

"قیامت کے دن لوگوں سے میں میرے قریب ترین وہ شخص ہو گا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہو گا۔"

۹۔ شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نیکیاں اور فرشتوں کی دعائیں:

فضل الصلوٰۃ علی النبی میں اسماعیل القاضی نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ أَوْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَقَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [3]

"جس نے مجھ پر درود بھیجا یا میرے لیے مقامِ وسیلہ کا سوال کیا، قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت و سفارش پکی ہو گئی۔"

معجم طبرانی کبیر میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا، وَحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا، أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [4]

[1] حوالہ جات سابقہ [2] سنن الترمذی، رقم الحدیث (484) [3] فضل الصلاۃ [حدیث: 5] [4] صحیح الجامع الصغیر، حدیث [6233]

"جس نے ہر صبح دس مرتبہ اور ہر شام دس مرتبہ مجھ پر درود پڑھا وہ قیامت کے دن میری سفارش کا حق دار ہو گا۔" فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ)) [1]

"جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَآئِكَةُ مَا صَلّٰى عَلَيَّ . فَلْيُقِلَّ أَوْ لِيُكْثِرْ)) [2]

"جب کوئی شخص مجھ پر درُود پڑھتا ہے تو جب تک وہ درُود پڑھتا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائِ مغفرت کرتے رہتے ہیں، اب چاہے وہ کم پڑھے یا زیادہ پڑھے۔"

تارکینِ درود کے لیے وعیدیں :

درود شریف سے فضائل وبرکات کے حصول والی بات محض اختیاری ہی نہیں کہ پڑھیں تو یہ فوائد وثمرات ملیں گے نہ پڑھیں تو ہماری مرضی بلکہ یہ معاملہ بڑا ہی گھمبیر ہے۔ یہ صرف حب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہی نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق بھی ہے اور یہ حق ادا نہ کرنے والوں کو سخت وعید بھی سنائی گئی ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث میں مروی ہے۔

[1] فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ [حدیث: 11] [2] مشکاۃ مع تحقیق . رقم الحدیث (925)

۱۔ رحمتِ الٰہی سے دُوری:

ایک حدیث جو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی کتبِ حدیث میں مروی ہے جس کی بعض روایات میں منبر اور اس کی تین سیڑھیوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مرتبہ آمین کہنے اور بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر وجہ بتانے کا ذکر بھی آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے اللہ کی طرف سے یہ پیغام دیا۔ اور بعض روایات میں منبر، سیڑھیوں، جبریل علیہ السلام اور آمین کے ذکر کے بغیر ہی ارشادِ نبوی ہے:

((رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُّغْفَرَ لَهُ . وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ . وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ)) [1]

"اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی موجودگی میں ماہِ رمضان آیا اور اس حال میں نکل بھی گیا کہ اس نے اپنی بخشش نہ کروالی۔ اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور انھوں نے (حسن سلوک کے عوض) اسے جنت میں داخل نہ کیا۔ اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کے سامنے (اے نبی!) آپ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ پر درود نہ پڑھا۔"

۲۔ سب سے بڑا بخیل کون؟

سنن ترمذی، نسائی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، مسند احمد، معجم طبرانی کبیر اور عمل الیوم واللیلہ ابن السنی میں حضرت علی اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1]سنن الترمذی ، رقم الحدیث (3445)

((اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) [1]

"بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکرِ جمیل آیا اور اُس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل پر درود شریف نہ پڑھنے والے کو وعید سنائی گئی ہے اور اُسے بخیل شمار کیا گیا ہے جبکہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اِنَّ أَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) [2]

" لوگوں میں سے سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکرِ جمیل آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" اس حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر درود نہ پڑھنے والے شخص کو سب سے بڑا بخیل قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ قبولیتِ دعاء میں رکاوٹ:

اسی موضوع کے بعض آثار بھی ہیں جیسا کہ شعب الایمان بیہقی، معجم طبرانی اوسط اور مسند الفردوس دیلمی میں حضرت علی وانس رضی اللہ عنہما سے موصولاً اور موقوفاً مروی ہے جسے بعض کبار محدّثین کرام نے موصولاً بھی صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ اس کے کئی شواہد بھی ہیں، اس کے الفاظ ہیں:

((كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ)) [3]

"ہر دعا اُس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔"

[1]مسند احمد ، رقم الحدیث (1736) [2] فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ [حدیث: 37] [3] الصحیحۃ (54,5) صحیح الجامع (4399) الترغیب (505,2)

۴۔ راہِ جنت گم ہو جاتی ہے:

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ)) [1]

"جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ گم کر بیٹھا۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۵۔ روزِ قیامت حسرت وندامت کا سامنا:

صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعِدًا لَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ إِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ)) [2]

"کوئی قوم جب کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان لوگوں کے لیے حسرت وندامت کا باعث ہوگی اگرچہ دوسری نیکیوں کی وجہ سے وہ جنت ہی میں کیوں نہ چلے گئے ہوں۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے لیے معروف عام درودِ ابراہیمی کے علاوہ بھی کئی صیغے ہیں۔ درود شریف پڑھنے کے عام حکم اور وقت کے علاوہ بعض مقامات پر درود شریف پڑھنے کا خاص حکم بھی ہے، درود شریف کے مسنون الفاظ میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی کرنے، بعض خانہ ساز درود پڑھنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور کسی غیر نبی پر درود شریف پڑھنے کا

[1]صحيح سنن ابن ماجه شيخ ناصرالدين (740) [2] سلسلة الأحاديث الصحيحة 76)

حکم اور ان امور کی تفصیل مطلوب ہو تو اس سلسلہ میں ہماری کتاب "درود شریف۔ برکات و فضائل اور احکام ومسائل" دیکھی جاسکتی ہے جو (192) صفحات پر مشتمل ہے اور اسے نورِ اسلام اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقامِ وسیلہ کی دعائیں کرنا:

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضوں میں سے دوسرا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقامِ وسیلہ وفضیلہ اور مقامِ محمود عطا کرنے کی دعائیں کی جائیں۔ یہ مقامِ وسیلہ جنت کا وہ عالی شان مرتبہ ہے جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے زیبا نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری، سنن اربعہ، مسند احمد اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَ الصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَ الْفَضِيْلَةَ وَ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [1]

"جس نے اذان سن کر یہ دعا کی اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ وسیلہ وفضیلت عطا فرما اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرما رکھا ہے۔ تو اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت وسفارش حلال ہوگئی۔"

۳۔ عزت واحترام اور تعظیم وتوقیر کرنا:

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضوں ہی میں سے تیسرا تقاضا یہ ہے کہ محبت و

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (614) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (540) صحيح الجامع، رقم الحديث (6423)

تعلقِ خاطر کا دعویدار دل وجان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت واحترام اور تعظیم وتکریم کرے اور ہر اس کام سے اجتناب کیا جائے جو اس کے منافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر تین طرح سے ہوگی:

1 دل سے۔ 2 زبان سے۔ 3 دیگر اعضاء سے۔

۱۔ دل سے تعظیم کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت ورسالت کا دل سے اقرار کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کا معترف ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وجان، دولت ومال اور ہر چیز سے زیادہ محبت کرے۔

۲۔ زبان سے تعظیم وتوقیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات کا تذکرہ کیا جائے جن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجا طور پر اہل و مستحق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صفات خود بیان فرمائی ہیں یا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات بیان کی ہیں ان سب کا تذکرہ کیا جائے لیکن اس میں نہ تو افراط، مبالغہ آمیزی اور غلو وتشدّد ہو، نہ ہی تفریط وتقصیر اور کوتاہی کی جائے۔

۳۔ اعضاء سے تعظیم واحترام یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام واوامر پر اپنے اعضائِ جسم کے ساتھ عمل کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مدد و نصرت کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس وحرمت کا تحفّظ ودفاع کیا جائے۔[1]

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حد تک احترام واکرام ہو کہ اپنی آواز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو حتیٰ کہ آپس کی گفتگو کے دوران بھی اپنی آواز

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: الصارم المنكي في الرد علىٰ السبكي، لابن عبد الهادي (ص: 351۔454)

کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رکھا جائے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کے واقعات بہت ہی مفید ہیں، جن میں سے ہی ایک صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں مروی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی آواز بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کرنے کو اپنے لیے باعثِ ہلاکت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ} [الحجرات: ۲]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"اے اہلِ ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔" تو اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہا اپنے گھر بیٹھ گئے کیونکہ فطرتی طور پر وہ بلند آہنگ تھے، ان کی آواز اونچی تھی اور ساتھ ہی کہنے لگے :

"أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ۔"

" یہ آیت نازل ہو گئی اور آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میری آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہے لہٰذا میں تو اہلِ جہنم میں سے ہو گیا ہوں۔"

ان کی یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلٰكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) [1]

"تم اہلِ جہنم میں سے نہیں بلکہ تم تو اہلِ جنت میں سے ہو۔"

سورۃ الحجرات کی مذکورہ بالا آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جب تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرو تو نہایت سکون و وقار سے بات کرو، ایسے اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی سے کرتے ہو، جبکہ بعض اہلِ علم نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد اور یا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ! یا رسول اللہ! کہہ کر ادب و احترام سے بات کرو۔ اگر ان آداب اور احترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھا گیا تو اس میں بے ادبی کا احتمال ہے جس سے لاشعوری میں تمھارے تمام اعمال برباد ہو سکتے ہیں۔ سورۃ النور میں حکمِ الٰہی ہے:

{ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ } [النور: ٦٣]

"مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بیشک اللہ کو یہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔" مطلب یہ کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کا نام لے لے کر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3613) صحيح مسلم، رقم الحديث (119)

یا فلان، یا فلان کہہ کر بلاتے ہو اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا نام لے کر یا محمد یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ وغیرہ کہا کرو۔ اس ادب کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ہے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرورت پیش آیا کرتی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوں۔[1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ } [الحجرات: ٣]

"جو لوگ پیغمبرِ الٰہی کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لیے آزما لیے ہیں، ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔" مسند احمد کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عامیانہ انداز کے ساتھ حجرے سے باہر کھڑے کھڑے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازیں لگانے والے بنو تمیم کے اعرابی و گنوار قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے "بے عقل۔" قرار دیا ہے۔[2]

چنانچہ سورۃ الحجرات کی آیت اُنھیں کے بارے میں نازل ہوئی جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ } [الحجرات: ٤]

[1] تفسیر القرطبی (16,8، 307۔ 309) تفسیر أحسن البیان۔ [2] مسند أحمد (394,488,6,3)

"جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت و شان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر نہ رکھنا" بے عقلی" ہے۔[1]

ایک وضاحت:

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھیں کہ جس طرح احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھنا ضروری اور اونچی اونچی آوازیں نکالنا مکروہ ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بھی اپنی آوازوں کو پست رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا تو مجھے کسی نے کنکری ماری، کیا دیکھتا ہوں کہ امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے مجھے حکم فرمایا کہ جلیے، اور ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آیے۔ میں گیا اور انھیں لے آیا۔ انھوں نے اُن سے مخاطب ہو کر پوچھا: "تم کون ہو اور کہاں کے ہو؟" انھوں نے بتایا کہ ہم طائف سے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ!" [2]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"اگر تم مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیتا، تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کھڑے ہو کر اپنی آوازوں کو بلند کر رہے ہو!"

[1]تفسير القرطبي (8،16،309) تفسير أحسن البيان أيضاً۔ [2] صحيح البخاري، رقم الحديث (470)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

"علما نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس آوازوں کو بلند کرنا بھی اتنا ہی مکروہ وناپسندیدہ فعل ہے جتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں اور موت کے بعد حیاتِ برزخ میں ہر حال میں قابلِ صد ہزار تعظیم واحترام اور جلیل القدر ہیں۔"[1]

نیز قاضی ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حترام واکرام وفات کے بعد بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا، اور آپ کا کلامِ ماثور (احادیث) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اسی طرح رفیع الشان ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلتے وقت تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جائیں تو وہاں موجود ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی آواز بلند نہ کرے اور نہ ہی اس سے اعراض و روگردانی کرے جس طرح کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سننے والے کے لیے لازم تھا۔"[2]

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر کی خاطر عام گفتگو میں آوازوں کو پست رکھنے کا حکم ہے یہاں اونچی آواز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استخفاف وتوہین مراد نہیں کیونکہ وہ تو سراسر کفر ہے۔[3]

[1]تفسير ابن كثير (4،183) [2] تفسير القرطبي (8،16،307) [3] قرطبي (8،16،307)

جس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ادب واحترام کیا وہ تو بخاری ومسلم والے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے واقعہ ہی سے ظاہر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ والا مذکورہ بالا واقعہ بھی واضح ہے۔

ادب واحترام کی چند مثالیں:

غرض سلف صالحینِ امت نے اس سلسلہ میں بہترین مثالیں قائم فرمائی ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وارشادات میں سے کسی حدیث کے تذکرہ کے وقت ایسے ہو جاتے کہ ان پر ہیبت وجلال طاری ہو جاتا اور وہ ادب کی تصویر بن جایا کرتے

تھے۔ا۔ حضرت عَمرو بن میمون رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صرف ایک ہی مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ انھوں نے کہا:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔'' ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''

تب میں نے ان کی طرف بغور دیکھا کہ یہ کلمات کہنے سے پہلے انھوں نے اپنی ازار ڈھیلی کر لی، ان کی رگیں پھول گئیں اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا دیا: ''

أَوْ نَحْوَ ذٰلِکَ ، أَوْ دُوْنَ ذٰلِکَ ، أَوْ قَرِیْباً مِّنْ ذٰلِکَ أَوْ یُشْبِہُ ذٰلِکَ ۔''[1]

''یا اس طرح کے الفاظ کہے یا اس سے کچھ کم یا اس کے قریب قریب یا اس کے مشابہ۔''

[1] الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع للخطیب البغدادي (2،66۔67) و شرح الشفاء للقاضي عیاض و ملاّ علی قاری (2،74)

۲۔ متعدد ائمہ کرام کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ بے وضو ہونے کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے، ان میں سے حضرت قتادہ، جعفر بن محمد، مالک بن انس اور اعمش کے اسمائِ گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں بلکہ وہ اس کے لیے وضو کو مستحب سمجھتے تھے اور بلا وضو حدیث بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ چنانچہ ضرار بن مرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''کَانُوْا یَکْرَہُوْنَ أَنْ یُّحَدِّثُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَہُمْ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ ۔''[1]

''وہ بلا وضو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے کو مکروہ شمار کرتے تھے۔''

۳۔ جبکہ امام اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' فَرَأَیْتُ الْأَعْمَشَ إِذَا أَرَادَ أَنْ یُّحَدِّثَ وَہُوَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ تَیَمَّمَ ۔''[2]

'' میں نے امام اعمش رحمہ اللہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ حدیث بیان کرنے لگتے اور وضوء نہ ہوتا تو تیمم کر لیتے تھے۔''

۴۔ ابو سلمہ بیان کرتے ہیں:

'' امام مالک بن انس رحمہ اللہ جب حدیث بیان کرنے کے لیے گھر سے نکلنے لگتے تو نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کرتے، سب سے اچھا لباس زیبِ تن کرتے، ٹوپی پہنتے اور داڑھی کو کنگھا کرتے۔ ان سے اس سلسلہ میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

((أُوَقِّرُ بِہٖ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ)) [3]

[1]جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر (2،1217) شرح الشفاء (2،77) [2] جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر (2،1217) شرح الشفاء (2، 77) [3] الجامع للخطیب (2،34) و شرح الشفاء (2، 77)

"ایسا کر کے میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر بجالا تا ہوں۔"

۵۔ ابن ابی الزناد بیان کرتے ہیں کہ تابعی کبیر حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بیمار لیٹے ہوئے تھے اور جب ان سے حدیث بیان کرنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے پکڑ کر بٹھادو۔ مجھے یہ بات گوارہ نہیں کہ میں لیٹے لیٹے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کروں۔[1]

٦۔ امام مالک بن انس کا گزر امام ابو حازم کی مجلسِ درس پر ہوا جبکہ وہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے، وہ بیٹھے نہیں بلکہ آگے گزر گئے اور نہ بیٹھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: " مجھے بیٹھنے کی جگہ نہ ملی اور مجھے یہ بات خلافِ ادب لگی کہ میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے کھڑے سنوں۔"[2]

امام محمد ابن سیرین (صاحب تعبیر الرؤیا) دورانِ گفتگو ہنس لیا کرتے تھے لیکن جب حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آجاتی تو مکمل ادب و احترام کی تصویر بن جایا کرتے تھے۔[3]

7۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں: ہم ایوب سختیانی کے پاس بیٹھے تھے کہ شور سنائی دیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ شور کیسا ہے؟ کیا انھیں یہ بات نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے بیان کے دوران آوازیں بلند کرنا ویسے ہی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آوازیں بلند کرنا تھا۔[4]

[1]الجامع للخطیب (2،45) و جامع بیان العلم (2،1220) [2] الجامع للخطیب (2،57) [3] الجامع للخطیب (2،57) [4] الجامع للخطیب (1،128۔130)

8۔ احمد بن سلیمان القطان کہتے ہیں:

امام عبد الرحمن مہدی کی مجلس میں کسی کو باہمی گفتگو کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی کوئی بیانِ حدیث کے دوران قلم تراش سکتا تھا اور نہ ہی کوئی ہنستا مسکراتا تھا۔ اگر کسی کو بات کرتے، ہنستے یا قلم تراشتے دیکھ لیتے تو انھیں ڈانٹتے ہوئے جوتا پہنتے اور اپنے گھر میں داخل ہو جاتے تھے۔[1]

9۔ ابن نمیر بھی اسی طرح ہی کیا کرتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں وہ تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھے۔

10۔ ایسے ہی امام شافعی کے استاذ امام وکیع کی مجلس کا عالم ہوتا تھا یوں لگتا جیسے لوگ نماز میں ہوں۔ اگر وہ کسی سے کوئی ناگوار فعل سرزد ہوتا دیکھتے تو جوتا پہنتے اور گھر میں داخل ہو جاتے تھے۔[2]

11۔ ابن نمیر تو غضبناک ہو کر چلّا اٹھتے اور اگر کسی کو قلم تراشتے دیکھتے تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔[3]

12۔ معروف محدث امام عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھتے تو وہاں موجود تمام لوگوں کو مکمل سکوت و خاموشی کا حکم دے دیتے اور سورۃ الحجرات والا یہ ارشادِ الٰہی پڑھتے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ} [الحجرات: ٢]

[1] الجامع للخطیب (1/129) [2] الجامع للخطیب (1/130) [3] الجامع للخطیب (1/130)

"اے اہلِ ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔" اور اس آیت کی یہ تفسیر کرتے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے حدیث سنتے وقت بغور سننا اور خاموش رہنا واجب ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو پڑھنے سننے کے وقت بھی مکمل خاموشی ضروری ہے۔[1]

13۔ اسی طرح ایک ثقہ راوی امام مصعب بن عبد اللہ رحمہ اللہ امام مالک کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور وہ فرطِ محبت و احترام سے رونے لگتے۔ ایک دن ان سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہوا ہے اگر وہ تم نے بھی دیکھا ہوتا تو تم مجھ پر نکیر نہ کرتے۔ میں [ایک ثقہ و فاضل شخص] امام القراء محمد بن منکدر رحمہ اللہ کو دیکھا کرتا تھا کہ ہم جب بھی ان سے کسی حدیث کے بارے میں پوچھتے تو حب و احترام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے مغلوب ہو کر وہ رونے لگتے تھے۔[2]

14۔ امام مالک بیان کرتے ہیں کہ جب بھی میں ثقہ راوی، مفتی اور عابد شخص حضرت صفوان بن سلیم مدنی کے پاس آتا اور جب بھی ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک آتا تو وہ رونے لگتے اور روئے ہی چلے جاتے حتیٰ کہ لوگ انھیں روتے چھوڑ کر وہاں سے نکل جاتے تھے۔ (ایضاً)

[1] خطبات الشیخ حموش عن حقیقة محبة النبي ﷺ، انٹرنیٹ، المنبر۔ [2] حوالہ سابقہ۔

ادب واحترام کی ایک اور صورت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور احترام واکرام ہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے وقت کوئی ذو معنی لفظ استعمال نہ کیا جائے جس سے کسی بھی انداز سے توہین کا کوئی دور کا بھی اشارہ ملتا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے الفاظ کے استعمال سے منع فرمایا ہے، سورۃ البقرۃ میں ارشادِ الٰہی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ } [البقرۃ: ۱۰۴]

"اے اہلِ ایمان! (گفتگو کے وقت پیغمبر سے) رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو اور خوب سن رکھو اور کافروں کے لیے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔" "رَاعِنَا" کی بجائے "اُنْظُرْنَا" کہنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ یہودی لوگ بغض وعناد کی بنا پر اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر "رَاعِیْنَا" کر دیتے تھے جس کا معنیٰ ہے "ہمارا چرواہا" یا پھر "رَاعِنَا" کا ہی ایک معنیٰ "احمق" بھی ہے لہٰذا تنقیص واہانت کا شائبہ ہونے کی وجہ سے اس لفظ کا استعمال ہی ممنوع قرار دے دیا تاکہ راعی، رعونت اور حماقت جیسے تمام معانی سے دور کا بھی واسطہ نہ رہے۔[1]

۴۔ احیاء سنت اور تعمیلِ ارشاد:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت محض زبانی جمع خرچ تک رہنی چاہیے اور نہ ہی اس کا کوئی سالانہ یا ماہانہ اظہار کافی ہے بلکہ حب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنے سامنے رکھے اور ہر اس سنت

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: ابن کثیر (1، 148۔149) الشفاء للقاضي عیاض (2، 37)

کے احیاء میں کوشاں رہے جو گردشِ زمانہ کی دھول تلے دب گئی ہو یا ہوسِ دنیا اور خواہشاتِ نفس کی وجہ سے طاقِ نسیان پر رکھی جا چکی ہو، ایسی تمام متروک سنتوں کا احیاء ایک اچھے مسلمان کی ذمہ داری ہے اور یہ بڑے اجر وثواب والا کام بلکہ ایک صدقہ جاریہ بھی ہے جیسا کہ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ہے:

((مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِي ، فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا،لاَ يُنْقَصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئاً، وَ مَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً، فَعُمِلَ بِهَا، كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهَلاَ يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئاً)) [1]

"جس نے میری سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کو ملے گا جبکہ ان کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اور جس نے کوئی بدعت ایجاد کی اور اس پر عمل کیا گیا تو اسے اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کے گناہ جتنا گناہ ہو گا اور ان لوگوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے اور اس کی صحت وضعف مختلف فیہ ہے حتیٰ کہ علامہ البانی نے ایک طرف تو اسے صحیح سنن ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے جبکہ دوسری طرف ضعیف الجامع الصغیر میں اسے " ضعیف جداً" لکھا ہے۔ البتہ صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت جریر بن

[1] سنن ابن ماجه (1/76) بتحقيق محمد فؤاد عبد الباقي، صحيح سنن ابن ماجه للألباني، حديث (173) ضعيف الجامع الصغير (3/153، حديث: 5365)

عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے، اور سنن ابن ماجہ کی ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح وثابت احادیث میں بھی یہ معنی ومفہوم موجود ہے البتہ ان میں ((مَنْ أَحْيَا)) کے الفاظ نہیں بلکہ ((مَنْ سَنَّ)) کے الفاظ ہیں۔[1]

اور باقی الفاظ ومفہوم بالکل قریب قریب وہی ہیں، جبکہ ((مَنْ أَحْيَا)) اور ((مَنْ سَنَّ)) میں بھی کوئی خاص اصولی فرق نہیں ہے۔

۵۔ احکام واوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے تقاضوں ہی میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے صادر ہونے والے تمام اوامر واحکام پر عمل پیرا ہوا جائے اور جن امور سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ان تمام کاموں سے مکمل اجتناب وگریز کیا جائے، اور یہ محض تقاضا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے اور نافرمانی پر سخت سزا کی خبر دی گئی ہے۔

چنانچہ سورۃ الحشر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ ۙ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ } [الحشر: ۷]

"جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے

[1] مختصر مسلم (533) ابن ماجه (1/74، حديث: 203) صحيح الترغيب (1/48 حديث: 60) صحيح الجامع (6305، 6306)

اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے، سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔" خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ میں جس چیز کا حکم دوں اسے اپنالو اور جس چیز سے منع کر دوں اس سے باز آجاؤ۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم، سنن نسائی وابن ماجہ، دار قطنی اور مسند احمد کی ایک قدرے طویل حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((۔۔۔إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ [بِأَمْرٍ] فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ)) [1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"۔۔۔میں تمھیں جب کسی کام کا حکم دوں تو اس پر حسبِ استطاعت عمل پیرا ہو جاؤ اور جس چیز سے روک دوں اس سے باز آجاؤ۔"

جبکہ سنن ابن ماجہ میں مختصر ارشادِ نبوی مروی ہے:

((مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَخُذُوْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا)) [2]

"میں تمھیں جس کام کا حکم دوں اسے حسبِ استطاعت کر گزرو اور جس سے روک دوں اس سے باز آجاؤ۔"

10۔ پیش قدمی نہ کرنا:

محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ

[1] صحيح البخاري (422/4) مختصر صحيح مسلم (639) سنن النسائي (2،2) سنن ابن ماجه (1،2) مسند أحمد (257،2) [2] سنن ابن ماجه (1،2) صحيح الجامع (5552)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو اپنے سامنے رکھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام خود کیا یا کرنے کا حکم فرمایا اسے اپنالیں، جس کام سے منع فرمایا اس سے باز آجائیں اور کسی بھی کام کے فعل و ترک میں من مانی نہ کریں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی سے تجاوز کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی کا ارتکاب ہر گز نہ کریں کیونکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں ارشادِ الٰہی ہے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ} [الحجرات: ۱]

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سنتا اور جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے پیش قدمی کرنے کا تو سوائے اس کے اور کوئی معنیٰ ہی نہیں لیا جاسکتا کہ اس کے اوامر و نواہی کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی کرنے اور آگے بڑھنے کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں چلنے میں آگے بڑھنا اور پیش قدمی کرنا ہر گز مراد نہیں کیونکہ کتبِ سیرت شاہد ہیں کہ دورانِ سفر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا قطعاً اہتمام نہیں فرمایا کرتے تھے کہ خود میں ہی سب سے آگے ہوا کروں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے پیچھے دائیں بائیں کا کوئی لحاظ نہیں کیا کرتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل لبھانے کے لیے ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوڑ لگانے والے ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے الگ اور پیچھے رہ گئے تھے اور یہ دوڑ لگائی تھی بلکہ یہ واقعہ

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

دو مرتبہ رونما ہوا تھا، پہلی مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیت گئی تھیں اور کسی دوسرے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیت گئے تھے اور فرمایا تھا: ((ہٰذِہٖ بِتِلْکَ السَّبْقَةِ)) [1] "یہ اس پرانی جیت کا بدلہ ہو گیا ہے۔"

یہ باتیں اس چیز کا پتہ دیتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اوامر کی حدود سے تجاوز مراد ہے۔

۷۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نامرغوب چیزوں اور لوگوں سے براءت وبیزاری کا اظہار:

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح یہ تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اوامر پر عمل پیرا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کردہ امور سے باز رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کو پس پشت ڈال کر اپنی ہی مرضی اور من مانی نہ کریں، اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہر وہ کام اور چیز جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت وبیزاری کا اظہار فرمایا ہے ہر محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے قولی و عملی بیزاری کا اظہار کرے، بعض امور ایسے ہیں کہ نہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے براءت وبیزاری کا اظہار فرمایا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دے رکھا ہے جن میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

۱۔ اسلام دشمن کفار سے براءت وبیزاری اور نفرت و دلی دشمنی رکھنے اور ان سے موالات و دلی محبت نہ کرنے کا قرآنِ کریم میں باقاعدہ حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ [آل عمران: ۲۸] [1]صحیح الجامع (7007) آداب الزفاف (ص: 171)

"مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں، ہاں اگر اس طریق سے تم اُن (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔" نیز سورۃ النساء میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ [النساء: ۱۴۴]

"اے اہلِ ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو؟"

سورۃ المائدہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ [المائدۃ: ۵۱]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

" اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو شخص انھیں دوست بنائے گا وہ بھی انھیں میں سے ہو گا، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

سورۃ المائدہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ } [المائدۃ: ۵۷]

" اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔"

سورۂ ہود میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ } [ھود: ۸۱]

"ان (فرشتوں) نے کہا کہ لوط! ہم تمھارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہر گز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے، تو کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تمھاری بیوی (ساتھ نہ چلے گی) کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی، ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دُور ہے؟"

سورۃ التوبہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ } [التوبۃ: ۲۳]

" اے اہلِ ایمان! اگر تمھارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔"

سورۃ المجادلہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ } [المجادلة: ۲۲]

"جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیضِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش، یہی گروہ اللہ کی جماعت ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کی جماعت مراد حاصل کرنے والی ہے۔"

جبکہ سورۃ الممتحنہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ۚ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ } [الممتحنة: ۱]

"مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے (مکہ سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دینِ) حق کے جو تمھارے پاس آیا ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں، تم ان کی طرف پوشیدہ پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔"

اور سورۃ الممتحنہ ہی میں ارشاد فرمایا:

{ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ } [الممتحنة: ۹]

"اللہ انھی لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تمھیں منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسے لوگوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔"

۲۔ اسی طرح منافقین سے محبت و دوستی کی پینگیں بڑھانے کی بھی قرآنِ کریم میں ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا } [النساء: ۸۹]

"وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔ تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں وطن نہ چھوڑ جائیں اُن میں سے کسی کو دوست نہ بنانا اگر (ترکِ وطن کو) قبول نہ کریں تو اُن کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ بناؤ۔"

سورۃ النساء ہی میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا } [النساء: ۱۴۰]

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار ہو رہا ہے اور اُن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ دوسری باتیں (نہ) کرنے لگیں اُن کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں، سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"

3 تا 5۔ اس سلسلہ میں ہمارے سلف صالحین امت نے ہمارے لیے روشن نمونے اور قابلِ اتباع مثالیں قائم فرمائی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی میں ہے کہ حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ کو شدید درد اٹھا جس سے ان پر غشی طاری ہو گئی، اس وقت ان کا سر ان کی اہلِ خانہ خواتین میں سے کسی کی گود میں تھا تو خواتین خانہ میں سے کوئی خاتون اس حالت کو دیکھ کر زور زور سے چلّانے لگی، وہ اس وقت شدتِ الم اور بیہوشی کی وجہ سے اسے کچھ نہ کہہ سکے لیکن جب اس تکلیف سے افاقہ ہوا اور ہوش آیا تو فرمایا:

((أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ بَرِئَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَإِنَّ الرَّسُوْلَ ﷺ بَرِيءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ)) [1]

"میں ہر اس چیز سے بری و بیزار ہونے کا اعلان کرتا ہوں جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بَری و بیزار تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی موت پر چلانے والی، سر کے بال بکھیرنے، نوچنے، مونڈنے والی اور گریبان چاک کرنے [کپڑے پھاڑنے والی] عورتوں سے بیزاری و براءت فرما چکے ہیں۔"

۶۔ بعض لوگ عموماً اور خواتین خصوصاً غم کے موقعوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں اور جائز رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ ساتھ مرنے والے کی صفات اور اس کی موت کی وجہ سے پیش آمدہ مصائب کی گنتی شروع ہو جاتی ہے، اور ایک راگ کے ساتھ بین کیے جاتے ہیں۔ اس

[1] صحيح البخاري (3، 131 تعليقاً) صحيح مسلم (104) صحيح سنن أبي داود (2684) صحيح سنن النسائي (1757) سنن ابن ماجه (1585)

نوحہ خوانی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم ابو داود اور نسائی میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ أَنْ لَا نَنُوْحَ)) [1]

"ہم سے بیعت لیتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ خوانی نہیں کریں گی۔"

۷۔ صحیح مسلم میں ارشادِ نبوی ہے:

((اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ)) [2]

"لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جن کا ارتکاب کفر ہے، پہلی کسی کے نسب میں طعن کرنا اور دوسری فوت شدہ پر نوحہ خوانی کرنا۔"

۸۔ جو لوگ کسی کی مرگ پر جوشِ غم میں ہوش کھو دیتے ہیں اور نوحہ خوانی کے ساتھ ساتھ سر کے بالوں کو بکھیرنا اور نوچنا، رخساروں کو پیٹنا، سینہ کوبی و ماتم کرنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے افعال کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم، ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) [3]

[1] صحيح البخاري (1306) صحيح مسلم (3، 6، 227) صحيح سنن أبي داود (2682) صحيح سنن النسائي (2896) [2] مختصر مسلم للمنذري (55) [3] صحيح البخاري (3، 133) صحيح مسلم (103) صحيح سنن النسائي (1754) سنن ابن ماجه (1584)

"جو اپنے رخساروں کو پیٹے، کپڑے پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح نوحہ خوانی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

۹، ۱۰۔ سنن ابو داود میں ایک صحابیہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا:

((أَنْ لَّا نَخْشَ وَجْهاً وَلَا نَدْعُوَا وَيْلاً وَلَا نَشُقَّ جَيْباً وَلَا نَنْشُرَ شَعْراً)) [1]

"(مصیبت میں) نہ ہم منہ نوچیں گی، نہ واویلا کریں گی، نہ کپڑے پھاڑیں گی، اور نہ بال بکھیریں گی۔"

عورتیں چونکہ مردوں کی نسبت کمزور طبع ہوتی ہیں اس لیے ان سے ایسے امور کا صدور ممکن ہونے کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ عہد لیے، اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی عورت ارشادِ نبوی کی نافرمانی کرے تو ایسی عورت کے بارے میں صحیح مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ہے:

((اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ)) [2]

"نوحہ خوانی کرنے والی عورت اگر توبہ کیے بغیر مر گئی تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ آتش گیر مادے [چقماق] کی قمیص پہنے ہو گی اور اسے خارش کی ذرع پہنائی جائے گی۔"

اور مسندِ احمد میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((ثُمَّ يُعْلٰى عَلَيْهَا دِرْعٌ مِنْ لَهَبِ النَّارِ)) [3]

[1]صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (2685) [2] صحيح مسلم (3,6,3 235) سنن ابن ماجه (1581) مسند أحمد (342,5) [3] مسند أحمد (3 42,5) اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب "ماہ محرم، اسلامی سال نو کے آغاز پر صحیح طرز عمل اور تذکرہ چند بدعات کا" یہ کتاب مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ سیالکوٹ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

"پھر اس آتش گیر مادّے کے اوپر آگ کے شعلے کی ذرع ہو گی۔"

۱۱۔ صحیح مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ)) [1]

"میں اس سے بری و بیزار ہوں جس نے [غم والم میں] سر منڈوایا، سینہ کوبی کی اور اپنے کپڑے پھاڑے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں غم والم میں چیخنے چلّانے، سر منڈوانے اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت و بیزاری کا ذکر آیا ہے۔[2]

۱۲ تا ۱۵۔ اسی طرح ابو داود اور نسائی کی حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ أَوْ تَقَلَّدَ وَتْرًا أَوْ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِنْهُ)) [3]

"جس نے اپنی داڑھی کو گرہ لگائی یا گلے میں تانت و تندی لٹکائی یا کسی جانور کے فضلے یا ہڈی سے استنجاء کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے بَری و بیزار ہیں۔"

جبکہ سنن ترمذی میں ان چیزوں سے استنجاء نے کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ)) [4]

[1]صحيح الجامع (1460) [2] صحيح البخاري، صحيح مسلم، سنن النسائي، سنن البيهقي، أحكام الجنائز للألباني رحمه الله (ص: 30) [3] صحيح سنن أبي داود (27) مشكوٰة (113,1) [4] صحيح سنن الترمذي (17، مشكوٰة ايضاً)

"یہ چیزیں تمھارے جنّ بھائیوں کی خوراک ہیں۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۱۶۔ بلا عذر و مجبوری اسلامی ممالک کو چھوڑ کر کافر و مشرک ممالک میں رہائش اختیار کرنے والوں سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت و بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ سنن ابی داود، ترمذی اور الاحادیث المختارہ للضیاء المقدسی میں ارشادِ نبوی ہے:

((أَنَا بَرِیءٌ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ یُقِیمُ بَیْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِکِینَ))

"میں ہر اس مسلمان سے بری و بیزار ہوں جو کفار و مشرکین کے مابین رہتا ہو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَرَاءَى نَارُهُمَا)) [1]

"تاکہ کفار و مسلمین دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نہ دیکھے۔" بلکہ ابو داود میں ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِکَ وَسَکَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ))[2]

"جو شخص کسی مشرک کے ساتھ اٹھے بیٹھے اور اسی کے ساتھ رہائش رکھے وہ بھی اس جیسا ہی ہے۔"

جبکہ مستدرک حاکم میں ہے:

((لَا تُسَاکِنُوا الْمُشْرِکِینَ وَلَا تُجَامِعُوهُمْ، فَمَنْ سَاکَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَلَیْسَ مِنَّا)) [3]

"کفار و مشرکین کے ساتھ سکونت اختیار نہ کرو اور نہ ہی ان کے

[1] صحیح سنن أبي داود (3، 45، حدیث: 2645) صحیح الجامع (1461) [2] سنن أبي داود، رقم الحدیث (2887) صحیح الجامع، رقم الحدیث (6186) [3] مستدرک حاکم (2، 141) الصحیحة (2330)

ساتھ نشست و برخاست رکھو، جس نے ان کے ساتھ سکونت اختیار کی یا ان کے ساتھ مل کر اکٹھا رہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" کفار و مشرکین کے مابین رہائش رکھنے والے نیز ہر مسلمان شخص کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعیدیں ہیں، اور پھر اس کا حل بھی قرآنِ کریم اور کتبِ حدیث میں وارد ہوا اور بتایا گیا ہے کہ جیسے ہی ممکن ہو کفار و مشرکین کے درمیان سے ہجرت کر کے کہیں دوسری جگہ چلے جاؤ۔ چنانچہ سورہ النساء میں ارشادِ الٰہی ہے:

{إِنَّ الَّذِینَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِکَةُ ظَالِمِی أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِیمَ کُنْتُمْ قَالُوا کُنَّا مُسْتَضْعَفِینَ فِی الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَکُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِیهَا فَأُولَئِکَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِیرًا. إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِینَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیعُونَ حِیلَةً وَلَا یَهْتَدُونَ سَبِیلًا. فَأُولَئِکَ عَسَى اللَّهُ أَنْ یَعْفُوَ عَنْهُمْ وَکَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا}
[النساء: ۹۷ تا ۹۹]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہی۔ ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں۔ قریب ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

لوگوں سے بیعت لیتے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جن امور پر بیعت لی تھی وہ نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں وارد حدیث کی رو سے یہ تھی:

((أُبَايِعُكَ عَلٰى أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَتُقِيمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتُنَاصِحَ الْمُسْلِمِيْنَ وَتُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ)) [1]

"میں تم سے ان باتوں پر بیعت لیتا ہوں: تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو گے، نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرو گے اور کفار و مشرکین سے علیحدگی اختیار کرو گے۔"

نسائی و ابن ماجہ اور مستدرک کی ایک حدیث میں تو یہاں تک ارشادِ نبوی ہے:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ مُشْرِكٍ أَشْرَكَ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ حَتّٰى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ)) [2]

"اللہ تعالیٰ کسی ایسے مشرک کا جو مسلمان ہو کر شرک کرے، کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں داخل نہ ہو جائے۔"

ان آیات و احادیث اور دیگر دلائل و شواہد کے پیشِ نظر امام کعبہ شیخ محمد بن عبداللہ بن السبیّل نے اپنے ایک طویل مقالہ میں غیر مسلم ممالک کی نیشنلٹی حاصل کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ ان کا یہ تفصیلی مقالہ ماہنامہ "صوت الامہ" جامعہ سلفیہ بنارس میں شائع ہو چکا ہے۔

[1] مسند أحمد (4، 365) سنن البيهقي [9/13] الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث (636) [2] سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، الحاكم (4، 600) صحيح الجامع، رقم الحديث (7748) الصحيحة، رقم الحديث (369)

بیانِ سیرت اور نعت گوئی:

حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضوں میں سے آٹھواں تقاضا یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ بیان کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی حسن اور حسنِ اخلاق و کردار کو لوگوں میں پھیلایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و شان میں نعت گوئی و نعت خوانی حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا، ایک مشروع امر اور ایک سچے

[1] مسند أحمد (5،192۔193) أبو يعلى، بزار و طبراني الكبير۔ مجمع الزوائد (3،5،103) [2] صحيح البخاري (12،42) صحيح مسلم (1370)

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

مسلمان و محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ و شوق بھی ہے جو کہ نظم و نثر کے اشعار و عبارات کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ نعتِ رسلِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا فن ہے کہ جس میں تقریباً ہر مسلمان شاعر ہی نے طبع آزمائی کی ہے جبکہ حمدِ باری تعالیٰ پر طبع آزمائی کرنے والے شعراء کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اور اگر کسی نے کچھ حمدیہ قصائد نظم کیے بھی ہیں تو وہ نعتیہ قصائد و اشعار کے مقابلے میں بہت ہی کم ہیں۔ یہی معاملہ شعر خوانوں کا ہے کہ اکثر و بیشتر نعتیہ اشعار ہی پڑھتے نظر آئیں گے اور حمدیہ اشعار آپ ان سے کم ہی سنیں گے۔ محفلِ نعت کا انعقاد کیا جاتا ہے اور اس میں رات رات بھر نعتیں چلتی رہتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ شروع میں ایک آدھ حمد پڑھ دی جاتی ہے۔ کمیّت و گنتی کے اعتبار سے حمدیں تھوڑی اور نعتیں زیادہ لکھنا اور پڑھنا، کیا یہ حقِ باری تعالیٰ میں کوتاہی نہیں؟ جس طرح کمیّت و گنتی کے اعتبار سے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں افراط و غلو اور مبالغہ آمیزی کی جاتی ہے اسی طرح کیفیت و انداز میں بھی بہت ہی زیادہ غلو سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک شاعر کا کہنا ہے:

قبر میں فرشتوں سے آپ نے یہ فرمایا

جاؤ اس کو سونے دو یہ غلام میرا ہے

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

یہ مانتا ہوں اے عقل والو! کہ میرا محمد خدا نہیں ہے

مگر یہ سچ ہے عقل والو کہ وہ خدا سے جدا نہیں ہے

جائز اور مشروع انداز سے نعت گوئی و نعت خوانی کی جائے اور بیانِ سیرت و نعت گوئی و نعت نویسی اور نعت خوانی میں مکمل احتیاط کا دامن تھام کر رکھا جائے اور وہ اس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام و مرتبہ سے بلند کرنے کے معاملے میں یہود و نصاریٰ کی روش نہ اپنائی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ہے:

((لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ))[1]

"مجھے میرے اصل مقام سے اونچا نہ اٹھاؤ جس طرح کہ عیسائیوں نے مریم علیہا السلام کے بیٹے [حضرت] عیسیٰ [علیہ السلام] کو ان کے مقام سے اونچا اٹھا دیا [اللہ کا بیٹا بنا دیا] تھا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔" عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا تھا جیسا کہ خود قرآنِ کریم میں یہ وضاحت موجود ہے چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ } [التوبۃ: ۳۰]

" اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے، یہ بھی انھیں کی نقل کرنے لگے ہیں، اللہ انھیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں؟" صحیح ابن حبان، مسند احمد اور "عمل الیوم واللیلۃ" نسائی میں ہے کہ ایک

[1]صحيح البخاري، رقم الحديث (3445) مسند أحمد (1،23)

مرتبہ کسی صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے مخاطب کیا:

((يَا مُحَمَّدُ ! يَا سَيِّدَ نَا وَ ابْنَ سَيِّدِ نَا وَ خَيْرَ نَا وَ ابْنَ خَيْرِ نَا))

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے صاحبزادے! اے ہم سب میں سے افضل اور سب سے افضل کے صاحبزادے!"

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! عَلَيْكُمْ بِتَقْوَاكُمْ لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ، أَنَا مُحَمَّدُ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهُ، وَ اللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ)) [1]

"اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو، شیطان کہیں تمھیں میری محبت میں بھٹکا نہ دے، میں محمد بن عبد اللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ تم مجھے میرے اُس مقام سے اونچا اٹھا دو جس مقام پر اللہ نے مجھے رکھا ہے۔" مسلمان سیرت نگار و سیرت گو، نعت گو اور نعت خوان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بیٹا تو نہیں بناتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام سے بلند کر دینے کے لیے کئی دوسرے امور کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام الوہیت پر فائز کر دینا جیسا کہ ایک نعت گو کہہ گئے ہیں۔

وہی جو مستوئ عرش تھا خدا ہو کر

اتر پڑا مدینے میں مصطفی ہو کر

کبھی مولانا روم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کرتے ہوئے کہا:

[1]مسند أحمد (3،152) ابن حبان، رقم الحديث (2128 الموارد) عمل اليوم و الليلة للنسائي، رقم الحديث)2

اول و آخر توئی، ظاہر و باطن توئی

اور پھر انھی کی رو میں علامہ اقبال بھی بہہ گئے اور کہہ گئے: ع

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر جبکہ اول و آخر

اور ظاہر و باطن تو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا میں سے ہیں جیسا کہ سورۃ الحدید میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ } [الحدید: ۳]

"وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے سب سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔"

حرفِ کُن سے تمام امورِ کائنات کو سر انجام دینا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور کل کائنات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نے اپنی ایک نعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کرتے ہوئے یہ دونوں صفات ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھاتے میں ڈال دی ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

قادرِ کُل کے نائبِ اکبر

کُن کا رنگ دکھلاتے یہ ہیں

ان کے ہاتھ میں ہر کنجی ہے

مالکِ کُل کہلاتے یہ ہیں

ان کے نام کے صدقے جس سے

جیتے ہم ہیں، جلاتے یہ ہیں

ان کا حکم جہاں میں نافذ

قبضہ کُل پہ رکھاتے یہ ہیں

عام نعت گو شعراء اور نعت خوان حضرات سے قطع نظر اچھے بھلے شعرا بھی نعتیہ شاعری میں کتاب و سنت کی تعلیمات کی عدم پابندی و مبالغہ آمیزی پر اتر آتے ہیں اور ان شعراء و نعت خوان پر ہی بس نہیں کئی پڑھے لکھے لوگ بھی ان سے متاثر نظر آتے ہیں اور اپنی گفتگو میں ان اشعار کو استعمال کرتے ہیں، مثلاً ایک شاعر نے کہا ہے

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اس شعر میں مقدس قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عرشِ الٰہی سے بھی افضل و نازک تر قرار دے دیا گیا ہے۔ اور شانِ الٰہی میں شدید گستاخی کی انتہاء یہ ہے کہ ایک غلو پسند شاعر نے یہ تک کہہ دیا ہے۔

کعبے کی عظمتوں کا منکر نہیں ہوں میں

مکہ کا بھی کعبہ پیارے نبی کا روضہ

حبِ مصطفی کے نام پر ان لوگوں نے اسلامی عقائد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور کئی شاعر و نعت خوان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور اپنی بے عقلی کا مظاہرہ کرنے سے بھی باز نہیں آئے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

یا محمد بلانا ہو گا اپنا جلوہ دکھانا ہو گا

جبکہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر (۴) میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے پیچھے سے یا محمد یا محمد کہہ کر پکارنے والے اکثر لوگوں کو "بے عقل" قرار دیا ہے۔[1] [1]

[جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

اور بعض شعراء نے توحید ہی کر دی اور یہ تک کہہ دیا۔

اللہ کا پکڑا چھڑائے محمد

محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو پسندی و مبالغہ آمیزی پر مبنی اشعار کو جمع کرنا شروع کیا جائے تو گستاخیٔ الٰہی کا پتہ دینے والے اشعار کا ایک دیوان بن جائے۔

یہی حال بعض مقررین کا بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بیان کرتے ہوئے آدبِ الٰہی کی تمام حدود ہی کو پھلانگ جاتے ہیں۔ نعت گوئی اور بیانِ سیرت کے لیے یہ تحریریں مطلوب نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام و مرتبہ اور عظمتِ شان کو بیان کیا جائے جو قرآنِ کریم کی تعلیمات اور صحیح سند سے ثابت احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ہو۔ صحیح افکار و نظریات پر مشتمل نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی حقیقی ادائیگی کرنے والے شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، انھیں اپنے منبرِ مقدس پر بٹھا کر نعت سنانے کا حکم فرمایا اور ان کے لیے دعائیں کیں حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے ان کی

مدد و حمایت کی بشارت دی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے سنا:

((إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ لاَ يَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ))[1]

"بیشک جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہو گے اللہ تعالیٰ تمھاری مدد روح القدس [حضرت جبریل علیہ السلام] کے ذریعے کرتا رہے گا۔"

اسی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفَىٰ وَاسْتَشْفَىٰ))

"حسان رضی اللہ عنہ نے کفار کی ہجو کی، اہلِ ایمان کے دلوں کو شفاء و سکون مہیّا کیا اور [کفار و مشرکین کی دھجیاں بکھیر کر] خود بھی سکون و چین پایا۔" جبکہ صحیح بخاری و مسلم، نسائی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ہے:

((اُهْجُهُمْ ، أَوْ قَالَ : هَاجِهِمْ وَجِبْرِيْلُ مَعَكَ)) [1]

" ان مشرکین کی ہجو کرو اور جبریل علیہ السلام تمھارے ساتھ ہیں۔"

اسی طرح صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، اور مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا حَسَّانُ ! أَجِبْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ)) [2]

" اے حسان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے [ان مشرکین کی ہجو کا] جواب دو۔ [اور ساتھ ہی یہ دعاء فرمائی:] اے اللہ! روح القدس [حضرت جبریل علیہ السلام] کے ذریعے اس کی مدد فرما۔"

یہ تھے شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ صحیح مسلم میں ان کے بعض اشعار بھی مذکور ہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:1)

هَجَوْتَ مُحَمَّداً فَأَجَبْتُ عَنْهُ

وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذٰلِكَ الْجَزَاءُ

2) هَجَوْتَ مُحَمَّداً بَرّاً وَتَقِيّاً

رَسُوْلُ اللّٰہِ شِیْمَتُہُ الْوَفَائُ

[1] صحیح مسلم (4/1933، حدیث: 2486) صحیح الجامع (2522) [2] صحیح مسلم (4/1933، حدیث: 2485)

3) فَاِنَّ عِرْضَ بِاَبِیْ وَوَالِدِہٖ وَعِرْضِیْ

لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وَقَائُ [1]

"]اے کافر و مشرک!] تونے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا ہے اور اس پر ہمیں اللہ سے اجر و ثواب ملے گا۔[اے کافر و مشرک!] تونے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جو انتہائی نیک و صالح اور متقی و پارسا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے فرستادہ ورسول ہیں اور عہد کی پاسداری و وفاشعاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں داخل ہے۔ میرے باپ و دادا کی عزت اور خود میری آبرو، سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تم سے تحفظ کرنے کے لیے قربان ہیں۔" اور چند اشعار کے بعد فرمایا:

وَقَالَ اللّٰہُ: قَدْ أَرْسَلْتُ عَبْداً

یَقُوْلُ الْحَقَّ لَیْسَ بِہٖ خِفَائُ

وَقَالَ اللّٰہُ: قَدْ یَسَّرْتُ جُنْداً

ہُمُ الْأَنْصَارُ عَرْضَتُہَا اللِّقَائُ

لَنَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مِنْ مُعَدٍّ

سِبَابٌ أَوْ قِتَالٌ أَوْ ہِجَائُ

"اللہ کا ارشاد ہے: میں نے ایک بندہ بھیجا ہے جو حق و سچ بات کرتا ہے جس میں کوئی خفا و پردہ اور شک و شبہ نہیں، اور اللہ کا فرمان ہے:

[1] صحیح مسلم (4/1936، حدیث: 2490)

میں نے أنصارِ مدینہ کا ایک لشکر تیار کر دیا ہے جن کا کام ہی [کفار و مشرکین سے] مقابلہ کرنا ہے، ہمیں ہر روز بنی معد سے گالی گلوچ سننا، جنگ کرنا یا ہجو سننا پڑتا ہے۔"

مزید فرمایا:

فَمَنْ یَّہْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْکُمْ

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

وَيَمْدَحُهُ وَيَنْصُرُهُ سَوَآءٌ

وَجِبْرِيْلٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْنَا

وَرُوْحُ الْقُدُسِ لَيْسَ لَهُ كَفَاءٌ

"تم میں سے اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو و توہین کرے تو وہ اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی و نعت گوئی کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت میں لگا رہے ؟ اللہ کے بھیجے ہوئے حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے مابین موجود ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کا تو کوئی ہمسر و مد مقابل ہی نہیں ہے۔"

یہ ہیں صحیح معنوں میں نعت گو، مدح سرا اور حقیقی محبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسی ہی غلو و مبالغہ سے پاک نعت گوئی و نعت خوانی اور سیرت نگاری و سیرت بیانی حب مصطفی کا تقاضا ہے۔ ایسے ہی صحیح و صریح امور کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبان درازی کرنے والوں اور گمراہ کن پروپیگنڈا کرنے والوں کی زبان میں لگام دی جائے، نہ یہ کہ تحفظِ ناموسِ رسالت اور دفاعِ مصطفی کے جوش میں خود بھی پٹڑی سے اتر جائیں۔ ایسے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا لیکن:

1۔ ہمارے یہاں اللہ نبی وارث۔ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا وغیرہ کلمات کا استعمال عام ہے، جبکہ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ)) " جو اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹوک دیا اور فرمایا:

((أَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهِ عَدْلاً؟ بَلْ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ))[1]

"کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنا دیا ہے ؟ بلکہ صرف جو اللہ اکیلے نے چاہا وہی ہو گا۔"

2۔ اسی طرح ہمارے کچھ لوگوں بلکہ مولویوں کے ایک ٹولے کو ضد ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب باور کروائیں، یہی کچھ نعت گو اور نعت خوان بھی کرتے رہتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرما رکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ حب و شوق کے لیے نظم و نثر ہر دو طرح کی نعت گوئی و مدح سرائی مروّج تھی، اور بسا اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بعض عبارات و اشعار کی اصلاح بھی فرما دیا کرتے تھے بلکہ افراط و غلو اور مبالغہ آمیزی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعتیں افراط و غلو سے سراسر پاک تھیں۔ ان باتوں کی ایک

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

دلیل وہ واقعہ ہے جو ایک حدیث میں آیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت رُبَیِّع بنت معوّذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری شادی کے روز کی صبح کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو بچیاں رزمیہ اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے اور شہادت پانے والے میرے آباء واجداد کی مدح

[1] مسند أحمد (1/214) السلسلة الصحيحة (1/56-57)

سرائی کر رہی تھیں، اپنے اشعار ہی میں انھوں نے یہ بھی کہہ دیا:

''وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ۔''

''ہمارے مابین نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں جو کہ کل کو پیش آنے والے امور کو بھی جانتے ہیں۔''

یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا هٰذَا؟ فَلَا تَقُولُوهُ، مَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ)) [1]

''یہ کیا ہے؟ یہ نہ کہو، کل کو جو کچھ ہونے والا ہے اسے اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' جبکہ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

((دَعِي هٰذَا، وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ)) [2]

''یہ بات چھوڑ دو اور صرف وہی کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھی۔''

۹۔ دفاعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے تقاضوں ہی میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے خلاف اٹھنے والے ہر قلم کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور دفاع کیا جائے، یہ دفاع کرنا سننِ ربانیہ و قوانینِ الٰہیہ میں سے ہے اور سب سے پہلے یہ کام خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ } [البقرۃ: ۲۵۱]

''طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داود نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اُس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو دنیا تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اہلِ عالم پر بڑا مہربان ہی۔''

اسی طرح سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

{ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ } [الحج: ۳۸]

"اللہ تو مومنوں سے اُن کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے بیشک اللہ کسی خیانت کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔"

نیز سورۃ الحج ہی میں فرمایا:

{ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ } [الحج: ۴۰]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے۔ ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب، اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) خلوت خانے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے ویران ہو چکی ہوتیں اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اُس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک اللہ توانا اور غالب ہے۔" یہ بات فطرتِ انسانی کا حصہ ہے کہ حقیقی دوست اپنے محبوب کی مدد و نصرت کرتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کا ہر ممکن حد تک دفاع کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا تمام افرادِ امت پر واجب ہے۔

چنانچہ سورۃ الفتح میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا . لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا } [الفتح: ۸، ۹]

"اور ہم نے (اے نبی!) آپ کو حق ظاہر کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خوف دلانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ تاکہ (اے مسلمانو!) تم لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔"

جبکہ سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

{ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ } [الأعراف: ۱۵۷]

"وہ جو رسول کی، جو نبی اُمّی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو

نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔" غزوۂ تبوک میں جو اہلِ مدینہ بعض وجوہات کی بنا پر شریکِ جہاد نہ ہوئے تو انھیں تنبیہ کرتے ہوئے سورۃ التوبۃ میں فرمایا:

{ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ } [التوبۃ: ۱۲۰]

"اہلِ مدینہ کو اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو شایاں نہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں یہ اس لیے نہیں کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر اُن کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" ان آیات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دفاع ہر مسلمان پر فرض اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر حق ہے، لہٰذا انھیں اپنے ذاتی تحفظ و دفاع سے بھی زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفّظ و دفاع کرنا چاہیے۔

دفاعِ حدیثِ رسول:

دفاعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کا بھی دفاع کیا جائے اور ان کے خلاف پیدا کیے گئے اعتراضات و اشکالات کا بھی ازالہ کیا جائے۔ ان کا علمی طریقے سے مسکت و منہ توڑ جواب دیا جائے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر آج تک کے تمام علماء حدیث نے تو اپنی تمام تر قوتوں کو تحفّظِ حدیث و دفاعِ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز کر رکھا ہے۔

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ۔

حدیث و سنت اور سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے بعض ادارے بھی قائم کیے گئے ہیں جن میں سے مدینہ منورہ میں اسلامک یونیورسٹی [جامعہ اسلامیہ] سے ملحقہ ادارہ "مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ النبویۃ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی طرح بعض علم دوست اور اہلِ خیر نے سنت و سیرت کی خدمت سرانجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بڑے گراں قدر انعامات بھی مقرر کر رکھے ہیں جو ہر سال اہلِ علم کی خدمت میں بڑے اعزاز کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے "**جائزۃ صاحب السمو الملکی الأمیر نایف بن عبد العزیز لخدمۃ السنۃ و السیرۃ النبویۃ**" ایک قابلِ قدر اقدام ہے۔ **فَجَزَى اللّٰهُ الْقَائِمِيْنَ عَلَيْهِمَا۔**

دفاعِ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن:

دفاع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اہلِ بیت اور اولاد و احفاد رضی اللہ عنہم کا دفاع بھی آتا ہے، اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قرابتداروں کا بھرپور

دفاع کرے اور ان ستم گروں کا منہ توڑ جواب دے جو عفت مآب خاتون ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، صادقہ ومصدّقہ اور طاہرہ ومطہرہ رضی اللہ عنہا کی عصمت پر انگلی اٹھانے سے باز نہیں رہتے، جن کی عفت وعصمت اور براءت وطہارت کی گواہی اللہ تعالیٰ نے عرشِ بریں سے نازل فرمائی، چنانچہ سورۃ النور کے دوسرے رکوع کی دس آیات قیامت تک مسلمانوں کی زبان پر رہیں گی۔ ائمۂ دین اور علمائِ اسلام نے بلاخوفِ لومۃ لائم امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھرپور دفاع کیا حتیٰ کہ امام دار الہجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ صادر فرمایا تھا کہ جو شخص حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کیا جائے۔ لوگوں نے اس تفریق کی وجہ پوچھی تو موصوف نے جواب دیا کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو اس نے ان پر بہتان باندھا اور جس نے ان پر بہتان باندھا تو اس نے گویا قرآنِ کریم کی تردید کی اور اس پر ایمان نہ لایا جبکہ اللہ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے:

{ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ } [النور: ۱۷]

''اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا (کام) نہ کرنا۔''

اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ پر ہی بس نہیں بلکہ ان کفار کے بعض حاشیہ برادر اور بقلم خود ماڈریٹ مسلمان خصوصاً روافض وشیعہ بھی انھی کی دیکھا دیکھی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طعن وتشنیع کا ہدف ونشانہ بناتے ہیں حالانکہ ان کی براءت اور طہارت وپاکدامنی کی گواہی نہ وہ خود دے رہی ہیں نہ ان کا کوئی قریبی عزیز بلکہ ان پر لگائے گئے بہتان کی تردید خود ربِ کائنات نے قرآنِ کریم میں فرمادی ہے اور صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ انھیں اس اِفک وبہتان سے بَری قرار دے دیں بلکہ ساتھ ہی ان کے حسنِ کردار کی سند ''طیبہ'' بھی عطا فرمائی ہے۔ (دیکھیے آیاتِ سورۃ النور)

لیکن پھر بھی کچھ لوگ اپنے خبثِ باطن کے اظہار کے لیے زبان درازی کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بدزبانی کا دفاع کرتے ہوئے سلفِ امت نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تبرّا کرنے والے شخص کو قتل کر دیا جائے چنانچہ عباسی خلیفہ المستعین باللہ کے زمانے [۲۵۰ھ] میں طبرستان کے علوی حاکم اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسل وخانوادے کے چشم وچراغ حسن بن زید (الأعلام للزركلي: ۲/ ۱۹۱) کے پاس ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدزبانی کی تو وہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اپنے غلام کو حکم دے دیا: ''يَا غُلَامُ! اِضْرِبْ عُنُقَهٗ۔'' (اے غلام! اسے قتل کر دو)

علویوں [شیعوں] نے کہا کہ یہ شخص تو ہماری ہی شیعہ جماعت کا فرد ہے، اس پر حسن بن زید نے کہا:

''مَعَاذَ اللّٰهِ! ہٰذَا الرَّجُلُ طَعَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔''

''معاذ اللہ! اس آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کیا ہے۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ارشادِ فرمایا ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

{اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ} [النور: ٢٦]

"ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے یہ (پاک لوگ) ان کی باتوں سے بَری ہیں (اور) ان کے لیے بخشش اور نیک روزی ہے۔" اگر اس آدمی کے بقول [خاکش بدہن] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خبیث ٹھہریں تو [نعوذ باللہ] نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسی تہمت عائد ہو سکتی ہے لہٰذا یہ شخص کافر ہے اسے قتل کر دو۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔[1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جس الزام سے اللہ تعالیٰ نے بَری قرار دے دیا ہے اس کو لے کر ان پر طعنہ زنی و بہتان تراشی کرنا قاضی ابو یعلی کے نزدیک کفر ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کئی ائمہ نے اس کا یہی حکم ذکر کیا ہے اور متعدد اہلِ علم و نظر نے اس بات پر اجماع ہونا بیان کیا ہے جس کی تفصیلات شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب الصارم المسلول (ص: ٥٦٥، ٥٦٦) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی دوسری ام المؤمنین زوجۂ رسول کو گالی دی یا برا بھلا کہا اس کا بھی دو میں سے صحیح ترین قول کی رو سے وہی حکم ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعنہ زنی کرنے والے کا ہے کہ وہ بھی بلا اختلاف کافر و مرتد اور واجب القتل ہے۔[2] (الصارم المسلول، ص: ٥٦٧)

اسی طرح ائمہ و علما کے کئی فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

[1] الصارم المسلول لابن تیمیة (ص:566) [2] الصارم المسلول (ص 567)

کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں نقل کیے ہیں۔[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنے والے کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کافر اور قرآن کا منکر ہے اور اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔[2]

دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

دفاع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی دفاع کیا جائے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور ساتھی تھے، ان کے فضائل اور مقام و مرتبہ کا تذکرہ ہم "حب احبابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے زیرِ عنوان کر چکے ہیں لہٰذا انھیں دہرانا تحصیل حاصل ہے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۱۰۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت:

حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضوں ہی میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے ناموسِ رسالت کا تحفّظ کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و آبرو کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ پھوڑ دی جائے، ہر انگلی توڑ دی جائے، بدزبانی و گالی گلوچ کرنے والی ہر زبان گدی سے کھینچ لی جائے اور ہر سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ عزت و ناموسِ رسالت کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے چاہے اس کے لیے جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی پڑے یا اپنے اہل و عیال اور دولت و مال ہی سے ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت کے لیے ہمارے سلف صالحینِ امت نے بڑی روشن مثالیں قائم فرمائی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ سنن ابی داود اور بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

[1]الصارم المسلول [ص: 566] [2] تفسیر ابن کثیر [3/276]

((إِنَّ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَشْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ وَتَقَعُ فِيهِ، فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتَّى مَاتَتْ، فَأَبْطَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَمَهَا)) [1]

"ایک یہودی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے درپے رہتی تھی، ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹا حتیٰ کہ وہ مر گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے خون کو باطل و رائیگاں قرار دے دیا۔"

۲۔ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جو کہ ابو داود اور سنن نسائی میں ہے، اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی کے پاس ایک کنیز تھی جو کہ اس کے بچوں کی ماں [ام ولد] ہو گئی تھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے درپے رہتی، وہ اسے روکتے اور زجر و توبیخ کرتے مگر وہ باز نہ آتی تھی، ایک رات اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا شروع کیا اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تو اس صحابی نے چھوٹے سائز کی تلوار نکالی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ اور خود اس کے اوپر ٹیک لگالی اور اسے قتل کر دیا۔ صبح معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا اور وہ صحابی کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی اور ہتک آمیز الفاظ نکالتی تھی، میں نے اسے بہت روکا ٹوکا مگر وہ باز نہیں آ رہی تھی اور اس سے میرے دو بچے بھی ہیں جو کہ خوبصورت موتیوں جیسے ہیں۔ وہ خود بھی میرے لیے بڑی معاون و نرم خو تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتی تھی لہٰذا میں نے اسے قتل کر دیا۔ اس

[1]سنن أبي داود، رقم الحديث (4326) سنن البيهقي (9/200) وصححه الألباني في إرواء الغليل (5/91)

حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا اشْهَدُوا إِنَّ دَمَهَا هَدَرٌ)) [1]

"خبر دار! گواہ رہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں گیا ہے۔" یعنی اس کی کوئی قیمت نہیں، نہ اس کا قصاص ہے بلکہ اس کے جرم بدزبانی و توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس کے خون کی کوئی قیمت ہی نہیں رہی۔

۱۱۔ نصرتِ رسول:

محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حبِّ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بھرپور اور گیارہواں تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ ہر ممکنہ طریقہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وہ فریضہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے صرف امتِ اسلامیہ پر ہی نہیں بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھی عائد فرمایا تھا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں "میثاقِ انبیاء علیہم السلام" کا ذکر آیا ہے جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

{ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ } [آل عمران: ۸۱]

"اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت و دانائی عطا کروں پھر تمھارے پاس ایک پیغمبر آئے جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اُس پر ایمان لانا ہو گا اور ضرور

[1] سنن أبي داود (4361) سنن النسائي (2، 171) وصححه الألباني في إرواء الغليل (5، 92)

اُس کی مدد کرنی ہو گی (اور یہ عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اُس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا؟) انھوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔" اس آیت کی تفسیر میں اگرچہ ایک دوسرا معروف قول بھی ہے مگر یہ تفسیر بھی کی گئی ہے اور اس پہلی تفسیر کا مفہوم اس تفسیر کو بھی شامل ہے۔

سورہ التوبہ میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر یہاں تک فرمادیا ہے کہ اگر تم میرے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ وہ خود مدد کر سکتا ہے اور اس سے پہلے بھی اس نے مدد کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

{ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ } [التوبة: ۴۰]

"اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تمھیں یاد ہو گا) جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں دوسرے (خود رسول اللہ) تھے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمھیں نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور کلمہ تو اللہ ہی کا بلند ہے اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

یہ نصرتِ الٰہی تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو حاصل تھی اور تمام اہلِ ایمان کو قیامت تک حاصل رہے گی جیسا کہ سورہ المؤمن میں ارشادِ الٰہی ہے : {اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ} [المؤمن: ۵۱]

"ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور (تب بھی مدد کریں گے) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کو بھی)۔" جبکہ سورہ الحشر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرنے والوں کو "صادقین" قرار دیا اور فرمایا:

{ لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ } [الحشر: ۸]

"(مالِ فیٔ) ان مفلسانِ تارک الوطن کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ صادقین (سچے ایماندار) ہیں۔" سورۃ الاعراف میں فوز وفلاح کے مستحق ہی ان لوگوں کو قرار دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ونصرت کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

{ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰىھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ } [الأعراف: ۱۵۷]

"وہ جو رسول کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انھیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔" نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی شکلیں ہیں:

۱۔ حصولِ علم وعمل سے۔

۲۔ دعوت وتبلیغِ دین سے۔

۳۔ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی جدوجہد سے۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وفضائل بیان کرنے سے۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیے جانے والے گمراہ کن پروپیگنڈے کے دفاع سے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے:

غرض نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد طریقے اور مختلف شکلیں ممکن ہیں جن میں سے مختلف سطحوں پر قابلِ عمل بعض طریقے یہ ہیں۔

ا۔ انفرادی سطح پر:

ا۔ قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے ان دلائل کا علم حاصل کیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور اقتداء و پیروی کے واجب ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مقام و مرتبہ کا پتہ دیتے ہیں۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ و خصالِ کریمہ کے استحضار کے ساتھ اپنے دلوں میں حب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش ثبت کیے جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دنیا کی ہر چیز کی محبت پر غالب کیا جائے۔ تاکہ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا حصول ممکن ہو۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن کا بھرپور ادب و احترام کیا جائے۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مشتمل مستند و معتبر کتب کا مطالعہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی کے روز و شب کا جائزہ لے کر اپنی کوتاہیوں کو دور کیا جائے۔[1]

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی بھی سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و عملِ مبارک سے استہزاء و تمسخر کریں اور ہر اس شخص سے دلی نفرت کریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی تضحیک کرے۔

۲۔ خاندانی و معاشرتی سطح پر:

۶۔ بچوں کی اس انداز سے تربیت کریں کہ وہ محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنیں، اس کے لیے اپنے گھر کی لائبریری میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل کتابوں، سی ڈیز اور رسائل کو جمع کرنا، اور ہفتے وار یا کم از کم ماہانہ ایک درس کا اہتمام

[1] سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ہر زبان میں اہلِ علم کی بکثرت کتابیں موجود ہیں جبکہ خود راقم کی اس موضوع پر زیر مطالعہ کتاب کے علاوہ بھی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں: 1 آئینہ نبوت۔ 2 سیرۃ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَمِنْہُ التَّوْفِیْقُ وَالْقَبُوْلُ۔

کرنا ضروری ہے جس میں سارے گھر والے شرکت کریں۔

۷۔ بچوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ مسنون و ماثور اذکار و دعائیں یاد کروائی جائیں اور انھیں اخلاق و اعمالِ مسنونہ کا عادی بنایا جائے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۳۔ تعلیمی اداروں کی سطح پر:

۸۔ تعلیمی اداروں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ایک لازمی مضمون کا اضافہ کیا جائے اور اس موضوع پر خصوصی لیکچرز کا اہتمام کیا جائے۔

۹۔ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں سیرت چیئرز قائم کروانے کے لیے ہر ممکن کوشش اور تعاون کیا جائے۔

۱۰۔ سیرت کے موضوع پر لکھی گئی کتب ورسائل کو عام کیا جائے اور ان کے مؤلفین کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ نئے لوگ بھی آگے بڑھیں۔ نیز پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات میں سیرت نگاری کو خاص اہمیت دی جائے۔

۱۱۔ مدارس وجامعات [سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں] میں سیرت نمائشیں لگائی جائیں اور طلبہ وعوام کو سیرت کے تمام گوشوں سے روشناس کروایا جائے۔ اور لائبریریوں میں سیرت سے متعلقہ زیادہ سے زیادہ کتب کے لیے باقاعدہ ایک کارنر مخصوص کیا جائے۔

۱۲۔ سیرت انسائیکلوپیڈیا تیار کروایا جائے اور اسے مختلف زبانوں میں ترجمہ کرکے عام کیا جائے۔

۱۳۔ طلباوطالبات میں ہر سال ملکی وعالمی سطح پر مقالہ نویسی کا ایک مقابلہ کروایا جائے جس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بہترین مقالات پر قیمتی انعامات کا اعلان ہو۔

۴۔ ائمہ مساجد، دعاۃ و مبلّغین اور طالب علموں کی سطح پر:

۱۴۔ اپنے خطبات ودروس اور لیکچرز میں دعوت ورسالتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص بیان کرنے کا خصوصی اہتمام کریں۔

۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار ومشرکین اور منافقین کے ساتھ تعلقات کو بیان کریں۔

۱۶۔ نماز کے دوران تلاوت کی گئی خصوصاً ان آیات کی چند منٹوں کے لیے تفسیر و تشریح بیان کی جائے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق سے تعلق رکھنے والی ہوں۔

۱۷۔ تحفیظ القرآن کے حلقات کے ساتھ ساتھ ہی بچوں اور نوجوانوں میں تحفیظ السنۃ والسیرۃ کا شوق و جذبہ پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے انعامات رکھے جائیں۔

۱۸۔ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی و گستاخی اور ناموسِ رسالت کی خلاف ورزی کرے، اس کے بارے میں ائمہ وعلماء کے فتاویٰ کی روشنی میں اس کا حکم بیان کیا جائے اور ایسے لوگوں سے براءت وبیزاری کا اظہار کیا جائے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۱۹۔ غلو و مبالغہ آمیزی کی قباحت سے لوگوں کو قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل کی روشنی میں آگاہ کیا جائے اور اس کے لیے تمام ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور انٹرنیٹ وغیرہ کو بروئے کار لایا جائے۔

۲۰۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پیدا کیے گئے اعتراضات کا رد اور اشکالات کا ازالہ کیا جائے اور اس کے لیے لوگوں کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مصادر کے مطالعہ کی تاکید کی جائے۔

۵۔ پڑھے لکھے لوگوں، مفکرین، صحافیوں اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی سطح پر:

۲۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے خصائص کو لوگوں میں نمایاں کریں اور صحافتی و ثقافتی مواقع پر اس سے متعلقہ مقالات و مضامین اور خطابات و لیکچرز کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

۲۲۔ مغربی و یہودی میڈیا کے پیدا کردہ ان تمام اعتراضات کا معقول علمی رد کیا جائے اور ہمارے دین و نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے اٹھائے ہوئے شبہات و اشکالات کا ازالہ کیا جائے۔

۲۳۔ منصف مزاج غیر مسلم سکالروں کے انٹرویوز کے ذریعے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کی وضاحت کی جائے اور غیر مسلم لوگوں کے ان اقوال کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے جن میں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و مدح سرائی کی ہے۔

۲۴۔ مختلف فورمز اور سمپوزیمز کا انعقاد کیا جائے اور سیرت نگاری [مضامین و مقالات، کتب و رسائل] پر انعامی مقابلے کروائے جائیں۔

۲۵۔ اخبارات کے چیف ایڈیٹرز اور ٹی وی سیٹلائیٹ چینلز کے کارپردازوں کو یہ تجاویز پیش کی جائیں کہ وہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خصوصی تحریریں اور پروگرامز پیش کرنے کا اہتمام کریں۔

۲۶۔ آڈیو، ویڈیو، سیڈیز اور مختلف قسم کے پروگرامز تیار کرنے والے اداروں کو اس بات کی ترغیب دلائی جائے کہ وہ خوبصورت اور جاذب و دلکش انداز سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

۶۔ دعوتی و خیراتی اداروں کی سطح پر:

۲۷۔ ملکی و عالمی سطح پر لگائی جانے والی نمائشوں میں خصائصِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی کتب اور آڈیو، ویڈیو کیسٹس و سیڈیز کی نمائش کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

۲۸۔ سنت و سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر سالانہ ایک انتہائی معیاری و اعلیٰ ایوارڈ دیا جائے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۲۹۔ مختلف زبانوں میں لکھی گئی کتبِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طباعت اور نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور انھیں دنیا کی تمام پبلک و سکول اور کالج و یونیورسٹی لائبریریز تک پہنچایا جائے۔

۳۰۔ ایک ہفت روزہ، ماہنامہ یا سہ ماہی مجلہ نکالیں جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا اہتمام کرے۔ ۳۱۔ نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مخصوص فنڈ قائم کیا جائے جس سے کتبِ سیرت کی تالیف و ترجمہ اور انٹرنیٹ پر ویب سائیٹس کھولنے والے لوگوں کا بھرپور تعاون و حوصلہ افزائی کی جائے۔

7۔ انٹرنیٹ پر کام کرنے والوں کی سطح پر:

۳۲۔ دینِ اسلام کے محاسن و امتیازات اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام کو نمایاں کرنے والا ایک گروپ تیار کیا جائے۔

۳۳۔ غیر مسلموں سے مذاکرات اور ڈائیلاگ کے ذریعے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیا جائے اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور انھیں دینِ اسلام اور نبی اسلام کے بارے میں سٹڈی و مطالعہ کی دعوت دی جائے۔

۳۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و عفت سے متعلقہ ای میلز کی ترسیل پر خصوصی توجہ دی جائے۔

۸۔ اہلِ ثروت و مخیر حضرات اور حکومتی سطح پر:

۳۵۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام سرگرمیوں کا بھرپور مادی و معنوی تعاون کیا جائے۔

۳۶۔ انگلش اور دیگر زبانوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں کام کرنے والے ریڈیو، ٹی وی سٹیشنز، سیٹلائیٹ چینلز اور اخبارات کا اجرا کیا جائے۔

۳۷۔ مغربی میڈیا [ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات] میں معاوضے پر چند منٹ ہائر کیے جائیں جن میں اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مواد پیش کیا جائے۔

۳۸۔ مدینہ منورہ میں مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ کی طرح سیرت نگاری پر خصوصی مراکز کا قیام عمل میں لایا جائے جن میں تیار کی جانے والی کتب کا انگلش اور دیگر مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی کروایا جائے۔

۳۹۔ انٹرنیٹ پر سیرت سائیٹس قائم کی جائیں، محاسنِ اسلام اور اخلاقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کتب، آڈیو اور ویڈیو کیسٹس و سیڈیز کی عام نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

۴۰۔ دعوتی و تبلیغی اور تعلیمی مقابلوں خصوصاً سیرت نگاری و سیرت بیانی کے مقابلوں کا بھرپور مالی تعاون کیا جائے۔ [1]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۴۱۔ ہر سطح کے تمام مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے اور ناموسِ رسالت کے درپے ہونے والوں کے خلاف بھرپور و پر امن احتجاج کریں جو کہ تشدد و تخریب کاری اور گھیراؤ جلاؤ سے قطعاً خالی ہو۔ اسلامی حکومتیں، سرکاری و غیر سرکاری ادارے، علمی و ثقافتی اور دینی و صحافتی تنظیمیں، سربرآوردہ شخصیات اور تمام مراکزِ اسلامیہ اپنے اپنے انداز سے احتجاج کریں۔

۴۲۔ احتجاجی مقالات و مضامین لکھے جائیں۔ ریڈیو، ٹی وی اور سیٹلائیٹ چینلز پر احتجاجی پروگرام پیش کیے جائیں اور ان لوگوں کی بھرپور مذمت کی جائے جنھوں نے ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب کی وزراء کیبنٹ نے سخت مذمت کی، سعودی مجلسِ شوریٰ نے ان کے اس ہتک آمیز رویے پر سخت احتجاج کیا تھا اور رابطۂ عالمِ اسلامی نے بھی ان کے

[1]ماخوذ از 100، وسیلۃ لنصرۃ المصطفیٰ از سلیمان بن حمد، طبع دار القاسم الریاض۔

اس فعل کی سخت مذمت کی تھی۔ ۴۳۔ جو لوگ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بھی اقدام کریں اور ان کی حکومتیں انھیں کوئی لگام نہ دیں تو ان ملکوں سے سفارتی تعلقات منقطع یا کم از کم محدود کر دیے جائیں جیسا کہ ہتک آمیز خاکوں کی اشاعت پر سعودی عرب نے ڈنمارک سے اپنے سفیر کو واپس بلا کر ایک بہترین مثال قائم کر دی ہے۔

۴۴۔ اس ملک کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں بھی سعودی عرب تمام عالمِ اسلام سے سبقت لے گیا تھا۔ تمام دوکانیں، سٹورز اور بڑی بڑی سوپر مارکیٹ ڈینش پروڈکٹس سے خالی ہو گئی تھیں۔ اس اقتصادی بائیکاٹ کو معروف سعودی علما میں سے شیخ عبد اللہ ناصر البراک اور کئی دیگر علما کرام نے ایک اچھا اقدام قرار دیا تھا۔ اور اس بات کو علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے کلام سے بھی بھرپور تائید حاصل ہوتی ہے جس کا ایک اقتباس تھوڑا آگے چل کر "اقتصادی بائیکاٹ" کے زیرِ عنوان آرہا ہے۔

یہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں:

سابقہ سطور میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ بیان کی جائے، لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمالِ ذات اور اعلیٰ اخلاق و صفات بتائے جائیں اور نظم و نثر میں ہر طرح اس تقاضے کو پورا کیا جائے مگر سیرت کا بیان ہو یا نعت گوئی و نعت خوانی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام و مرتبہ سے بلند کر کے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ((لَا تُطْرُونِي)) [1] "مجھے میرے مقام سے اونچا نہ اٹھاؤ" کی نافرمانی نہ کی جائے جبکہ شعراء اور خصوصاً نعت خوانوں کا ایک ٹولہ اس گناہ کو

[1]صحيح البخاري (204,4)

ثواب سمجھ کر بڑے دھڑلے سے سرانجام دے رہا ہے جن میں سے بعض کے چند نعتیہ اشعار ہم نے آپ کی خدمت میں پیش بھی کر دیے ہیں۔ اسی طرح حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں شیعہ و سنی اور خصوصاً صوفی مشرب لوگوں نے بھی خوب خوب اس حکمِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیاں کی ہیں اور غلو و مبالغہ آمیزی کی حد کر دی ہے۔ جس کے اصل اسباب یہ ہیں:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۱۔ دین کی اصل روح و تعلیم سے جہالت و ناواقفیت۔

۲۔ خواہشات و ہوائے نفس کی پیروی۔

۳۔ موضوع و من گھڑت روایات پر اعتماد۔

۴۔ ادیانِ سابقہ کے پیروکاران (یہود و نصاریٰ) سے اثر پذیری وغیرہ۔[1]

سب سے پہلے شیعہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدِ بشریت سے خارج قرار دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقامِ الوہیّت پر جا بٹھایا، کبھی انھیں "روح الالٰہ" قرار دیا، کبھی "نبی" کہا اور انھیں اور ان کی آل و اولاد کو "معصوم" قرار دے دیا۔ غلو و مبالغہ کا دروازہ اگرچہ شیعہ نے کھولا مگر صوفی منش اہلِ سنت بھی ان سے پیچھے نہ رہے بلکہ علامہ ابن خلدون نے وحدۃ الوجود کے باطل عقیدے کو رد کرتے ہوئے تشیّع اور تصوف کا قریبی ناطہ بیان کیا ہے اور قطب، ابدال اور نقباء کے بارے میں مشترکہ شیعہ و صوفی موقف ذکر کیا ہے۔[2]

عقیدۂ حلول [اللہ تعالیٰ کو ہر چیز میں ماننے] کو سب سے پہلے کھلے عام پیش کرنے والے شخص حسین بن منصور الحلاج نے [جس کا دادا فارسی مجوسی تھا]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: محبة النبي ﷺ بين الإتباع و الابتداع، تاليف شيخ عبدالرؤف محمد عثمان (ص: 147تا153) [2] دیکھیے: مقدمة ابن خلدون، (ص: 473) محبة النبي ﷺ (ص: 161،162)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں پیش کیں: ایک نورانی ازلی قدیم، دوسری نبوی مادی مُحدَث۔ چنانچہ اس کے دعوائے الوہیّت (أنا الحق) کے نتیجہ میں اسے زندیق و ملحد قرار دیتے ہوئے ۳۰۹ھ میں [اس وقت کے مرکز العلم والعلماء شہر] بغداد کے قاضی نے اسے ایک ہزار کوڑے لگوائے اور دونوں پاؤں کٹوائے، گردن اتروائی اور اس کے جسدِ خاکی کو آگ لگوا کر اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہادی تھی۔ اس حلاج نے اپنے بہت سے اشعار میں اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے حلول کر جانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقام سے اونچا اٹھالے جانے کی گستاخیاں کی ہیں لیکن اہلِ بغداد ائمہ و علماء نے جس شخص کو بالاجماع دجّال و ساحر اور زندیق و ملحد قرار دے کر سزائے موت دی تھی صوفی گروہ کے اکثر لوگ آج بھی اسے ولی اور اس کی موت کو موتِ شہادت مانتے ہیں!! یہی یا اس کے قریب قریب ہی صوفیوں کے شیخ اکبر، کبریتِ احمر اور محی الدین ابن عربی کے نظریات بھی ہیں۔[1]

یہ حبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ناموسِ رسالت کے منافی امور ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ ابن عربی صوفی تھا جبکہ امام ابن العربی ایک بہت بڑے محدّث و فقیہ تھے۔ پہلے کا نام الف لام تعریف سے خالی ہے جبکہ دوسرے نام سے پہلے الف لام تعریف موجود ہے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

یہ کہاں کی نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے؟

اسی طرح نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا جو طریقہ بعض لوگ اپنا لیتے ہیں،

[1]تفصیل کے لیے دیکھیں: محبۃ الرسول ﷺ (ص: 165 تا 171)

گھیراؤ جلاؤ، توڑ پھوڑ، آتش زنی، تخریب کاری اور قتل وغارت۔ یہ کہاں کی محبت ہے؟ پر امن و بے ضرر انداز سے دنیا کو اپنے غم و کرب کا پتہ ضرور دیں، ان کی گستاخیوں کی پر زور مذمت کریں، ان ملکوں کی مصنوعات بلکہ ہر کافر ملک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں لیکن اپنے ہی بھائیوں کے گلے تو نہ کاٹیں۔ اپنے ہی ملکوں کی املاک تو تباہ نہ کریں۔ اس طرح کے پر تشدد احتجاج اور مظاہروں کو کفار تشدد و انتہاء پسندی قرار دے کر مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے لگے ہیں۔ موجودہ دور میں یہودی سازشیں اسلام اور مسلمانوں کے ارد گرد ایک مضبوط جال بچھا چکی ہیں۔

احتجاج یا.....:

توہینِ رسالت یا کسی بھی ایسے مسئلہ میں احتجاج کے دوران مختلف جگہوں پر جو توڑ پھوڑ والا ردعمل سامنے آتا ہے وہ نہ تو اسلامی تعلیمات سے ہی لگا کھاتا ہے اور نہ ہی اخلاقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کوئی توجیہہ بنتی ہے بلکہ بعض سیاسی عوامل اور دیگر سازشوں کے نتیجہ میں بعض جگہوں پر تو احتجاج کو ایک طوفانِ بدتمیزی کی شکل دے دی جاتی ہے۔ احتجاجی جلوس روانہ ہو جائے تو پھر اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو خش و خاشاک کی طرح بہائے روندے چلا جاتا ہے۔ گورنمنٹ یا نجی بس ہو، کسی کی نئی و قیمتی کار ہو یا موٹر سائیکل، اسے آگ لگانا اور اس کی توڑ پھوڑ کرنا شرکائِ جلوس اپنا فرض سمجھتے ہیں، بھلا ان اشیاء کے مالکان کا کیا قصور ہے؟ آج کل کے احتجاجی جلوسوں اور ہڑتالوں میں اپنا ہی کروڑوں بلکہ اربوں کا نقصان کر دیا جاتا ہے اور یوں ہم اپنے نقصان کے ساتھ ساتھ کافروں کو اپنا مذاق اڑانے کا موقع بھی مہیا کر دیتے ہیں۔

پر تشدد جلوسوں اور ہڑتالوں کی وجہ سے سکولوں، کالجوں، دفتروں اور کارخانوں بلکہ تمام کاروباری اداروں میں بلا وجہ و چھٹی ہو جاتی ہے۔ کوئی دکاندار حتیٰ کہ ریڑھی والا بھی کام پر نہیں نکلتا کہ کہیں توڑ پھوڑ اور زدوکوب کا شکار نہ ہو جاؤں بلکہ یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں جان سے ہی نہ جاؤں، ہسپتالوں سے ڈاکٹرز اور دوسرا عملہ غائب ہونے کی وجہ سے کئی مریض جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور پہیہ جام قسم کی ہڑتالوں میں تو کئی مریض ہسپتال پہنچنے کی بجائے اگلی دنیا میں جا پہنچتے ہیں۔ ان جانی نقصانات کے علاوہ ان ہڑتالوں کے ملکی معیشت پر جو برے اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ ماہرین اور اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ایسے پر تشدد احتجاج و مظاہرات کہاں کی حب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے؟

اقتصادی مقاطعہ اور معاشی بائیکاٹ۔۔۔براءت کا ایک اہم ترین تقاضا:

موجودہ حالات میں یہ حقیقت اپنے پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ دور محض جذباتی نعروں اور پر تشدد مظاہروں کا نہیں بلکہ ٹھوس بنیادوں پر تحفّظِ ناموسِ رسالت اور بقائِ اسلام کی منصوبہ بندی کا ہے۔ مغرب کی دوغلی پالیسیوں کے بارے میں مسلم حکّام و عوام کو شعور و بیداری سے کام لینا چاہیے اور اپنی ذاتی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر کفار سے تجارتی و سفارتی تعلقات پر غور کرنا چاہیے، اقتصادی تعلقات و روابط پر نظر ثانی کی جائے اور ڈنمارک وغیرہ ممالک کے صرف دودھ، دہی، گوشت اور گھی ہی کا بائیکاٹ نہ ہو بلکہ اس ملک اور دیگر تمام کافر و گستاخ ملکوں کی غذائی

اشیاء، دوائی مواد اور دیگر مصنوعات کا بھی بائیکاٹ ہو اور ان ممالک میں سے خاص طور پر وہ تمام ممالک ذہن میں رکھیں جن کے اخبارات نے توہین آمیز خاکوں کو شائع کیا ہے، جن میں سے ڈنمارک کے بعد ناروے، فرانس، اٹلی، نیوزی لینڈ، پرتگال، سپین، ہنگری، سوئٹزرلینڈ، گرین لینڈ، بیلجیم، بلغاریہ، ارجنٹائن، آئرلینڈ، جنوبی افریقہ، چیکوسلواکیا، کینیڈا، آسٹریلیا، اسرائیل، برطانیہ اور امریکہ بھی ہیں۔

ان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ ضروری ہے۔ اور ایسے بائیکاٹ کو بعض کبار علمانے ایک مستحسن قدم قرار دیا ہے جبکہ اس اقتصادی بائیکاٹ کی تائید توسعودی عرب کے چوٹی کے علماء میں سے علّامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ انھوں نے یوگوسلاویہ [بوسنیاہرزی گوینا] کے مسلمانوں کے بارے میں اپنا موقف یہ اختیار کیا تھا کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے لیے فتح و نصرت کی دعائیں کریں اور یہ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلم حکّام کو اس بات کی ہدایت و توفیق دے کہ وہ ہر اس شخص کا بائیکاٹ کریں جو ان مسلمانوں کے ساتھ برسرِپیکار یا اس کا مددگار ہے۔ اور اگر تمام مسلم امہ ہی نصاریٰ اور ان کے معاونین کا بائیکاٹ کر دے تو یہ بہت ہی موثر ثابت ہو سکتا ہے اور نصاریٰ وغیرہ کو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان قوم ایک بہت بڑی قوت ہے۔[1]

کفار سے محض زبانی اظہارِ بیزاری یا اظہارِ نفرت ہی کافی نہیں بلکہ ہر وہ عملی صورت اختیار کرنا واجب ہے جس سے کفار شکست سے دوچار ہوں اور ان سے مسلمانوں پر ظلم کا انتقام لیا جا سکے، سورۃ التوبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ } [التوبۃ: ۱۲۰]

[1]ماخوذ از :اعظم انسان، منوعات نصرة الرسول صلى الله عليه وسلم ، الجمعية الخيرية لتحفيظ القرآن سی ڈی۔

"اہلِ مدینہ کو اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو شایاں نہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں یہ اس لیے نہیں کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر اُن کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"
ابوداود، نسائی، ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ)) [1]

"مشرکین کے خلاف اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔" اس حدیث شریف میں مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنے مالوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مال کے ساتھ جہاد کرنے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ مجاہدین کو جہاد کے لیے اپنے مال مہیا کیے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ کفار کو اپنے مال سے فائدہ نہ اٹھانے دیا جائے، ان سے معاشی مقاطعہ و بائیکاٹ کیا جائے، ان کی اقتصادیات کو خسارے سے دوچار کر کے ان کی کمر توڑی جائے، چنانچہ سنن ابی داود اور المختارہ للضیاء المقدسی میں وارد اس ارشادِ نبوی کا یہی مفہوم ہے:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

((مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطَىٰ لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدْ اِسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ)) [2]

[1]صحيح الجامع (3090) [2] صحيح الجامع (5965) الصحيحة (380)

" جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے دشمنی کی، اللہ کے لیے اپنا مال دیا اور اللہ کے لیے روک لیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔"

مشرکینِ مکہ کا بائیکاٹ:

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں سال تمام مشرکینِ مکہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاشی مقاطعہ و بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تو تمام مسلمان شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، غلہ اور سامانِ خور و نوش کی آمد بند ہو گئی، محصورین کی یہ حالت ہو گئی کہ انھیں درختوں کے پتے اور چمڑا تک کھانا پڑا، بھوک سے بلکتے اور روتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی سے باہر تک سنائی دیتیں، اگر محصورین بیرونی تاجروں سے کوئی چیز خریدنا چاہتے تو مشرکینِ مکہ تاجروں سے خور و نوش کی چیزیں اتنے مہنگے داموں خریدنے کے لیے تیار ہو جاتے کہ محصورین کے لیے معمولی سی چیز خریدنا مشکل ہو جاتا۔ مشرکین کا عزم یہ تھا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہیں کرتے اس وقت تک معاشی مقاطعہ جاری رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے، مسلسل تین سال کی صعوبتیں اور تکلیفیں جھیلنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین میں سے چند ایسے افراد کھڑے کر دیے جن کی تحریک پر وہ ظالمانہ معاہدہ ختم کر دیا گیا۔

جب ترغیب و لالچ کا یہ تیر بھی نہ چلا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور یہ دھمکی دے دی کہ اپنے بھتیجے کو باز کر لو ورنہ ہم اسے قتل کر دیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ مشرکین کے اس بدلتے ہوئے تیور کو دیکھ کر ابو طالب نے آپ کو بلا بھیجا اور فہمائش کرنا چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا عَمَّاهُ، وَاللّٰهِ لَوْ وَضَعُوْا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِيْ شِمَالِيْ عَلَىٰ أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أُهْلَكَ فِيْهِ مَا تَرَكْتُهُ))[1]

" چچا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں اور چاہیں کہ میں تبلیغِ اسلام چھوڑ دوں تو بھی میں نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے یا میری جان جاتی رہے۔"

اسی دوران نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما مسلمان ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی:

((اللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ : بِأَبِيْ جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ، فَكَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيْهِ عُمَرُ)) [2]

[1]یہ حدیث ابن اسحاق کے طریق سے امام ابن جریر (۲/ ٦٤) نے بھی بیان کی ہے لیکن اس کی سند معضل ہے۔ نیز طبرانی کبیر اور اوسط میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔ اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (٦/ ١٥) میں لکھا ہے: رواه أبو يعلى باختصار يسير من أوله. و رجال أبي يعلى رجال الصحيح۔ البتہ شیخ ناصر الدین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیں: فقه السيرة [ص: 114,115] [2] سنن الترمذي، رقم الحديث [3681] مسند أحمد [2/95]

"اے اللہ! دو آدمیوں، ابو جہل و عمر میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو اس کے ساتھ اسلام کو عزت دے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ پسند تھے۔"

یعنی ان کا مسلمان ہونا زیادہ محبوب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر اسلام لائے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ بِالْاِسْلَامِ لِأَنَّ الْاِسْلَامَ یُعِزُّ وَلَا یُعَزُّ))

"اے اللہ (عمر رضی اللہ عنہ کو) اسلام کے ساتھ عزت بخش کیونکہ اسلام عزت دیتا ہے، کوئی شخص اسلام کے لیے باعثِ عزت نہیں ہوتا۔" اور ابو بکر تاریخی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ((اَللّٰھُمَّ أَیِّدِ الْاِسْلَامَ)) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "معاذ اللہ!" اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہی کی تائید ہوتی ہے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لے آنے سے چھپ چھپ کر نمازیں پڑھنے والے بیت اللہ میں نمازیں ادا کرنے لگے تو مشرکینِ مکہ نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا کہ نبوت کے ساتوں سال ماہِ محرم میں بنی ہاشم سے مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ اور اس معاہدہ کی تحریر بلبِ کعبہ پر لٹکادی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلے کے ساتھ خرید و فروخت، لین دین، اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیا تو بنی ہاشم ناچار شعبِ ابی طالب میں محبوس و محصور ہو گئے۔ مشرکین نے اشیائے خوردنی بند کر دیں۔ یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس تحریر کا لکھنے والا بغیض بن عامر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کی وجہ سے اس کا (تحریر لکھنے والا) ہاتھ شل ہو گیا تھا۔[2]

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس بائیکاٹ کے دوران پیش آمدہ مشکلات بھی ذکر کی ہیں کہ اشیائے خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے پتے کھاتے اور پائخانے کی بجائے مینگنیاں کرتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات چلتے ہوئے کوئی تر چیز میرے پاؤں کو لگی تو میں نے بھوک کے مارے فوراً پکڑ کر نگل لی اور مجھے آج تک معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی؟ وہی فرماتے ہیں کہ ایک رات

[1] الروض الأنف (3/ 272) [2] زاد المعاد (2، 46)

میرے ہاتھ اونٹ کا کوئی سوکھا ہوا چمڑہ لگ گیا۔ میں نے اسے دھویا، آگ پر بھونا اور پانی میں بھگو کر تین دن تک کھایا۔[1]

یہ (شعبِ ابی طالب کا) سارا عرصہ بڑی مشکل کا وقت تھا، مگر بنی ہاشم کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی۔ اشارۂ الٰہی سے اس معاہدے کو دیمک چاٹ گئی۔ صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا۔ ادھر قریش نے خود ہی اس معاہدے کو ختم کر دیا۔ اس طرح نبوت کے دسویں سال ماہِ محرم میں ہی یہ قبیلہ شعبِ ابی طالب سے نکل آیا۔[2]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

معاشی پابندیاں:

آج بھی کفار مسلمانوں سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے جب چاہتے ہیں ان پر معاشی پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے والے کفار کا معاشی مقاطعہ نہ کیا جائے؟

۶ ہجری میں حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ایمان لائے، حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو حنیفہ کے سردار اور یمامہ کے حکمران تھے، ان کا علاقہ گندم کی پیداوار کے لیے بڑا زرخیز تھا جہاں سے اہلِ مکہ گندم حاصل کرتے تھے۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے فوراً بعد عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے، بلند آواز میں تلبیہ کہتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو مشرکینِ مکہ میں کہرام مچ گیا، تلواریں میانوں سے باہر نکل آئیں لیکن کچھ لوگوں نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا اور خود ہی آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کر دیا اور پوچھا: "ثمامہ تجھے کیا ہوا؟

[1] الروض الأنف (3، 354) [2] صحيح البخاري، باب نزول النبي محمد ﷺ بمكه (1، 216) باب تقاسم المشركين على النبي محمد ﷺ (1، 548) زاد المعاد (1، 299) طبقات ابن سعد (1، 9۔ 398 اردو) الرحيق المختوم (ص: 125 تا 128)

کیا تم نے آباؤاجداد کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور بے دین ہوگئے ہو؟"

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے سینہ تان کر جواب دیا:

"بے دین نہیں ہوا بلکہ تمھارے دین سے بہتر دین اختیار کیا ہے۔ بِ کعبہ کی قسم! آئندہ سرزمینِ یمامہ سے اس وقت تک تمھارے لیے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک تم لوگ رسلِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار نہیں کرتے۔" حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے اس معاشی مقاطعہ کے بعد قریش کا عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا، اس معاشی مقاطعہ کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور چند ہی مہینوں میں مشرکینِ مکہ نے گھٹنے ٹیک دیے اور رسلِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: "ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے ہماری اقتصادی امداد بند کر دی ہے، ازراہِ کرم انھیں حکم دیں کہ وہ ہماری اقتصادی امداد بحال کریں اور اشیائے خورد و نوش بھیجنی شروع کر دیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی فرماتے ہوئے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو قریشِ مکہ کی اقتصادی امداد بحال کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے امداد بحال کر دی۔

غزوہ طائف ۸ھ کے موقع پر جب محاصرہ توقع سے زیادہ طویل ہوگیا تو خود رسلِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انگوروں کے درخت کاٹنے کا حکم دیا جو اہلِ طائف کی معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ تھے، جب اہلِ طائف نے انگوروں کے درخت کٹتے دیکھے تو رسلِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ درختوں کو نہ کاٹیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درخت کاٹنے سے منع فرما دیا۔ غرض معاشی مقاطعہ دشمن کی قوت کو ختم کرنے کا بہترین ہتھیار ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ آدھی دنیا پر حکومت کرنے والی "سودیت یونین" معاشی اور اقتصادی تباہی کی وجہ سے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوئی اور اس کی بے پناہ عسکری قوت و اسلحہ کے ڈھیر اور لاؤلشکر اسے شکست سے نہ بچا سکے اور آئندہ چند سالوں میں امریکہ بھی اپنی معاشی اور اقتصادی بربادی کی وجہ سے اسی انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ ان شاء اللہ۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

اسلام دشمن کفار سے معاشی مقاطعہ کے بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ بین الاقوامی تجارت کا تعلق تو حکومتوں کے ساتھ ہے لہٰذا یہ تو حکومت کے کرنے کا کام ہے، ایک عام آدمی اگر کوئی کردار ادا کرنا چاہے تو کیا کر سکتا ہے؟

اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے کئی پہلوؤں کا جائزہ لیا جا سکتا ہے:

۱۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض معاملات کا تعلق واقعی بین الاقوامی معاہدات سے ہوتا ہے جن کی پابندی کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، ایسے معاملات میں عام آدمی بلاشبہ بے بس ہوتا ہے اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ بین الاقوامی معاہدات طے کرتے وقت عقیدہ "الولاء والبراء" کے تقاضے پورے کرے اور دوستی و دشمنی کے اسلامی معیار پر قائم رہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیشتر بیرونی تجارت ملک کے چھوٹے بڑے سرمایہ داروں کی صوابدید پر ہوتی ہے جس میں وہ حکومتی معاہدوں کے پابند نہیں ہوتے، ایسی صورت میں سرمایہ داروں سے مل کر انھیں اسلام اور ایمان کے حوالے سے اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے کہ مسلمانوں سے برسرِ جنگ کافروں کے ساتھ معاشی مقاطعہ محض ایک جذباتی فیصلہ نہیں بلکہ ہمارے عقیدہ "الولاء والبراء" کا عین تقاضا ہے، اور کفار کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک شکل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ عالمِ اسلام میں ہر سطح پر اور ہر طبقہ میں ایسے غیرت مند مسلمان تاجر موجود ہیں جو دین کی خاطر دنیاوی مفادات کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، ایسے حضرات سے رابطہ کرنے پر یقیناً مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۳۔ تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ فرد واحد کے معاشی مقاطعہ سے کسی قسم کا فرق نہ پڑنے کا تصوّر سراسر شیطانی وسوسہ ہے، ہمارے خیال میں مذکورہ دونوں صورتوں کی نسبت یہ تیسری صورت سب سے زیادہ موثر اور قابلِ عمل ہے جس کا واضح ثبوت عرب ممالک میں کیا گیا۔ سروے سے عرب ممالک میں علماء کرام اور مختلف اسلامی تنظیموں کی اپیل پر یہود و نصاریٰ (خصوصاً امریکہ، اسرائیل اور برطانیہ) کے ملی تجارت کا مقاطعہ کے بارے میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہیں۔ مصر میں عوام الناس کے معاشی مقاطعہ کے نتیجہ میں مذکورہ ممالک کی بعض اشیاء کی فروخت میں ۸۰ فیصد کمی آئی ہے جس وجہ سے کمپنیوں کو اپنی بعض برانچیں تک بند کرنا پڑی ہیں۔ برطانوی کمپنی سینسبری کمپنی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ شائد مستقبل میں ہمیں مصر سے اپنا بیشتر کاروبار سمیٹنا پڑے۔ ابوظہبی میں امریکی اشیاء کی فروخت میں ۵۰ فیصد کمی آئی ہے، سب سے زیادہ نقصان "فاسٹ فوڈ" مہیا کرنے والی کمپنی کو ہوا ہے جن کی فروخت صرف ۳۳ فیصد رہ گئی ہے۔ امریکہ سے سعودی عرب امپورٹ ہونے والی اشیاء میں ۳۳ فیصد کمی آئی ہے جو اب ۴۳ فیصد تک پہنچ چکی ہے۔ مسقط میں کسٹ کی کمپنی کے نے بتایا ہے کہ ان کی فروخت پہلے کی نسبت ۵۴ فیصد کم ہو گئی ہے جبکہ میکڈونلڈ کمپنی کے نے اعتراف کیا ہے کہ ان کی فروخت ۶۵ فیصد کم ہو گئی ہے۔[1]

سعودی عرب میں گزشتہ دو تین سال کے دوران میکڈونلڈ کمپنی کی اشیاء فروخت میں ۶۰ سے ۷۰ فیصد تک کمی آئی ہے۔

مذکورہ اعداد و شمار سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کے اندر کسی بات کا ٹھیک ٹھیک شعور پیدا کر دیا جائے تو حیرت انگیز نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہ کی یہ بات غلط نہیں ہے۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارہ ۴۔ اسلام دشمن کفار کے ساتھ معاشی مقاطعہ کی اہمیت کا ایک اور پہلو سے جائزہ لینا بھی ضروری ہے، اور وہ یوں کہ سنن ترمذی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

((لاَ تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَ أَفْنَاہُ وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَ أَبْلَاہُ وَعَنْ عِلْمِہٖ مَا فَعَلَ بِہٖ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ أَیْنَ اِکْتَسَبَہُ وَفِیْمَ أَنْفَقَہُ وَعَنْ جِسْمِہٖ فِیْمَ أَبْلَاہُ)) [2]

"قیامت کے روز انسان کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹنے دیے جائیں گے جب تک چار باتوں کا جواب نہ دے لے: عمر کس کام میں گزاری؟ جوانی کا عرصہ کس شغل میں بسر کیا؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا؟ اپنے علم کے مطابق عمل کہاں تک کیا؟"

اسلام میں مال کا تصور یہ ہے کہ تمام اموال کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور

[1] دار المقاطعة الاقتصادية في انهيار الدولة الصليبية (ص: 3) [2] صحيح الجامع (7300) الصحيحة (946)

بندوں کو وہ امانت کے طور پر دیا گیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے خرچ کریں۔ سورۃ النور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ } [النور: ۳۳]

"اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو اور اللہ نے جو مال تمھیں بخشا ہے اس میں سے ان کو بھی دو اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" اس لیے قیامت کے روز ایک ایک پائی کے بارے میں ہر ایک سے فرداً فرداً سوال کیا جائے گا کہ اس نے پیسے کہاں خرچ کیے؟ پس اگر ہم ایک روپیہ بھی اسلام دشمن کفار کی مصنوعات خریدنے پر خرچ کرتے ہیں تو قیامت کے روز اس کا بھی ہمیں جواب دینا پڑے گا۔ جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ آخرت کی اس جواب دہی کو نظر انداز کیسے کر سکتے ہیں؟

اقتصادی و معاشی مقاطعہ کے حوالے سے یہ چند امور پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہیں:

۱۔ حرام اشیاء نیز حرام اشیاء کی آمیزش والی تمام اشیاء کی نہ صرف خریداری حرام ہے بلکہ ان کی فروخت بھی حرام ہے، خواہ اسے تیار کرنے والی کمپنی اسلام دشمن کفار کی ہو یا بے ضرر کفار کی یا کسی نام نہاد مسلمان کی۔

۲۔ اسلام دشمن کفار کی وہ مصنوعات جو بذاتِ خود حلال اور طیب ہیں مثلاً فاسٹ فوڈ وغیرہ اور ان کی متبادل مسلمان کمپنیوں کی اشیاء مارکیٹ میں دستیاب ہیں، ان کا معاشی مقاطعہ کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

۳۔ غیر مسلم کمپنیوں کی ایسے مصنوعات جو بذاتِ خود حلال وطیب ہوں لیکن ان کی جگہ مسلم کمپنیوں کی تیارہ کردہ متبادل مصنوعات موجود نہ ہوں ایسی اشیاء اسلام دشمن کفار کے بجائے بے ضرر کفار کی کمپنیوں سے مجبوری اور کراہت کے ساتھ خریدنے میں ان شآء اللہ حرج نہیں ہو گا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

۴۔ ایسی مصنوعات جن کا حلال و حرام سے تعلق نہیں مثلاً سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجی وغیرہ ایسی مصنوعات میں بھی اسلام دشمن کفار کے بجائے بے ضرر کفار سے لین دین کرنے کی رخصت ہے، اگرچہ مطلوب یہ ہے کہ ان چیزوں میں بھی مسلمان خود کفیل ہوں۔

۵۔ معاشی مقاطعہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اس بات کی فکر بھی کرنی چاہیے کہ کفار کی جن مصنوعات کا متبادل نہیں ان کا متبادل تیار کیا جائے تاکہ مسلمان عوام کی دولت مسلمان تاجروں کے ہاتھوں میں ہی رہے۔ اس نیت سے مصنوعات کی تیاری بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب کا باعث ہو گی۔[1] ان شاء اللہ

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: ''دوستی اور دشمنی'' تالیف مولانا محمد اقبال کیلانی (ص: 59 تا 64)

(۱)

اولاد اور نواسوں کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے یہ بات ثابت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد اور نواسوں کی ملاقات کی غرض سے جانے کا اہتمام فرماتے۔ اس بارے میں تین مثالیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱: واپسیٔ سفر پر عموماً سب سے پہلے بیٹی کے ہاں جانا:

امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت نقل کی ہے، کہ:

''أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَتَى فَاطِمَةَ رضى الله عنها ، فَوَجَدَ عَلٰى بَابِهَا سِتْرًا فَلَمْ يَدْخُلْ ۔ قَالَ: ''وَقَلَّ مَا كَانَ يَدْخُلُ إِلَّا بدأ بها۔'' الحديث([1])

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، ان کے دروازے پر ایک پردہ دیکھا، تو داخل نہ ہوئے۔''

انہوں [یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما] نے بیان کیا: ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے، تو ابتدا عام طور پر ان کے ہاں جانے سے ہی فرماتے تھے۔'' شیخ سہارنپوری حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

[1] سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في اتخاذ الستور، جزء من رقم الحديث ۴۱۴۳، ۱۱/۱۳۷۔ شیخ ناصر الدین نے اسے [صحیح] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحيح سنن أبي داود ۲/۷۸۱)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

''(وَقلّ مَا كَانَ) رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم (يَدْخُلُ) بُيُوْتَ أَزْوَاجِهِ (إِلاَّ بَدَأَ بِهَا) أي بِفَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا قَبْلَ أَزْوَاجِهِ أَيْ إِذَا جَاء من السَفَر۔''([1])

["کم ہی کبھی ایسے ہوتا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے، مگر اپنی ازواج (مطہرات) کے ہاں جانے سے پہلے آغاز فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جانے سے فرماتے۔"] اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحب زادی سے تعلّق کس قدر گہرا تھا!

ب: صاحب زادے کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا:

امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَرْحَمَ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ''

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ، بال بچوں پر شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔"

انہوں نے بیان کیا:

''كَانَ إِبْرَاهِيْمُ مُسْتَرْضِعًا لَهُ فِيْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ، وَكَانَ يَنْطَلِقُ، وَنَحْنُ مَعَهُ، فَيَدْخُلُ الْبَيْتَ، وَإِنَّهُ لَيُدَخَّنُ، وَكَانَ ظِئْرُهُ قَيْنًا، فَيَأْخُذُهُ فَيُقَبِّلُهُ، ثُمَّ يَرْجِعُ۔''([2])

"ابراہیم (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند) مدینہ (طیبہ) کے بالائی مضافات میں دودھ پیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور ہم

[1] بذل المجهود في حل أبي داود ۱۷/۲۹۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الفضائل، جزء من رقم الحديث ۶۳۔ (۲۳۱۶)، ۴/۱۸۰۸۔

آپ کے ساتھ ہوتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے، تو وہاں دھواں ہوتا، کیونکہ ان کا رضاعی باپ لوہار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو اٹھاتے، بوسہ دینے اور پھر واپس پلٹتے۔"

امام ابن حبان نے اس حدیث پر درج ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

[ذِكْرُ مُحَبَّةِ الْمُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم لِابْنِهِ إِبْرَاهِيْمَ] ([1])

[مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لیے محبت کا ذکر] امام نووی نے صحیح مسلم کی روایت پر درجِ ذیل عنوان لکھا ہے:

[بَلْبُ رَحْمَتِهِ صلی اللہ علیہ وسلم الصِّبْيَانَ وَالْعِيَالَ، وَتَوَاضُعِهِ، وَفَضْلِ ذٰلِكَ] ([2])

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (عام لوگوں کے) بچوں اور (اپنے) بال بچوں کے ساتھ شفقت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور اس کے فضائل کے متعلق باب] اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کے لیے مدینہ طیبہ کے بالائی مضافات میں اس لوہار کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، جہاں وہ دودھ پیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مشغولیت، فاصلہ کی دوری اور گھر میں لوہے کی بھٹی کا دھواں صاحب زادے کو دیکھنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتا تھا۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں تشریف لے جانا ایک آدھ مرتبہ نہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ الفاظ (كَانَ يَنْطَلِقُ) [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

[1]الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة، رجالهم ونسائهم، ۱۵/۴۰۰۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الفضائل، ۴/۱۸۰۸۔

لے جایا کرتے تھے] سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے وہاں جانا ثابت ہوتا ہے۔

ج: نواسے کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا:

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے ایک حصّے میں روانہ ہوا۔ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے گفتگو فرمائی اور نہ ہی میں نے کچھ عرض کیا، یہاں تک کہ آپ بنو قینقاع کے بازار میں تشریف لائے، پھر وہاں سے واپس چلے آئے، یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر (کے دروازے پر) پہنچے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (وہاں پہنچ کر) فرمایا: "أَثَمَّ لُكَعُ؟ أَثَمَّ لُكَعُ؟"

"کیا وہاں چھوٹو ہے؟ کیا وہاں چھوٹو([1]) ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود حسن رضی اللہ عنہ تھے۔

ہم نے گمان کیا، کہ ان کی والدہ نے انہیں نہلانے دھلانے اور خوشبو کا ہار پہنانے کے لیے روک رکھا ہے۔

فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ يَسْعَى، حَتَّى اعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ۔

[تھوڑی ہی دیر بعد وہ دوڑتے ہوئے آئے، یہاں تک کہ ان دونوں [یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حسن رضی اللہ عنہ] نے آپس میں معانقہ کیا]۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أُحِبُّہُ، فَأَحِبَّہُ وَأَحْبِبْ مَنْ یُحِبُّہُ۔''([2])

[1]آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسے سے شدید تعلق اور قلبی لگاؤ کی بنا پر ایسے فرمایا۔ [2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل الحسن و الحسین رضی اللہ عنھما، رقم الحدیث ۵۷۔ (۲۴۲۱)، ۴/۱۸۸۲۔۱۸۸۳۔

["اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، پس آپ بھی اس سے محبت فرمایئے اور اس سے محبت کرنے والے سے (بھی) محبت فرمایئے۔"] اس حدیث شریف میں یہ واضح ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے سے ملاقات کی خاطر اپنی صاحبزادی کے گھر کے دروازے پر تشریف لے گئے۔ نواسے کے باہر آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا۔

حدیث شریف میں دیگر فوائد:

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے رُوبرو نواسے کے لیے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ ۲: اللہ تعالیٰ سے انہیں اپنا محبوب بنانے کی التجا کی۔ ۳: ان سے محبت کرنے والوں کے لیے دعا کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ضمنی طور پر اس بات کی ترغیب دی، تاکہ وہ بھی ان سے محبت کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مستحق بن جائیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا بِرَحْمَتِکَ مِنْھُمْ آمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ ۔([1])

(۲)

بیٹی کا حسنِ استقبال

سیرتِ طیبہ سے یہ بات ثابت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کا انتہائی شفقت، پیار اور گرم جوشی سے استقبال کیا کرتے تھے۔ اس بارے میں ذیل میں تین روایات ملاحظہ فرمایئے:

ا: امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''کُنَّ أَزْوَاجُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَہُ۔ لَمْ یُغَادِرْ مِنْھُنَّ وَاحِدَۃٌ۔

[1]اے رب العالمین! اپنی رحمت سے ہمیں (بھی) ان میں شامل فرما دیجیے۔ آمین۔

فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَۃُ رضی اللہ عنھا تَمْشِیْ ۔ مَا تُخْطِیئُ مِشْیَتُھَا مِنْ مِشْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم شَیْئًا۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

فَلَمَّا رَآهَا رَحَّبَ بِهَا، فَقَالَ: ''مَرْحَبًا بِابْنَتِي''۔

ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ... الحديث۔([1])

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کے پاس بیٹھی تھیں، وہاں سے کوئی ایک بھی نہیں گئی تھی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتے ہوئے آئیں، ان کی چال ہو بہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی چال تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا، تو خوش آمدید کرتے ہوئے فرمایا: ''خوش آمدید میری بیٹی۔'' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھایا... الخ]

ب: امام ابن حبان نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، کہ بے شک انہوں نے بیان کیا:

''مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ كَلَامًا وَحَدِيثًا بِرَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ فَاطِمَةَ۔ وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا، وَقَبَّلَهَا، وَرَحَّبَ بِهَا، وَأَخَذَ بِيَدِهَا، وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ۔ وَكَانَتْ هِيَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا، قَامَتْ إِلَيْهِ، فَقَبَّلَتْهُ، وَأَخَذَتْ بِيَدِهِ... الحديث([2])

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل فاطمة رضى الله عنها بنت النبيّ صلى الله عليه وسلم، جزء من رقم الحديث ۹۸۔ (۲۴۵۰)، ۴/۱۹۰۴۔ نیز ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب من ناجى بين يدي الناس، ... رقمي الحديثين ۶۲۸۵، ۶۲۸۶، ۱۱/ ۷۹۔۸۰۔ [2] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة، رجالهم ونسائهم، ذكر إخبار المصطفى صلى الله عليه وسلم فاطمة رضى الله عنها أنها أول لاحق به من أهله بعد وفاته، جزء من رقم الحديث ۶۹۵۳، ۱۵/۴۰۳۔ شیخ ارناؤوط نے اس کی [سند کو صحیح] قرار دیا ہے۔ (هامش الإحسان ۱۵/۵۰۴)۔

[''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو بات چیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آتیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے [استقبال کے] لیے اٹھ کر آگے بڑھتے، انہیں بوسہ دیتے، انہیں خوش آمدید کہتے، ان کے ہاتھ کو تھامتے اور اپنی جگہ میں بٹھاتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے، تو وہ (بھی استقبال کی خاطر) اٹھ کر آگے بڑھتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتیں اور آپ کے ہاتھ کو تھام لیتیں...]

ج: سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے:

''وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا، قَامَتْ إِلَيْهِ، فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ، فَقَبَّلَتْهُ، وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا۔''([1])

''اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے، تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کے استقبال) کے لیے اٹھ کر آگے بڑھتیں، آپ کے ہاتھ کو پکڑتیں، آپ کو بوسہ دیتیں، اور آپ کو اپنی جگہ میں بٹھاتیں۔'' اور المستدرک میں ہے:

''وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا، فَقَبَّلَتْهُ، وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا۔''([2])

[1] سنن أبي داود، أبواب السلام، باب في القيام، جزء من رقم الحديث ۵۲۱۶، ۱۴/۸۷۔ شیخ البانی نے اسے [صحیح] کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحيح سنن أبي داود ۳/۹۷۹)۔ [2] المستدرك على الصحيحين، كتاب الأدب، ۴/۲۷۳۔ امام حاکم نے اسے [بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح] کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق ۴/ ۲۷۳؛ والتلخيص ۴/ ۲۷۳)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[''اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لاتے، تو وہ اپنی جگہ سے اٹھتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ میں بٹھاتیں۔''] مذکورہ بالا روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی صاحبزادی کے استقبال کے حوالے سے درجِ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱: سید الأولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کا استقبال اٹھ کر آگے بڑھ کر کیا کرتے تھے۔

۲: بیٹی کو خوش آمدید [مَرْحَبًا بِابْنَتِي] کے الفاظِ مبارکہ سے کہتے تھے۔

۳: بیٹی کو آمد پر بوسہ دیتے تھے۔

۴: بیٹی کے ہاتھ کو تھام لیتے تھے۔

۵: اپنی مجلس میں دائیں یا بائیں جانب بیٹی کو بٹھا لیتے تھے۔

۶: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح استقبال کرنا وقتی یا حادثاتی بات نہ تھی، بلکہ آپ کا یہ عام معمول تھا، جیسا کہ

حدیث شریف کے الفاظ [وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا.....]

[اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آتیں، تو آپ ان کے [استقبال کے] لیے اٹھ کر آگے بڑھتے...] سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں دیگر فوائد:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی کی شادی کے بعد ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

۲: صاحب زادی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح استقبال کرتی تھیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کیا کرتے تھے۔

۳: بیٹی کی شادی کا معنٰی باپ بیٹی کے رشتہ اور پیار و محبت کا انقطاع نہیں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(۳)

بیٹیوں کی اولاد سے غیر معمولی پیار

سیرتِ طیبہ سے یہ بات واضح ہے، کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں کی اولاد سے بہت زیادہ لگاؤ، گہرا قلبی تعلّق اور غیر معمولی پیار رکھتے تھے۔ ذیل میں اسی بارے میں پانچ واقعات ملاحظہ فرمائیے:

ا: حسن رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھانا:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''رَأَيْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنهما عَلٰى عَاتِقِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیه وسلم ، وَهُوَ يَقُوْلُ:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ۔''

[میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: [اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت فرمائیے"](1)

اللہ اکبر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے سے کس قدر پیار ہے، کہ انہیں اپنے شانۂ مبارک پر اٹھائے ہوئے ہیں! اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرو ان سے اپنی محبت کا اظہار کررہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بھی ان سے محبت کرنے کی التجا کرتے ہیں۔

[1] متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن والحسين رضی اللہ عنهما ، رقم الحديث ۳۷۴۹، ۷/۹۴؛ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الحسن والحسين رضی اللہ عنهما ، رقم الحديث ۵۸۔ (۲۴۲۲)، ۴/۱۸۸۳۔ الفظ حدیث صحیح مسلم کے ہیں۔

ب: دورانِ نماز نواسی کو اٹھانا:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ:

''رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیه وسلم يَؤُمُّ النَّاسَ ، وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ ، وَهِيَ ابْنَةُ زَيْنَبَ بِنْتِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیه وسلم عَلٰى عَاتِقِهِ۔ فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ أَعَادَهَا۔''(1)

[''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کرواتے ہوئے دیکھا اور ابو العاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی امامہ، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کی (بھی) بیٹی تھیں، آپ کے شانہ پر تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے، تو انہیں (نیچے) اُتار کر رکھ دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے، تو انہیں دوبارہ (اپنے کندھے پر) رکھ دیتے۔]

اور سنن ابی داؤد میں ہے:

"ہم نماز ظہر یا عصر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے بلا چکے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو العاص اور اپنی صاحبزادی کی بیٹی امامہ رضی اللہ عنہم کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جائے

[1]متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، رقم الحديث ٥١٦، ١/٥٩٠؛ وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة، رقم الحديث ٤٣-(٥٤٣)، ١/٣٨٥-٣٨٦- الفاظ حدیث صحیح مسلم کے ہیں۔

نماز پر کھڑے ہوئے اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ (اس دوران) وہ (بچی) اپنی جگہ پر ہی ٹکی رہی۔" انہوں نے بیان کیا:

"فَكَبَّرَ وَكَبَّرْنَا۔"

["آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے (بھی) اللہ اکبر کہا۔"]

انہوں نے (مزید) بیان کیا:

"حَتَّى إِذَا أَرَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَرْكَعَ أَخَذَهَا، فَوَضَعَهَا، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ سُجُودِهِ، ثُمَّ قَامَ أَخَذَهَا فَرَدَّهَا فِي مَكَانِهَا۔ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَصْنَعُ بِهَا ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ۔"([1])

["یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا، تو اسے پکڑ کر (زمین پر) رکھ دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجدہ کیا، یہاں تک کہ جب آپ سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکڑ کر اس کی جگہ (یعنی اپنے شانۂ مبارک) پر لوٹا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں اس کے ساتھ ایسے ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہو گئے۔"]

اللہ اکبر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نواسی سے کس قدر پیار تھا! انہیں شانہ مبارک پر اٹھائے ہوئے نماز کے لیے تشریف لاتے ہیں، انہیں اٹھاتے ہوئے ہی نماز

[1]سنن أبي داود، كتاب الصلاة باب العمل في الصلاة، رقم الحديث ٩١٦، ١/٢٣٢- ٢٣٣- شیخ البانی نے اسے [صحیح] کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحيح سنن أبي داود ١/١٧٣)۔

کی ابتدا کرتے ہیں، حالتِ قیام میں بھی اٹھائے رکھتے ہیں، رکوع اور سجدے کے لیے انہیں زمین پر رکھتے ہیں، لیکن رکوع و سجدہ سے فارغ ہوتے ہی پھر اپنے مبارک کندھے پر بٹھا لیتے ہیں، پوری نماز اسی کیفیت سے ادا کرتے ہیں۔ نواسی سے بے پناہ پیار کرنے والے وہ نانا محترم کس قدر پیارے ہیں! فَصَلَوَاتُ رَبِّيْ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

ج: حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینا:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رضى الله عنهما ، وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ جَالِسًا ، فَقَالَ الْأَقْرَعُ: ''إِنَّ لِيْ عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا۔'' فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ، ثُمَّ قَالَ: ''مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ ۔''([1])

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا اور آپ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھا تھا۔

اقرع کہنے لگا: "بے شک میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا:

["جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"]

[1]متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، رقم الحديث ٥٩٩٧، ١٠/٤٢٦؛ وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال وتواضعه، وفضل ذلك، رقم الحديث ٦٥-(٢٣١٨)، ٤/١٨٠٨-١٨٠٩۔ الفظ حدیث صحیح البخاری کے ہیں۔

اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسہ سے اپنی شفقت اور پیار کا اظہار بوسہ دے کر کرتے ہیں۔ اور اس طرزِ عمل کے بارے میں تعجب آمیز گفتگو کو ناپسند کرتے ہوئے آگاہ فرماتے ہیں، کہ نواسوں پر شفقت و رحمت نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ضمنی طور پر اس بات کی ترغیب بھی دیتے ہیں، کہ وہ اپنے نواسوں سے پیار کر کے اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کریں۔

د: حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو گرتے دیکھ کر خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا:

حضرتِ ائمہ احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُنَا، فَجَائَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رضى الله عنهما، عَلَيْهِمَا قَمِيْصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ - فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمِنْبَرِ، فَحَمَلَهُمَا، فَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ- ثُمَّ قَالَ: ''صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ: {إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ} ([1])

نَظَرْتُ إِلٰى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ، فَلَمْ أَصْبِرْ، حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيْثِيْ، وَرَفَعْتُهُمَا-'' ([2])

[1] سورة التغابن / جزء من الآية ١٥- [2] المسند، رقم الحديث ٢٢٩٩٥، ٣٨/٩٩-١٠٠؛ وسنن أبي داود، تفريع أبواب الجمعة، باب الإمام يقطع الخطبة للأمر [لأمر] يحدث، رقم الحديث ١١٠٥، ٣/٣٢٢؛ وجامع الترمذي، أبواب المناقب، باب، رقم الحديث ٤٠٢٧، ١٠/١٩٠؛ وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب نزول الإمام عن المنبر قبل فراغه من الخطبة وقطع كلامه، ورجوعه إليه يوم الجمعة، ٣/١٠٨؛ وسنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب لبس الأحمر للرجال، رقم الحديث ٣٦٠٥؛ ٢/٢٩٨؛ والإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب الفرائض، باب ذوي الأرحام، ذكر السبب الذي من أجله فعل المصطفٰى صلى الله عليه وسلم ما وصفناه، رقم الحديث ٦٠٢٩، ١٣/٤٠٣- الفظ حديث المسند کے ہیں- المسند کی سند کو شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے [حسن] کہا ہے- (ملاحظہ ہو: هامش المسند ٣٨/١٠٠)؛ شیخ البانی نے اس حدیث کو [صحیح] قرار دیا ہے- (ملاحظہ ہو: صحيح سنن أبي داود ١/٢٠٦؛ وصحيح سنن الترمذي ٣/٢٢٤؛ وصحيح سنن النسائي ١/٣٢٢؛ وصحيح سنن ابن ماجه ٢/٢٨٣)-

[''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے- حسن و حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیصیں پہنے لڑکھڑاتے ہوئے آئے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے آگے بٹھالیا-

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا: [ترجمہ: تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو محض ایک آزمائش ہے-]'' میں نے

ان دو بچوں کو دیکھا، کہ وہ ڈگمگاتے ہوئے آرہے ہیں، تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا، یہاں تک کہ میں نے اپنے سلسلہ کلام کو منقطع کیا اور ان دونوں کو اٹھایا-'']

سبحان اللہ! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نواسوں کے لڑکھڑانے پر کس قدر تشویش لاحق ہوئی، کہ اپنا خطبہ جاری نہ رکھ سکے، پہلے انہیں اٹھا کر اپنے سامنے منبر پر بٹھایا، پھر خطبہ مکمل کیا- اور افسوس ہے ان والدین پر، جو اولاد کو صراط مستقیم سے بھٹکتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن ان کے پاس معاشی، سیاسی، سماجی یا دینی مصروفیات کی وجہ سے یا اپنی لذتوں اور آسائشوں میں مگن ہونے کی بنا پر، اپنے جگر گوشوں کو سنبھالا دینے کے لیے وقت ہی نہیں-

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْ هٰؤُلَائِ الْأَشْقِيَائِ ([1]) آمِيْنَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ-

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ھ: حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دنیاوی خوشبو میں سے اپنا حصہ قرار دینا:

امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا'' ([2])

[''وہ دونوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) دنیاوی خوشبو میں سے میرا حصہ ہیں۔'']

حدیث کی شرح میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں: ''یعنی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے ہیں، جو کہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا ہے۔'' ([3])

حافظ ابن حجر تحریر کرتے ہیں: ''معنیٰ یہ ہے، کہ وہ دونوں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور عطا کردہ عطیہ ہیں۔ اولاد کو چونکہ سونگھا جاتا ہے اور بوسہ دیا جاتا ہے، اس اعتبار سے وہ گویا کہ خوشبوؤں میں سے ہیں۔'' ([4])

خلاصہ گفتگو یہ ہے، کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹیوں کی اولاد سے گہرا لگاؤ اور بے پناہ تعلّق تھا۔

(۴)

اولاد کے لیے دعائیں

سیرتِ طیبہ میں موجود باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی

[1] اے اللہ کریم! ہمیں ایسے بدنصیب لوگوں میں شامل نہ فرمانا۔ آمین یا حيّ يا قيّوم۔ [2] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، جزء من رقم الحديث ۵۹۹۴، ۱۰/۴۲۶۔ [3] منقول از: فتح الباري ۱۰/۴۲۷۔ [4] المرجع السابق ۱۰/۴۲۷۔

اولاد اور ان کی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں فرماتے تھے۔ درجِ ذیل پانچ مثالوں سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

۱: سہاگ رات بیٹی، ان کے شوہر اور نسل کے لیے دُعائیں:

اس بارے میں دو روایات ملاحظہ فرمائیے:

۱: حضرتِ ائمہ ابن سعد، ابن السنّی، طبرانی اور بزّار نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ جب [حضرت علی رضی اللہ عنہ کی] شبِ زفاف تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا([1]):

‘لَا تُحْدِثْ شَيْئًا حَتّٰى تَلْقَانِيْ ۔’’

[“میرے آنے تک کچھ نہ کرنا۔”]

انہوں نے بیان کیا: “رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تشریف لانے کے بعد) ایک برتن منگوایا اور اس میں وضو فرمایا، پھر اس (برتن میں موجود پانی) کو علی رضی اللہ عنہ پر انڈیل دیا، پھر (دُعا کرتے ہوئے) کہا:

’’اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا، وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا، وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ نَسْلِهِمَا۔‘‘ ([2])

[“اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈالیے، اور دونوں پر برکت [نازل] فرمائیے اور ان دونوں کے لیے ان کی نسل میں برکت عطا فرمائیے۔”]

حافظ ابن السُّنی کی روایت میں دُعا کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

’’اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا، وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا، وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ شَمْلِهِمَا۔‘‘ ([3])

[1]جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی رات تھی، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ [2] الفاظِ حدیث الطبقات الکبریٰ ۸، ۲۱۔ کے ہیں۔حدیث شریف کا ابتدائی حصہ اور تخریج اس کتاب کے صفحات ۶۸۔۶۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔ [3] ملاحظہ ہو: کتاب عمل الیوم واللیلۃ ، باب ما یقول للعرس لیلۃ البناء ، جزء من رقم الحدیث ۶۰۷ ، صفحات ۲۱۴۔ ۲۱۵۔

[“اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈالیے، اور ان دونوں پر برکت (نازل) فرمائیے اور ان دونوں کے لیے معاملہ میں برکت عطا فرمائیے۔”]

امام بزّار کی روایت میں ہے:

’’اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ شِبْلَيْهِمَا۔‘‘ ([1])

[“اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈالیے اور ان دونوں کے لیے ان کے دونوں بچوں میں برکت عطا فرمائیے۔”]

۲: امام طبرانی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: “جب علی کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تحفہ دیا گیا، تو ہم نے ان کے گھر میں بچھائی ہوئی کنکریوں، ایک کھجور کے درخت کی چھال سے بھرے ہوئے تکیہ، ایک مٹکے اور ایک کوزے کے سوا کچھ نہ پایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا:

‘لَا تُحْدِثَنَّ حَدَثًا ’’أَوْ قَالَ: ‘لَا تَقْرَبَنَّ أَهْلَكَ حَتّٰى آتِيَكَ ۔’’

[“بالکل کچھ بھی نہ کرنا”] یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا([2]): [“میرے آنے تک اپنے اہل کے بالکل قریب نہیں جانا۔”]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

''أَثَمَّ أَخِيْ ؟''

["کیا وہاں میرا بھائی ہے؟"]

[1]ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد ، كتاب المناقب ، باب منه في فضلها و تزوجها بعلي رضى الله عنهما ۲۰۹,۹۔ [2] راوی کو شک ہے ، کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں میں سے کون سا جملہ استعمال فرمایا تھا۔

اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اور وہ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ ایک نیک حبشی خاتون تھیں:

''يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا أَخُوْكَ ، وَزَوَّجْتَهُ ابْنَتَكَ ؟''

[" اے اللہ تعالیٰ کے رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آپ کے بھائی ہیں اور آپ نے ان سے اپنی بیٹی کی شادی کی ہے؟"]

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب) اپنے صحابہ کے درمیان مواخات کی تھی([1])، تو علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ ذٰلِكَ يَكُوْنُ يَا أَمَّ أَيْمَنَ ؟''

["اے اُم ایمن! ایسے ہوتا ہے۔"]

انہوں[حضرت اسماء رضی اللہ عنہا] نے بیان کیا:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا، جس میں پانی تھا۔ پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا، پڑھا، پھر علی۔ رضی اللہ عنہ۔ کے سینے اور چہرے پر مسح کیا([2])، پھر فاطمہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کو بلایا، وہ حیا کی وجہ سے لڑکھڑاتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑی ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس (پانی) سے چھڑکاؤ فرمایا۔ پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا، ان کے لیے کہا (یعنی دعائیں کیں۔) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''أَمَا إِنِّيْ لَمْ آلُكِ أَنْ أَنْكَحْتُكِ أَحَبَّ أَهْلِيْ إِلَيَّ ۔''

[1]مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مہاجر مسلمان کو ایک ایک انصاری مسلمان کا بھائی بنا دیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنانے کے اعزاز سے نوازا۔ [2] یعنی پانی کے برتن میں اپنا دستِ مبارک تر کر کے ان کے سینے اور چہرے پر پھیرا۔

["سنو بے شک میں نے اپنے خاندان میں سے اپنے نزدیک عزیز ترین شخص کے ساتھ تمہارا نکاح کرنے میں تمہارے حق میں کوتاہی نہیں کی۔"]

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسِ پردہ یا دروازے کے پیچھے ایک سایہ دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

''مَنْ هٰذَا؟''

انہوں نے عرض کیا: "اسماء۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ ؟''

انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں یارسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جِئْتِ كَرَامَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ''

["تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کے لیے آئی ہو؟"]

انہوں نے عرض کیا: "پہلی رات بچی کے پڑوس میں کوئی خاتون ہونی چاہیے، کہ وہ بوقتِ ضرورت اسے اپنی کیفیت سے آگاہ کر سکے۔"

انہوں نے بیان کیا:

''فَدَعَا لِيْ بِدُعَاءٍ إِنَّهُ لَأَوْثَقُ عَمَلِيْ عِنْدِيْ ۔''

["آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ایسی دُعا فرمائی، کہ بلاشک وشبہ میری نگاہ میں وہ میرا سب سے زیادہ بھروسے کا عمل ہے۔"] پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''دُوْنَكَ أَهْلَكَ ۔''

"(اب) اپنے اہل کے پاس جاؤ۔"

''ثُمَّ خَرَجَ ، فَوَلّٰى ، فَمَا زَالَ يَدْعُوْ لَهُمَا ، حَتّٰى تَوَارٰى فِيْ حُجْرَتِهٖ۔'' ([1])

"پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (وہاں سے) نکلے اور (اپنے گھر کی طرف) روانہ ہوگئے۔ (راستے میں) ان دونوں کے لیے دُعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں داخل ہوگئے۔"

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

دونوں حدیثوں سے معلوم ہونے والی چھ باتیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹی کی عائلی زندگی سے گہرا تعلّق اور دلی لگاؤ، کہ باوجود بے پناہ مصروفیات کے ان کی نئی زندگی کا آغاز کروانے کے لیے خود ان کے ہاں تشریف لائے۔

۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹی اور ان کے شوہر کے درمیان، ان دونوں پر، ان کے بچوں، ان کی نسل اور معاملات پر اللہ تعالیٰ کی برکتوں کے نزول کے لیے عظیم الشان دُعائیں کرنا۔ ۳: داماد کی تکریم، کہ [میرے بھائی] کے عظیم لقب کو ان کے لیے استعمال فرمانا۔ اور یہ لقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مؤاخات کے موقع پر عطا فرمایا تھا۔ اللہ کریم نے سچ فرمایا ہے: {وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ } ([2])

۴: صاحب زادی کے رُوبرو ان کے رشتہ کے لیے حسن انتخاب کی خاطر مخلصانہ کوشش کا وضاحت اور اختصار سے تذکرہ فرمانا۔ ۵: صاحب زادی کی خدمت اور دیکھ بھال کی خاطر آنے والی خوش نصیب خاتون کے لیے عظیم الشان دُعائیں دینا۔

[1]مجمع الزوائد ، كتاب المناقب ، باب منه في فضلها و تزويجها بعلي رضى الله عنهما ، ۹،۲۰۹۔ ۲۱۰۔ حافظ ہیثمی لکھتے ہیں، کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے روایت کرنے والے صحیح کے راویان ہیں۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق ۹،۲۱۰)۔ نیز ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ ۸،۲۳-۲۳۔ [2] سورة القلم الآية۴ ۔ [اور بلاشبہ آپ تو ایک بہت بڑے خلق پر ہیں-]

۶: بیٹی اور ان کے شوہر کے لیے اللہ تعالیٰ کے رُوبرو تکرار سے فریادیں کرنا۔ فَصَلَوَاتُ رَبِّيْ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

ب: بیٹی، داماد اور نواسوں رضی اللہ عنہم سے گندگی کی دوری اور خوب پاکیزگی کی دعا:

امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کالے بالوں کی بنی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے نکلے۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس میں داخل کر لیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے، وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گئے۔ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا، آئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی داخل فرمالیا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ آئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی داخل فرمالیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد) پڑھا:

{إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا([1])}([2])

[(اے) اہل بیت! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم سے گندگی دور کر دیں اور تمہیں مکمل طور پر پاک کر دیں]

اور ابن حبان کی روایت میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کو اپنے دائیں، بائیں اور آگے بٹھانے کے بعد مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھی اور کہا:

"اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِي"([3])

[1]سورة الأحزاب / جزء من الآية ٣٣۔ [2] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم الحديث ٦١۔ (٢٤٢٤)، ٤/١٨٨٣۔ [3] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابه رجالهم و نسائهم ، ذكر الخبر المصرّح بأن هؤلاء الأربع الذين تقدّم ذكرنا لهم أهل البيت المصطفٰى صلى الله عليه وسلم ، جزء من رقم الحديث ٦٩٧٦ ، ١٥/٣٣٢۔

(اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں)

تنبیہ:

اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ یہ چاروں شخصیات رضوان اللہ علیہم اہلِ بیت میں شامل ہیں، لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ ان کے سوا کوئی اور اہلِ بیت میں شامل نہیں، ازواجِ مطہرات قرآن کریم کی صریح نص کے ساتھ اور یہ چاروں صحیح حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کا ابتدائی حصہ اور اس سے پہلے والی آیت کریمہ بمعہ ترجمہ ذیل میں درج کی جارہی ہیں، تاکہ توفیقِ الٰہی سے بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

{يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِينَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا}۔

[اے نبی کی بیویو! تم کوئی عام عورتیں نہیں ہو، اگر تقویٰ اختیار کرو، تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو، کہ جس کے دل میں بیماری ہے، طمع کر بیٹھے اور سیدھی سادی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلے زمانہِ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کے ساتھ نہ نکلا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو۔

(اے) اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتے ہیں، کہ تم سے گندگی دور کر دیں اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دیں]۔ شیخ الحدیث محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: آیت کا سیاق و سباق صاف بتا رہا ہے، کہ یہاں اہلِ بیت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رضی اللہ عنہم ہیں، جیسا کہ [يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ] اور اگلے خطاب سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ہے، کہ جب آیت نازل ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر اپنا کمبل ڈال کر دعا کی: "اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے ناپاکی دور فرما اور انہیں صاف ستھرا بنا دے۔"

اس حدیث کے یہ معنیٰ نہیں ہیں، کہ ازواجِ مطہرات اہل البیت میں سے نہیں ہیں، بلکہ اصل میں تو آیت ازواجِ مطہرات ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کو تطہیر کی خوش خبری دی گئی ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی اس میں شامل ہو گئے۔([1])

ج: حسن رضی اللہ عنہ کے اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کی دعا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا ذکر متعدد احادیث میں آیا ہے۔ ذیل میں ان میں سے تین احادیث ملاحظہ فرمائیے:

۱: امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا، کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے کندھے پر تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے:

[1] اشرف الحواشي ص ۵۰۵، ف ۸ باختصار؛ نیز ملاحظہ ہو: تفسير القرطبي ۱۸/۱۴؛ وتفسير ابن كثير ۳/۵۳۱۔۵۵۳؛ وتفسير القرآن بكلام الرحمٰن ص ۵۳۶، هامش ۱۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ۔"

"اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، سو آپ بھی اس سے محبت کیجئے۔"([1])

امام ابن حبان نے اس حدیث پر اپنی کتاب میں درج ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

[ذِكْرُ دُعَائِ الْمُصْطَفٰى صلى الله عليه وسلم للحسن بن علي رضى الله عنهما بِالْمَحَبَّةِ] ([2])

[مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے (اللہ تعالیٰ کا) محبوب بننے کی دعا]

۲: امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

"میں مدینہ [طیبہ] کے بازاروں میں سے ایک بازار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے، تو میں بھی واپس آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

"أَيْنَ لُكَعُ؟

["چھوٹو کہاں ہے؟

اُدْعُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِي رضى الله عنهما۔"

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بلاؤ۔"]

[1]متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن والحسين رضى الله عنهما، رقم الحديث ٣٧٤٩، ٤/٩٣؛ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الحسن والحسين رضى الله عنهما، رقم الحديث ٥٩-(٢٤٢٢)، ٤/١٨٨٣- [2] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة رجالهم ونسائهم، ١٥/٤١٦-

حسن بن علی رضی اللہ عنہما (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) چلتے ہوئے آئے اور ان کی گردن میں خوش بودار لونگ کا ہار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس طرح پھیلایا (انہیں گلے ملنے کے لیے) اور حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ہاتھ اس طرح پھیلایا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُ، فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ۔''

["اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، سو آپ بھی اس سے محبت فرمائیے اور جو اس سے محبت کرے، اس سے محبت فرمائیے۔"]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد مجھے حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ پیارا کوئی نہ تھا۔"([1])

۳: امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے:

أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ، وَيَقُوْلُ: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا۔'' أَوْ كَمَا قَالَ۔

[بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اور حسن رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر کہا کرتے تھے:

["اے اللہ! بے شک میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان دونوں سے محبت فرمائیے۔" أو كما قال] امام ابن حبان نے اپنی کتاب میں اس پر درج ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

[ذِكْرُ إِثْبَاتِ مَحَبَّةِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا لِمُحِبِّ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ

[1]صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب السخاب للصبيان، رقم الحديث ٥٨٨٤، ١٠/٣٣٢-

رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا۔] ([1])

[حسن بن علی رضوان اللہ علیہما سے محبت کرنے والوں کے لیے اللہ جل وعلا کی محبت کا ذکر۔]

احادیث شریفہ سے مستفاد دو باتیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے محبتِ الٰہی کے حصول کی دعا متعدد مرتبہ کی۔ بلکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے یہ دعا کثرت سے کیا کرتے تھے۔ ۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[حسن رضی اللہ عنہ کے اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے] کی دعا پر اکتفانہ کیا، بلکہ یہ دعا بھی کی، کہ جو ان سے محبت کرے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے، تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمنی طور پر امت کو اپنے نواسے سے محبت کرنے کی ترغیب دی۔ رضی اللہ عنہ۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّہٗ وَحُبَّ جَدِّہِ الْکَرِیْمِ صلی اللہ علیہ وسلم وَحُبَّکَ ۔ آمین یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ ! ([2])

د: حسن رضی اللہ عنہ کے لیے رحمتِ الٰہیہ کی دعا:

امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ

''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَأْخُذُنِیْ فَیُقْعِدُنِیْ عَلٰی فَخِذِہٖ، وَیُقْعِدُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہما عَلٰی فَخِذِہٖ الْاُخْرٰی، ثُمَّ یَضُمُّھُمَا، ثُمَّ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھُمَا فَإِنِّیْ أَرْحَمُھُمَا۔''

[1]الإحسان في تقریب صحیح ابن حبان، کتاب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم مناقب الصحابۃ رجالھم ونسائھم، ۱۵/۴۱۷۔ [2] ترجمہ: ''اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان کی، ان کے محترم نانا صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی محبت عطا فرمائیے۔ آمین یا رب العالمین۔''

[''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھاتے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دوسری ران پر بٹھاتے، پھر ان دونوں کو ملاتے، پھر کہتے: [''اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرمائیے، بے شک میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔][1])

امام ابن حبان نے اپنی کتاب میں اس پر درجِ ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

[ذِکْرُ دُعَائِ الْمُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہما بِالرَّحْمَۃِ] ([2])

[مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے رحمت کی دعا کا ذکر]

حدیث شریف سے معلوم ہونے والی دو باتیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اسامہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے شدید محبت کہ ان دونوں کو اپنی رانوں پر بٹھاتے۔ ۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے لیے رحمتِ الٰہیہ کے پانے کی دعا ایک دو مرتبہ نہیں، بلکہ کثرت سے کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ الفاظِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اَعلم۔

ھ: حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے اللہ تعالیٰ کے محبوب بننے کی دعا:

امام بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق (دعا کرتے ہوئے) کہا:

[1] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب وضع الصبي على الفخذ، رقم الحديث ٦٠٠٣، ١٠/٤٣٤۔ [2] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابه رجالهم ونسائهم، ١٥/٤١٥۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا۔"

["اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، سو آپ (بھی) ان دونوں سے محبت فرمایئے۔"]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا

"وَمَنْ أَحَبَّهُمَا فَقَدْ أَحَبَّنِيْ۔" ([1])

["اور جس شخص نے ان دونوں سے محبت کی، بے شک اس نے مجھ سے محبت کی۔"]

حدیث شریف سے معلوم ہونے والی بات:

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پیارے نواسوں کے لیے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ، امت کو بھی ان سے محبت کرنے کی پُرزور ترغیب دی اور یہ ترغیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک [جس شخص نے ان دونوں سے محبت کی، پس یقیناً اس نے مجھ سے محبت کی] میں ہے۔

و: حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہِ الٰہی طلب کرنا:

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رضى الله عنهما ، وَيَقُوْلُ: "إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ عليهما السلام:

[1] مجمع الزوائد، كتاب المناقب، باب فيما اشترك فيه الحسن والحسين رضى الله عنهما، ٩/١٨٠۔ حافظ ہیثمی نے اس کے متعلق لکھا ہے: "اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کی [سند جید] ہے۔" (المرجع السابق ٩/١٨٠)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

''أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَآمَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَآمَّةٍ''

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے لیے (اللہ تعالیٰ کی) پناہ طلب کیا کرتے تھے اور (ساتھ) فرماتے: ''تمہارے باپ [یعنی جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام] ان [کلمات] کے ساتھ اسماعیل اور اسحاق کے لیے [اللہ تعالیٰ کی] پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ [ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے]: ''میں اللہ تعالیٰ کے کامل تاثیر والے کلمات کے ساتھ ہر ایک شیطان، ہر زہریلے جانور اور ہر نقصان دینے والی نظر بد سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''][1]

حدیث شریف سے مستفاد دو باتیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پیارے نواسوں کے لیے پناہِ الٰہی کا طلب کرنا ایک آدھ مرتبہ نہیں، بلکہ کثرت سے تھا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ سے واضح ہے۔ ۲: سابقہ انبیاءh کی دعاؤں کے ساتھ دعا کرنے کا مستحب ہونا۔

(۵)

اولاد کی تعلیم کا اہتمام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت باپ سیرتِ طیبہ کے حوالے سے ایک نمایاں بات یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اور ان کی اولاد کو تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا۔ علاوہ ازیں نواسے نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر دین کی باتوں کو سیکھا اور یاد کیا۔

[1] صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب، رقم الحديث ۳۳۷۱، ۳۰۸۶۔

اس بارے میں ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

۱: بیٹی کو صبح وشام پڑھنے والی دُعا کی تعلیم:

حضرتِ ائمہ نسائی، ابن السنّی اور حاکم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''مَا يَمْنَعُكِ أَنْ تَسْمَعِيْ مَا أُوْصِيْكِ بِهٖ، أَنْ تَقُوْلِيْ إِذَا أَصْبَحْتِ وَإِذَا أَمْسَيْتِ:

يَا حَيُّ! يَا قَيُّوْمُ! بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ، أَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ، وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔'' ([1])

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[''میں تمہیں جو وصیت کر رہا ہوں، اس کے سننے [یعنی اس کے مطابق عمل کرنے] سے تمہیں کیا چیز روک رہی ہے: یہ کہ تم صبح اور شام کے وقت کہو:

[يَا حَيُّ! يَا قَيُّوْمُ! بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ، أَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ، وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔]

[ترجمہ: اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! ہر چیز کو قائم رکھنے والے! میں آپ

[1] السنن الكبرىٰ، كتاب عمل اليوم والليلة، رقم الحديث ١٠٣٣٠، ٢١١/٩۔ ٢١٢؛ و كتاب عمل اليوم والليلة للحافظ ابن السُّنِّيّ، باب ما يقول إذا أصبح؛ والمستدرك على الصحيحين، كتاب الدعاء، ٥٤٥/١۔ امام حاکم نے اسے [صحیحین کی شرط پر صحیح] کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق ٥٤٥/١؛ والتلخيص ٥٤٥/١۔ الفظ حديث السنن الكبرىٰ اور المستدرک کے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: الأذكار للإمام النووي، باب ما يقول عند الصباح وعند المسآء، ص ١٢٦؛ و نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار للحافظ ابن حجر ٢٧٨/٢۔ ٢٧٩؛ و فتح الباري ٣١٢/١١۔ حافظ ابن حجر، اور شیخ عبدالقادر ارناؤوط نے اسے [حسن] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق ٢٧٩/٢؛ وهامش الأذكار ص ١٢٦)۔ نیز ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد ١١٧/١٠۔

ہی کی رحمت کے ساتھ آپ سے مدد طلب کرتی ہوں۔ میری ہر حالت کی اصلاح فرما دیجیے اور مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کیجیے۔''] حدیث شریف میں یہ بات واضح ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صبح و شام پڑھنے والی دُعا بتلائی اور اس کے پڑھنے کی پُرزور تاکید فرمائی۔

ب: بیٹی کو خادم سے بہتر دعا کی تعلیم:

حضرتِ ائمہ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''فاطمہ رضی اللہ عنہا خادم طلب کرنے کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''مَا عِنْدِيْ مَا أُعْطِيْكِ۔''

''میرے پاس تجھے دینے کے لیے (کچھ) نہیں ہے۔'' وہ واپس چلی گئیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا:

''اَلَّذِيْ سَأَلْتِ أَحَبُّ إِلَيْكِ، أَوْ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ؟''

[''تمہیں وہ چیز زیادہ پسند ہے، جو تم نے طلب کی ہے، یا اس سے بہتر چیز'']

علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''قُوْلِيْ: لَا بَلْ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ۔''

آپ کہیے: ''نہیں'' بلکہ وہ چیز (پسند ہے)، جو کہ اس سے بہتر ہے۔''

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

انہوں[یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا] نے(ایسے ہی) کہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم کہو:

''اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ! رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ ! مُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْإِنْجِیْلِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ ! أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ ، وَأَنْتَ الظَّاہِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ ۔ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ ۔''([1])

[''اے اللہ ساتوں آسمانوں کے رب اور عرش عظیم کے رب! [اے] ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! [اے] تورات، انجیل اور قرآن عظیم نازل فرمانے والے! آپ اول ہیں، کہ آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں، آپ آخر ہیں، کہ آپ کے بعد کوئی چیز نہیں، آپ ظاہر ہیں، کہ کوئی چیز آپ سے اوپر نہیں، آپ باطن ہیں، کہ کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں، ہماری طرف سے قرض ادا کر دیجئے اور ہمیں فقر سے غنی فرما دیجئے۔'']

حدیث شریف سے مستفاد پانچ باتیں:

۱: اولاد کی تعلیم و تربیت ان کو ساز و سامان دینے سے بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم الحدیث ۶۳۔ (۲۷۱۳)، ۴/۲۰۸۴؛ وجامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب، رقم الحدیث ۳۴۱۲، ۹/۱۸؛ وسنن ابن ماجہ، أبواب الدعاء، باب دعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث ۳۸۷۶؛ ۲/۳۴۱۔ ۳۴۲؛ والمستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ۳/۱۵۶۔ ۱۵۷۔ الفظ حدیث سنن ابن ماجہ کے ہیں۔ امام حاکم نے اپنی روایت کردہ حدیث کو [بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح] کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ شیخ البانی نے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیثوں کو [صحیح] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المستدرک ۳/۱۵۷؛ والتلخیص ۳/۱۵۷؛ و صحیح سنن الترمذي ۳/۱۶۴؛ وصحیح ابن ماجہ ۲/۳۲۵)۔

نے مذکورہ بالا دعا سکھلانے سے پیشتر واضح طور پر بیان فرمایا، کہ اس کا سیکھنا خادم کے ملنے سے بہتر ہے۔ افسوس کہ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں، کہ بیٹی سے ان کے تعلّق کا معیار اسے ساز و سامان مہیا کرنا ہے۔ ان کی نظر میں تعلیم و تربیت کی کوئی خاص اہمیت و وقعت نہیں۔

۲: بیٹی کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اس کی شادی سے منقطع نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا ان کی شادی کے بعد سکھلائی۔

۳: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم کی غرض سے ان کے ہاں تشریف لے جانا۔([1])

۴: دورانِ تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب استفہام استعمال فرمانا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں وہ چیز زیادہ پسند ہے، جو تم نے طلب کی ہے، یا اس سے بہتر چیز؟''([2])

۵: مطلوبہ چیز نہ دینے کی صورت میں اس کا نعم البدل دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم کی بجائے اس سے بہتر چیز یعنی مذکورہ بالا دعا سکھلائی۔ تعلیم و تربیت میں اس کی اہمیت اہلِ فکر و نظر سے مخفی نہیں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ج: نواسے رضی اللہ عنہ کو دعائے قنوت سکھانا:

حضرتِ ائمہ احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور ابن حبّان نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

[1]اس بارے میں مزید تفصیل کے لیے راقم السطور کی کتاب: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم'' صفحات ۶۰۔۷۰ ملاحظہ فرمائیے۔ [2] اس بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المرجع السابق صفحات ۳۲۵۔ ۳۳۳۔

''عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِيْ الْوَتْرِ۔''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کلمات سکھلائے، کہ میں انہیں (نماز) وتر میں پڑھا کروں۔''

''اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔''([1])

[اے اللہ! مجھے ہدایت دیجئے، ان لوگوں میں سے، جنہیں آپ نے ہدایت دی اور مجھے عافیت دیجئے، ان لوگوں میں سے، جنہیں آپ نے عافیت دی اور میری نگہبانی فرمایئے، ان لوگوں میں سے، جن کی آپ نے نگہبانی فرمائی اور جو کچھ آپ نے عنایت فرمایا، اس میں برکت فرمایئے

[1]المسند، جزء من رقم الحديث ۱۷۲۷، ۲/۱۷۱؛ وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، تفريع أبواب الوتر، باب القنوت في الوتر، جزء من رقم الحديث ۱۴۲۲، ۴/۲۱۱۔ ۲۱۳؛ وجامع الترمذي، أبواب الوتر، باب ما جاء في القنوت في الوتر، رقم الحديث ۴۶۳، ۲/۳۶۰؛ وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوّع النهار، باب الدعاء في الوتر، ۳/۲۱۸؛ وسنن ابن ماجه، أبواب إقامة الصلاة، باب ما جاء في القنوت في الوتر، رقم الحديث ۱۱۷۸، ۱/۳۱۳؛ وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في القنوت، رقم الحديث ۱۶۰۱؛ ۱/۳۱۲ والإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب الرقائق، باب الأدعية، ذكر الأمر بسؤال العبد ربّه جلّ وعلا الهداية والعافية والولاية فيمن رزق إياها، جزء من رقم الحديث ۹۴۵، ۳/۲۲۵۔ امام ترمذی لکھتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور ہم قنوت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے کسی اچھی چیز کو نہیں جانتے۔ شیخ البانی نے اسے [صحیح] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: جامع الترمذي ۲/۴۶۱؛ وصحيح سنن أبي داود ۱/۲۶۷؛ وصحيح سنن الترمذي ۱/۳۸۰؛ وصحيح سنن ابن ماجه ۱/۱۹۴)؛ نیز ملاحظہ ہو: إنجاز الحاجة ۴/۵۱۷۔۵۱۸۔ الفاظ حدیث سنن أبی داود کے ہیں۔

اور آپ نے جو فیصلہ فرمایا، اس کے شر سے مجھے بچالیجئے۔ بے شک آپ فیصلہ کرتے ہیں، آپ پر فیصلہ نہیں کیا جاتا اور بلاشبہ وہ ذلیل نہیں ہوتا، جس کی آپ سرپرستی فرمائیں اور وہ عزت نہیں پاتا، جس سے آپ دشمنی کریں۔ آپ بابرکت اور بلند وبالا ہیں۔] اس حدیث شریف میں یہ بات واضح ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کو دعائے قنوت سکھلائی۔ علاوہ ازیں آنحضرت نے یہ دعا صرف حسن رضی اللہ عنہ ہی کو نہ سکھلائی، بلکہ ان کے ساتھ دوسروں کو بھی پڑھائی۔ نیز اس کی تعلیم صرف ایک مرتبہ نہیں، بلکہ متعدد مرتبہ دی۔ بعض روایات میں ہے، کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

''وَكَانَ يُعَلِّمُنَا هٰذَا الدُّعَاءَ''([1])

[''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دعا سکھلایا کرتے تھے۔''] اور دکھ کی بات یہ ہے، کہ بہت سے دین سے تعلّق رکھنے والے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کا شکار ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں، کہ نواسوں اور نواسیوں سے تعلق ان کے ساتھ لاڈ پیار کرنے، ان کی ضیافت کرنے اور تحائف دینے میں محدود ہے۔

د: نواسے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست دین کی باتیں سیکھنا:

اس بارے میں دو مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

۱: امام ابن حبان نے ابو الحوراء سعدی سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

''حَدِّثْنِيْ بِشَيْءٍ حَفِظْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ، لَمْ يُحَدِّثْكَ بِهِ أَحَدٌ ۔''

[1]ملاحظہ ہو: المسند، جزء من رقم الحديث ۱۷۲۷، ۳/۲۵۲؛ والإحسان فی تقريب صحيح ابن حبان، ۳/۲۲۵۔ شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے المسند کی [سند] اور شیخ ارناؤوط نے صحیح ابن حبان کی [سند کو صحیح] قرار دیا۔ (ملاحظہ ہو: هامش المسند ۳/۲۵۲؛ وهامش الإحسان ۳/۲۲۵)۔

''میرے لیے وہ چیز بیان کیجئے، جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا ہو، کسی اور نے آپ سے وہ (چیز) بیان نہ کی ہو۔''

انہوں (یعنی ابو الحوراء) نے کہا: ''انہوں نے بیان کیا:

''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: ''دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ ۔'' قَالَ: ''اَلْخَيْرُ طُمَانِيْنَةٌ وَالشَّرُّ رِيْبَةٌ۔''([1])

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو چیز تجھے شک میں ڈالے، اسے چھوڑ کر وہ [چیز لے لو] جو تجھے شک میں مبتلا نہ کرے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بھی) فرمایا: ''خیر (دل کے لیے باعثِ) اطمینان ہے اور شر (سببِ) قلق ہے۔''

۲: امام احمد نے ابو الحوراء سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''ہم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، تو ان سے پوچھا گیا:

مَا عَقَلْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ؟ أَوْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ؟''

''آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی بات (عقل و شعور کی عمر میں) سیکھی؟''

انہوں نے بیان کیا: ''وَعَقَلْتُ مِنْهُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ ۔''([2])

[1]الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب الرقائق، باب الورع والتوكّل، ذكر الزجر عما يريب المرء من أسباب هٰذه الدنيا الفانية الزائلة، جزء من رقم الحديث ۷۲۳، ۲/۴۹۸۔ شیخ ارناؤوط نے اسے [صحیح] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: هامش الإحسان ۲/۴۹۹)۔ [2] المسند، جزء من رقم الحديث ۱۷۲۵، ۲/۲۵۰۔ حافظ ہیثمی نے اس کے [راویان کو ثقہ] قرار دیا ہے۔ شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اس کی [سند کو صحیح] کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد ۳/۹۰؛ و هامش المسند ۳/۲۵۱)۔

"اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (عقل وشعور کی عمر میں) پانچوں نمازیں سیکھیں۔" مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونے پر، آپ سے دین کی باتیں سیکھیں۔ نوٹ: اس بارے میں چوتھی مثال یہ ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی اور داماد دونوں کو خادم کی بجائے نماز کے بعد اور بستر پر آنے کے بعد پڑھنے والے کلمات سکھلائے۔([1]) [1]اس کی تفصیل اور حوالہ کتاب کے صفحات ۹۰۔۹۳ میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۶)

نواسوں کو کھلانا ہنسانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت باپ سیرت میں ایک نمایاں بات یہ بھی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو ہنساتے، بہلاتے اور انہیں شگفتہ اور خوش رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ ذیل میں اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

۱: دونوں ہاتھ پھیلائے نواسے کو پکڑنے کی خاطر اس کے پیچھے جانا:

حضرتِ ائمہ احمد، بخاری، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت یعلیٰ عامری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ بلاشبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھانے کی دعوت کے لیے نکلے۔ انہوں نے بیان کیا:

"فَلَسْتَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَمَلَ الْقَوْمِ ، وَحُسَيْنٌ ؓ رضى الله عنه مَعَ الْغِلْمَانِ يَلْعَبُ ، فَأَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَأْخُذَهُ۔ فَطَفِقَ الصَّبِيُّ يَفِرُّ هَاهُنَا مَرَّةً، وَهَاهُنَا مَرَّةً ، فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُضَاحِكُهُ حَتّٰى أَخَذَهُ۔"

["رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے آگے بڑھے اور حسین رضی اللہ عنہ (راستے میں) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔([1]) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑنا چاہا، تو بچے نے کبھی ادھر کبھی ادھر بھاگنا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہنساتے رہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا۔"([2])

] انہوں نے بیان کیا:

"فَوَضَعَ إِحْدَى يَدَيْهِ تَحْتَ قَفَاهُ، وَالْأُخْرَى تَحْتَ ذَقِنِهِ، فَوَضَعَ فَاهُ عَلَى فِيْهِ يُقَبِّلُهُ، فَقَالَ:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

''حُسَيْنٌ مِنِّي ، وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ ۔ أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا۔ حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ ۔''

[آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ ان کی گدی پر اور دوسرا ان کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا، پھر اپنے دہن (مبارک) کو ان کے منہ پر رکھ کر انہیں چومنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا:

[1] الأدب المفرد میں ہے: ''فَإِذَا حُسَيْنٌ رضی اللہ عنہ يَلْعَبُ فِي الطَّرِيقِ''۔ (الأدب المفرد، باب معانقة الصبي، جزء من رقم الحديث ۳۶۶، ص ۱۳۳)۔ [اس وقت حسین رضی اللہ عنہ راستہ میں کھیل رہے تھے)۔ نیز ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ، جزء من رقم الحديث ۱۳۱، /۲۸)۔ [2] سنن ابن ماجہ میں ہے: ''وبسط يديه''۔ (سنن ابن ماجه، جزء من رقم الحديث ۱۳۱، ۱/۲۸)۔ [اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دئے]؛ نیز ملاحظہ ہو: الأدب المفرد، باب معانقة الصبي، رقم الحديث ۳۶۶، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴۔

''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں اس سے ہوں، حسین سے محبت کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کریں۔ حسین نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔][1])

اللہ اکبر! نواسہ کو بہلانے اور ہنسانے کا کس قدر اہتمام ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے آگے بڑھتے ہیں، حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سب لوگوں کے رُوبرو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں، یہاں تک کہ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔ پھر کس قدر پیار و شفقت ہے! ایک مبارک ہاتھ ان کی گدی پر، دوسرا ان کی ٹھوڑی کے نیچے اور پھر اپنے دہن مبارک کو ان کے منہ پر رکھ کر بوسے دینے شروع کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی اعلان فرماتے ہیں: ''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے اور میں اس سے۔'' نواسے سے صرف خود ہی محبت نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر کے [حسین سے محبت کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کریں] پوری امت کو ان سے محبت کی ترغیب دے رہے ہیں۔ پھر اپنے لاڈ پیار اور محبت کا سبب بیان فرما رہے ہیں، کہ حسین رضی اللہ عنہ نواسوں سے ایک نواسہ ہے۔ فَصَلَوَاتُ بِيِّ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ، وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ، وَجَعَلَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ مُحِبِّيْ حُسَيْنٍ رضی اللہ عنہ ۔ آمین يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔

[1] المسند، رقم الحديث ۱۷۵۶۱، ۲۹/۱۰۲۔ ۱۰۳؛ والأدب المفرد، باب معانقة الصبي، رقم الحديث ۳۶۶، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴؛ وسنن ابن ماجه، المقدّمة، فضائل الحسن والحسين رضی اللہ عنہما، رقم الحديث ۱۳۱، /۲۸؛ والإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابة رجالهم ونسائهم، ذكر إثبات محبة الله عز وجل لمحبي الحسين بن علي رضی اللہ عنہما، رقم الحديث ۶۹۷۱، ۱۵/۴۲۷۔ ۴۲۸؛ والمستدرک علی الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، ۳/۱۷۷۔ الفظ حديث المستدرک کے ہیں۔ امام حاکم نے اسے [صحیح الإسناد] اور حافظ ذہبی نے [صحیح] کہا ہے۔ حافظ بوصیری نے سنن ابن ماجہ کی [سند کو حسن] اور [راویان کو ثقہ] قرار دیا ہے، اور شیخ ناصر الدین نے اس کو [حسن] کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المستدرک ۳/۱۷۷، والتلخيص ۳/۱۷۷؛ ومصباح الزجاجة ۱/۶۳؛ وصحيح سنن ابن ماجه ۱/۳۰)۔

ب: نواسوں کے لیے اپنی زبان مبارک کو باہر نکالنا:

امام ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْلَعُ لِسَانَهُ لِلْحُسَيْنِ رضی اللہ عنہ ، فَيَرَى الصَّبِيُّ حُمْرَةَ لِسَانِهِ، فَيَهُشُّ إِلَيْهِ۔''

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسین رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی زبان باہر نکالا کرتے تھے۔ بچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کی سرخی کو دیکھتا، تو وہ مسرور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکتا۔]

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

عیینہ بن بدر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''لَا أَرَاهُ يُصْنَعُ هٰذَا بِهٰذَا، فَوَاللّٰهِ! إِنَّهُ لَيَكُوْنُ لِيْ الْوَلَدُ قَدْ خَرَجَ وَجْهُهُ، وَمَا قَبَّلْتُهُ قَطُّ۔''

[''میں اس [بچے] کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اللہ کی قسم! میرا لڑکا ہوتا ہے اور اس کا چہرہ نکل چکا ہوتا ہے،([1]) لیکن میں نے اسے کبھی بوسہ نہیں دیا۔'']

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ۔''([2])

[1] شاید اس سے مراد یہ ہے، کہ وہ قدرے بڑا ہو چکا ہوتا ہے۔ [2] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم مناقب الصحابة رجالهم ونسائهم ۱۵/۴۳۱۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی [سند کو حسن] قرار دیا ہے۔ (هامش الإحسان ۱۵/۴۳۱)۔

[''جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'']

اس حدیث شریف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے نواسے کو بہلانے اور ہنسانے کا شوق واضح ہے۔ امام ابن حبان نے اس پر درجِ ذیل عنوان تحریر کیا ہے: [ذِكْرُ

مُلَاعَبَةِ الْمُصْطَفٰى صلى الله عليه وسلم لِلْحُسَيْنِ بن علي بن أبي طالب رضوان الله عليهما] ([1])

[مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہما کو کھلانے کا ذکر]

حدیث شریف کے حوالے سے تین باتیں:

ا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے کو شگفتہ اور خوش کرنے کے لیے یہ طرزِ عمل ایک آدھ مرتبہ نہیں، بلکہ کثرت سے اختیار فرماتے تھے۔ الفاظِ حدیث ہیں:

''كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَدْلَعُ لِسَانَهُ لِلْحُسَيْنِ رضى الله عنه...''

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان حسین رضی اللہ عنہ کے لیے نکالا کرتے تھے...]

۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزِ عمل کو نامناسب سمجھنے والے کی رائے کو غلط قرار دیا اور ضمنی طور پر بتلایا، کہ اولاد پر شفقت ارحم الراحمین کی رحمت کو پانے کی چابی ہے اور اس سے محروم اللہ رب العزت کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔

۳: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوسرے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی طرزِ عمل اختیار فرماتے۔

امام ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

[1] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان ۱۵/۴۳۱۔

''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَيُدْلِعُ لِسَانَهُ لِلْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ رضى الله عنهما ، فَيَرَى الصَّبِيُّ حُمْرَةَ لِسَانِهِ فَيَبْهَشُ إِلَيْهِ۔''([1])

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے اپنی زبان نکالتے، بچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کی سرخی کو دیکھتا، تو شاداں و فرحاں ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکتا]۔

ج: دورانِ سجدہ نواسوں کو پشت مبارک پر سوار ہونے دینا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کی خوشی کی خاطر انہیں حالتِ نماز میں بھی اپنی پشت مبارک پر سوار ہونے دیتے۔ اس بارے میں تین روایات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

۱: حسن رضی اللہ عنہ کا گردن اور پشت مبارک پر کود کر چڑھ جانا:

امام احمد اور امام ابن حبان نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِنَا، وَكَانَ الْحَسَنُ رضى الله عنه يَجِيْئُ ، وَهُوَ صَغِيْرٌ ، فَكَانَ كُلَّمَا سَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَثَبَ عَلٰى رَقَبَتِهِ وَظَهْرِهِ، فَيَرْفَعُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَأْسَهُ رَفْعًا رَفِيْقًا حَتّٰى يَضَعَهُ۔''

[''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ آتے، اور

[1] أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم ص ۷۸۔ شیخ زبیر شاویش اور شیخ ارناؤوط نے اس کی [سند کو حسن] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: هامش شرح السنة ۱۳/۲۶)۔

تب وہ چھوٹے تھے اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو وہ کود کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن اور پشت پر چڑھ جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے سر اٹھا کر انہیں (زمین پر) بٹھا دیتے۔''

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

انہوں[یعنی حضرتِ صحابہ) نے عرض کیا:

''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! إِنَّکَ تَصْنَعُ بِھٰذَا الْغُلَامِ شَیْئًا مَا رَأَیْنَاکَ تَصْنَعُہُ بِأَحَدٍ۔''

[''یارسول اللہ! بلاشبہ آپ اس بچے کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، جو کہ ہم نے کسی اور کے ساتھ آپ کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔'']

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّہُ رَیْحَانَتِي مِنَ الدُّنْیَا، إِنَّ ابْنِي ھٰذَا سَیِّدٌ، وَعَسَی اللّٰہُ أَنْ یُصْلِحَ بِہِ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔''([1])

[''بے شک وہ دنیا میں میری خوشبو ہے۔ یقیناً میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کروادیں۔'']

حدیث شریف کے الفاظ: [جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، وہ جست لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن اور پشت پر چڑھ جاتے] سے یہ بات واضح ہوتی ہے،

[1] المسند، رقم الحدیث ۲۰۴۴۸، ۳۴/۹۸۔۹۹؛ والإحسان في تقریب صحیح ابن حبان، کتاب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابۃ، رجالھم ونسائھم، ذکر قول المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علي رضی اللہ عنھما إنہ ریحانتہ من الدنیا، رقم الحدیث ۶۹۶۴، ۱۵/۴۱۸۔۴۱۹۔ الفظ حدیث صحیح ابن حبان کے ہیں۔ شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اسے [صحیح] اور شیخ ارناؤوط نے صحیح ابن حبان کی [سند کو صحیح] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ہامش المسند ۳۴/۹۹؛ وھامش الإحسان ۱۵/۴۱۹)۔

کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوران نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت اور گردن مبارک پر کثرت سے کود کر چڑھ جاتے تھے۔

۲: حسن وحسین رضی اللہ عنہما دونوں کا پشت مبارک پر کود کر چڑھنا:

دورانِ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر چڑھنے والے حضرت حسن رضی اللہ عنہ تنہا نہ رہے۔ جب ان کے برادرِ اصغر حضرت حسین رضی اللہ عنہما مسجد میں پہنچ پانے کی عمر کو پہنچے، تو وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اپنا شوق پورا کرتے۔ اگر کوئی ان کے شوق کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے اسے روک دیتے۔ امام ابویعلیٰ نے حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّيْ، فَإِذَا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رضی اللہ عنھما عَلٰی ظَھْرِہِ، فَإِذَا أَرَادُوْا أَنْ یَمْنَعُوْھُمَا أَشَارَ بِیَدِہِ: ''أَنْ دَعُوْھُمَا۔''

فَإِذَا قَضَی الصَّلَاۃَ وَضَعَھُمَا فِيْ حَجْرِہِ، قَالَ:

''مَنْ أَحَبَّنِيْ فَلْیُحِبَّ ھٰذَیْنِ۔''([1])

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتے، تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما جست لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر چڑھ جاتے۔ جب صحابہ انہیں منع کرنا چاہتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اشارہ کرتے: ''ان دونوں کو چھوڑ دو (یعنی اپنا شوق پورا کرنے دو)۔''

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے، تو ان دونوں کو اپنی گود میں

[1] مسند أبي يعلى، رقم الحديث ۵۰۱۷، ۸/۴۳۴۔ شیخ حسین سلیم اسد نے اس کی [سند کو حسن] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: هامش المسند ۸/۴۳۴)۔

بٹھا لیتے اور فرماتے:

[''جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اسے چاہیے کہ ان دونوں سے محبت کرے۔'']

حدیث شریف سے مستفاد باتیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر دورانِ نماز حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا سوار ہونا صرف ایک آدھ مرتبہ نہ تھا، بلکہ وہ کثرت سے ایسا کرتے تھے۔ اللہ علیہ وسلم اس بنا پر دونوں نواسوں رضی اللہ عنہما سے خفا نہ ہوتے، بلکہ جو انہیں روکنے کا ارادہ کرتا، اس کو اشارہ سے منع فرما دیتے۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ازراہِ شفقت و پیار ان دونوں کو اپنی گود مبارک میں بٹھا لیتے۔ کتنی عظیم تھی وہ گود! اور کس قدر شان و عظمت والے ہیں اس گود میں بیٹھنے والے! رضی اللہ عنہما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چاہنے والوں کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرنے کی تلقین فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّ نَبِيِّكَ الْكَرِيْمِ صلى الله عليه وسلم وَحُبَّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رضى الله عنهما ۔ آمِيْنَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ!''([1])

۳: نواسے کو طویل وقت تک پشت مبارک پر سوار رہنے دینا:

حضرتِ ائمہ احمد، نسائی اور حاکم نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ إِحْدَيْ صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ: الظُّهْرِ أَوْ الْعَصْرِ، وَهُوَ حَامِلُ الْحَسَنَ أَوِ الْحُسَيْنَ رضى الله عنهما، فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَوَضَعَهُ، ثُمَّ كَبَّرَ لِلصَّلَاةَ، فَسَجَدَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ صَلَاتِهِ سَجْدَةً أَطَالَهَا۔''

[1] ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی محبت نصیب فرمائیے۔ آمین یا حیي یا قیوم۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے پہر کی دو نمازوں: ظہر یا عصر میں سے ایک کے لیے، حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو اٹھائے ہوئے، ہمارے پاس تشریف لائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، انہیں (یعنی بچے کو) (زمین پر) بٹھا دیا اور [اللہ اکبر] کہہ کر نماز شروع کر دی۔ دورانِ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبا سجدہ کیا۔"

انہوں [یعنی شداد رضی اللہ عنہ] نے بیان کیا:

"فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ ، فَإِذَا الصَّبِيُّ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ، وَهُوَ سَاجِدٌ ۔ فَرَجَعْتُ فِيْ سُجُوْدِيْ ۔"

[بے شک میں نے اپنا سر اٹھایا، (دیکھا کہ) بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ سجدہ میں تھے، تو میں واپس اپنے سجدہ میں چلا گیا۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کر لی، تو لوگوں نے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّكَ سَجَدْتَّ بَيْنَ ظَهْرَيْ صَلَاتِكَ هٰذِهِ سَجْدَةً قَدْ أَطَلْتَهَا، فَظَنَنَّا أَنَّهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ أَوْ أَنَّهُ يُوْحٰى إِلَيْكَ ۔"

["یارسول اللہ! آپ نے بے شک دورانِ نماز اس قدر طویل سجدہ کیا، کہ ہم نے سمجھا کہ، کوئی حادثہ پیش آچکا ہے([1]) یا آپ کی طرف وحی کی جارہی ہے۔"] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور بیماری کی طرف اشارہ ہے۔ (ملاحظہ ہو: ھامش المسند ۲۵/۴۲۰)۔

"فَكُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ ، وَلٰكِنَّ ابْنِيْ ارْتَحَلَنِيْ ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُعْجِلَهُ، حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ۔"([1])

["ایسی تو کوئی بات (بھی) نہ تھی، لیکن میرے بیٹے نے مجھے سواری بنا رکھا تھا، اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا، کہ اسے اپنی خواہش پورا کرنے سے پہلے ہی جلدی میں ڈال دوں (اور وہ میری پشت سے بالِ نخواستہ نیچے اتر جائے)"۔]

اللہ اکبر! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے سے کس قدر محبت تھی، کہ انہیں اٹھائے ہوئے نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور پھر انہیں خوش کرنے کا کس قدر اہتمام، کہ اپنی پشت مبارک پر ان کے سوار ہونے کی وجہ سے سجدہ اس قدر طویل کیا، کہ حضرتِ صحابہ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فکر لاحق ہو گیا۔

فَصَلَوَاتُ رَبِّيْ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

(۷)

بیٹیوں کی عائلی زندگی سے تعلّق

سیرتِ طیبہ کے حوالے سے ایک نمایاں بات یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مشغول ترین زندگی کے باوجود اپنی صاحبزادیوں کی عائلی زندگی کی طرف خوب توجہ دیتے۔ اس بارے میں ذیل میں چھ شواہد ملاحظہ فرمائیے:

[1] المسند، ۱۶۰۳۳، ۴۲۵/۴۱۹۔ ۴۲۰؛ والسنن الکبریٰ، کتاب الصلاۃ، ھل یجوز أن تکون سجدۃٌ أطول من سجدۃ؟، رقم الحدیث ۷۳، ۱/۳۶۶؛ والمستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ۳/۱۶۶۔ ۱۶۷۔ الفظ حدیث المسند کے ہیں۔ امام حاکم نے اسے [بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح] کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے المسند کی [سند کو صحیح اور اس کے راویوں کو ثقہ] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المستدرک ۳/۱۶۷؛ والتلخیص ۳/۱۶۷؛ و ھامش المسند ۴۲۰/۲۵)۔

۱: بیٹی رضی اللہ عنہا کی شادی کرنا:

اس بارے میں توفیقِ الٰہی سے ذیل میں دو روایات پیش کی جارہی ہیں: ۱: حضرتِ ائمہ ابن سعد، ابن السنّی، طبرانی اور بزار نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ "انصار کے کچھ لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

"عِنْدَکَ فَاطِمَةُ ، تَأْتِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم "([1])

"آپ کے پاس فاطمہ۔ رضی اللہ عنہا۔ ہیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیے۔" (یعنی ان سے رشتہ دینے کی درخواست کیجیے)۔

چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَاحَاجَةُ ابْنِ أَبِیْ طَالِبٍ ؟"

" ابن ابی طالب کی حاجت کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا:

"ذَکَرْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ۔"

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی۔ رضی اللہ عنہا۔ کا ذکر کیا۔" ([2])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَرْحَبًا وَأَهْلاً ۔''

''مَرْحَبًا وَأَهْلاً ۔''([3])

[1]امام البزار کی روایت میں ہے: لَوْ خَطَبْتَ فَاطِمَةَ ۔رضی اللہ عنہا۔(منقول از: مجمع الزوائد ۲۰۹/۹)۔ [اگر آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کریں۔] [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے از راہِ حیا اس طرح گزارش پیش کی۔ مقصود یہ تھا، کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ان کا رشتہ طلب کرنے کی درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔ [3] یعنی خوش آمدید اور تم اپنے ہی گھر میں آئے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان انصاری لوگوں کے پاس گئے، جو ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا:

''مَا وَرَاءَكَ ؟''

''آپ کے پیچھے کیا ہے؟''([1])

انہوں نے کہا:

''مَا أَدْرِيْ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ لِيْ : ''مَرْحَبًا وَّأَهْلاً ۔''

'' مجھے (کچھ) پتہ نہیں، سوائے اس بات کے، کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''مَرْحَبًا وَّأَهْلاً ''

انہوں نے کہا:

''يَكْفِيْكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِحْدَاهُمَا ، أَعْطَاكَ لاَهْلَ أَعْطَاكَ الْمَرْحَبَ ۔''([2])

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تو آپ کے لیے ان دونوں میں سے ایک (ہی) کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپ کو اَھلًا اور مَرْحَبًا دونوں ہی عطا فرمائے ہیں۔''

[1]یعنی کیا کرکے واپس آئے ہو؟ [2] الطبقات الکبریٰ ، ۲۱/۸ ؛ و کتاب عمل الیوم واللیلة للحافظ ابن السُنّی ، باب ما یقول الرجل لمن یخطب إلیه، رقم الحدیث ۶۰۵ ، ۲۱۳ ۔ ۲۱۴؛ ومجمع الزوائد، کتاب المناقب ، باب منه في فضلها و تزویجها بعلي رضی اللہ عنہما ، ۲۰۹/۹۔ الفاظ حدیث الطبقات الکبریٰ کے ہیں۔ حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور بزار نے بھی قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان دونوں کے راویان سوائے عبدالکریم بن سلیط کے [صحیح کے روایت کرنے والے] ہیں، اور ابن حبان نے انہیں [ثقہ] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق ۲۰۹/۹) ؛ شیخ البانی نے اس کی [سند کو حسن] کہا ہے ۔ (ملاحظہ ہو: آداب الزفاف ص ۱۰۲)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(۸)

اولاد کا احتساب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی اولاد سے قلبی تعلق اور غیر معمولی پیار کے باوجود، ان کے ہاں قابل اعتراض بات سے چشم پوشی نہ فرماتے تھے، بلکہ پُرزور اور صوتِ حال کے مطابق اسلوب میں اس کا احتساب فرماتے تھے۔ توفیقِ الٰہی سے اس بارے میں ذیل میں سیرتِ

[1] المفهم ۳۸۴/۷۔ [2] شرح النووي ۳/۸۰۔

طیبہ سے تین مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

ا: سونے کی زنجیر پہننے پر بیٹی کا احتساب:

امام احمد اور امام نسائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ بلاشبہ ہبیرہ کی بیٹی رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں، جنہیں [اَلْفَتَخَ] کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹی سی چھڑی کے ساتھ ان کے ہاتھ پر مارنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے رہے:

''أَيَسُرُّكِ أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْ يَدَكِ خَوَاتِيْمَ مِنْ نَارٍ''؟

[''کیا تمہیں یہ بات پسند ہے، کہ اللہ تعالیٰ [ان سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے] تمہارے ہاتھ میں دوزخ کی آگ کی انگوٹھیاں ڈال دیں؟''] وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک کا شکوہ کیا۔

انہوں [یعنی ثوبان رضی اللہ عنہ] نے بیان کیا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے قریب پہنچ کر] دروازے کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم [کا طریقہ مبارک یہی تھا، کہ] جب اجازت طلب کرتے، تو دروازے کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔'' انہوں نے بیان کیا: ''فاطمہ نے ان [یعنی ہبیرہ کی بیٹی رضی اللہ عنہما] سے کہا: ''اس زنجیر کو دیکھئے، جو مجھے ابو حسن رضی اللہ عنہما نے بطور تحفہ دی ہے۔'' انہوں نے بیان کیا: ''زنجیر ان کے ہاتھ ہی میں تھی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور فرمایا:

''يَا فَاطِمَةُ ! بِالْعَدْلِ أَنْ يَقُوْلَ النَّاسُ : ''فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم ، فِيْ يَدَكِ سِلْسِلَةٌ مِنْ نَارٍ؟''([1])

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

"اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا لوگ یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں گے: [یہ] فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور تمہارے ہاتھ میں (دوزخ کی) آگ کی زنجیر ہے؟" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس[زنجیر] کو زبان سے شدّت سے بھینچا اور بیٹھے بغیر تشریف لے گئے۔ انہوں[یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا] نے زنجیر کے بارے میں حکم دیا اور وہ فروخت کر دی گئی۔ پھر انہوں نے اس[سے حاصل ہونے والی رقم] کے ساتھ ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سنا، تو[اللہ اکبر] کہا اور فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰى فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا مِنَ النَّارِ۔"

["سب تعریفیں اللہ کے لیے، کہ جنہوں نے فاطمہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کو (دوزخ کی) آگ سے بچالیا۔"]

[1] المسند، رقم الحدیث ۲۳۲۹۸، ۳۷/۸۳۔ ۸۴؛ وسنن النسائي، کتاب الزینة، الکراهیة للنسآء في إظهار الحلي والذهب ۸/۱۵۸۔ الفظ حدیث المسند کے ہیں۔ حافظ منذری لکھتے ہیں، کہ نسائی نے اس کو [صحیح سند] کے ساتھ روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے اس کو [صحیح] کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: الترغیب والترهیب ۱/۵۵۶؛ وصحیح الترغیب والترہیب ۱/۲۷۴؛ وصحیح النسائي ۳/۱۰۵۱)۔

امام نسائی کی روایت میں ہے: "وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا شکوہ کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی گردن میں پہنی ہوئی سونے کی زنجیر اتاری اور کہا: "یہ مجھے ابو حسن رضی اللہ عنہا نے بطور تحفہ دی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور تب زنجیر ان کے ہاتھ[ہی] میں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يَا فَاطِمَةُ! أَيَغُرُّكِ أَنْ يَقُوْلَ النَّاسُ : ابْنَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ يَدِهَا سِلْسِلَةٌ مِنَ النَّارِ۔" ([1])

["اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تم اس[بات] کو پسند کرتی ہو، کہ لوگ کہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اس کے ہاتھ میں (دوزخ کی) آگ کی زنجیر ہے؟"]

حدیث شریف سے معلوم ہونے والی باتیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شدید تعلق اور بہت ہی زیادہ پیار، ان پر احتساب کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنا۔

۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احتساب میں قدرے سخت رویہ استعمال فرمایا۔ درج ذیل باتوں سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے:

ا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کا آغاز سوالیہ جملہ سے فرمانا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

[1] سنن النسائي ۸/۱۵۸۔

ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح انداز میں لگی لپٹی کے بغیر سونے کی زنجیر پہننے کے سنگین انجام کو بیان فرمانا۔

ج: زنجیر کو شدّت سے کھینچنا۔

د: گھر میں داخل ہونے کے باوجود بیٹھے بغیر اپنی ناراضی کا اظہار کر کے تشریف لے جانا۔

۳: دورانِ احتساب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو احساس دلایا، کہ ان کا بلند مقام ان سے انتہائی محتاط زندگی بسر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

۴: بلند مقام والوں کو قابلِ اعتراض عمل کر کے لوگوں کو بات کرنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہیے۔

۵: کتنی ہی عورتیں غلط کاموں کے کرنے کے لیے خاوندوں کی پسند کا حیلہ تراشتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کے مقابلہ میں کسی شوہر کی چاہت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احتساب پر عمل پیرا ہو کر اس بارے میں اپنے عقیدہ کا اظہار فرمادیا۔

۶: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فرمانبرداری میں طرزِ عمل مثالی تھا۔ اس واقعہ میں موجود درج ذیل باتیں اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سونے کی انگوٹھیوں کے متعلق ناپسندیدگی کے بارے میں سنتے ہی بلاتردّد سونے کی زنجیر اپنی گردن سے اتار دینا۔

ب: سونے کی زنجیر فروخت کر کے اس کی قیمت سے غلام خرید کر اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کر دینا۔

۷: والدین کے لیے اولاد کے متعلق حقیقی خوشی اس بات میں ہے، کہ وہ جہنم کی آگ

میں لے جانے والے اعمال سے دور ہو جائیں۔ یہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَجّٰی فَاطِمَۃَ رضی اللہ عنہا مِنَ النَّارِ۔''

[''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، کہ جنہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دوزخ کی آگ سے بچالیا''۔]

(۹)

اولاد کی بیماری اور وفات پر صبر

دنیا کے سنگین صدموں میں سے ایک اولاد کی وفات کا صدمہ ہوتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صدمے کا متعدد مرتبہ سامنا کرنا پڑا۔ سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ساری اولاد کی موت کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال صبر واستقامت سے اس دکھ کو برداشت کیا۔([2]) توفیقِ الٰہی سے اسی سلسلے میں چار مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

ا: بیٹی کی وفات پر صبر:

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان فرمایا:

''شَهِدْنَا بِنْتًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم۔

قَالَ: ''وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ۔''

قَالَ: ''فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ۔''([1])

["ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی [کے جنازے میں] حاضر ہوئے۔ انہوں نے بیان کیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف فرما تھے۔" انہوں نے بیان کیا: "پس میں نے دیکھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں آنسو بہارہی تھیں۔" بیٹیوں سے بہت ہی گہرے تعلق اور پیار کرنے والے مشفق اور مہربان باپ اپنی آنکھوں کو آنسو بہانے سے تو روک نہ سکے، لیکن اپنی زبانِ مبارک سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکالا، جو صبر کے منافی ہو۔ فَصَلَوَاتُ نَبِيِّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

[1] صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: ''يُعَذَّبُ الميت ببعض بكاءِ أهله عليه إذا كان النوح من سنته.....، جزء من رقم الحديث ۱۲۸۵،۳/۱۵۱۔

ب: بیٹے کی وفات پر صبر:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى أَبِيْ سَيْفٍ الْقَيْنِ، وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيْمَ رضى الله عنه۔ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِبْرَاهِيْمَ، فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ۔''

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابو سیف لوہار کے ہاں گئے۔ اور وہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی والد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو پکڑا، انہیں بوسہ دیا اور سونگھا''

ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ ۔ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ۔ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَذْرِفَانِ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ : ''وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟''

فَقَالَ : ''يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ۔'' ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَىٰ ،

فَقَالَ : ''إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ ، وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا ،

وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ ۔'' ([1])

[1] متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: ''إِنَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ''، رقم الحديث ۱۳۰۳، ۳/۱۷۲۔۱۷۳؛ وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمة صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال، وتواضعه، وفضل ذلك، رقم الحديث ۶۲۔ (۲۳۱۵)، ۴/۱۸۰۷۔۱۸۰۸۔ اللفظ حديث صحيح البخاری کے ہیں۔

[''پھر ہم اس کے بعد ان کے پاس گئے۔ (اور تب) ابراہیم دم توڑ رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں۔ (یہ دیکھ کر)

عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ بھی (رو رہے ہیں)؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ تو یقیناً رحمت ہے۔'' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ روئے اور فرمایا: ''بے شک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل غمگین ہے، لیکن ہم صرف وہ ہی کہتے ہیں، جسے ہمارا رب پسند کرتا ہے۔ اے ابراہیم! بلاشبہ ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔'' بیٹے کی وفات معمولی صدمہ نہیں، اور خصوصاً جب کہ وہ بیٹا بڑھاپے میں ملا ہو([1])، باپ کا اکلوتا فرزند ہو، اس سے پہلے اس کے ایک یا ایک سے زیادہ بھائی فوت ہو چکے ہوں، لیکن اس سب کچھ کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توفیقِ الٰہی سے کمال ہمت سے اس عظیم صدمے پر کمال صبر کیا۔ فَصَلَوَاتُ رَبِّيْ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

ج: نواسی کی شدّتِ مرض پر صبر:

امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ''

أَنَّ ابْنَةً لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ۔ وَهُوَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَسَعْدٌ وَأُبَيٌّ ۔ رضی اللہ عنهم نَحْسَبُ أَنَّ ابْنَتِي قَدْ حُضِرَتْ ، فَاشْهَدْنَا۔''

[1] ملاحظه ہو: جوامع السيرة ص ۳۸۔۳۹، وزاد المعاد ۱/۱۰۳۔۱۰۴؛ والفصول فی سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم ص ۲۲۱۔۲۲۲؛ وفتح الباري ۳/۱۷۴۔ وسيرة النبي صلى الله عليه وسلم ص ۲۵۸۔۲۵۹۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

[بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا: "ہمارا خیال ہے، کہ میری بیٹی کی وفات کا وقت آچکا ہے، اس لیے آپ ہمارے ہاں تشریف لائیے" اور اس وقت وہ (اسامہ)، سعد اور ابی رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے]

"فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا السَّلاَمَ ، وَيَقُوْلُ: "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهُ مُسَمًّى، فَلْتَحْتَسِبْ ، وَلْتَصْبِرْ ۔"

[آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام بھیجا، اور فرمایا (یعنی یہ پیغام بھی ارسال کیا): "بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو انہوں نے لے لیا اور جو انہوں نے عطا فرمایا اور ہر چیز کا ان کے ہاں (وقت) مقرر ہے، پس تم ثواب کی امید رکھو اور صبر کرو۔"]

"فَأَرْسَلَتْ تُقْسِمُ عَلَيْهِ،"

[پھر انہوں نے قسم دے کر پیغام بھیجا]،

"فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَقُمْنَا، فَرُفِعَ الصَّبِيُّ فِيْ حَجْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ، وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ، فَفَاضَتْ عَيْنَا النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ۔

" [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لیے) اٹھے، بچی کو اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھا گیا اور اس کی سانس کے اٹکنے کی بنا پر آواز پیدا ہو رہی تھی (یہ حال دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔] سعد رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"مَا هٰذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟"

["یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟"] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"هٰذِهِ رَحْمَةٌ وَضَعَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ، لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الرُّحَمَاءَ ۔"([1])

["یہ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن کے دلوں میں چاہتے ہیں، ڈال دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر ہی رحم فرماتے ہیں۔"] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجنے والی آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، اور جان کنی کے عالَم میں ان کی بیٹی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے انہیں شفا عطا فرمائی اور اس کے بعد وہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو اٹھا کر نماز ظہر یا نماز عصر پڑھائی تھی۔([2])،([3])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی کو نزع کے عالَم میں دیکھ کر بھی صبر کو نہ چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے گہرا تعلق اور شدید پیار انہیں اٹھا کر نماز پڑھانے سے عیاں ہے، لیکن اس کے باوجود آنکھوں سے آنسو بہنے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدتِ غم میں بھی صبر کے منافی ایک لفظ بھی نہ فرمایا اور نہ ہی کوئی ایسا کام کیا۔ فَصَلَوَاتُ رَبِّيْ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

حدیث شریف میں دیگر فوائد:

حدیث شریف میں متعدد دیگر فوائد میں سے دو درج ذیل ہیں:

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی کے ساتھ غیر معمولی تعلق، کہ جب انہوں نے

[1] صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب عيادة الصبيان، رقم الحديث ۵۶۵۵، ۱۰/۱۱۸۔ [2] ملاحظہ ہو: اس کتاب کے صفحات ۳۰۔۳۲۔ [3] ملاحظہ ہو: فتح الباري ۳/۱۵۶۔

قسم دے کر پیغام بھیجا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت ان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نواسی سے گہرا لگاؤ، کہ بیمار نواسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھا گیا، تو ان کی سنگین حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔

ھ: نواسے کی وفات پر صبر:

امام بزّار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا بیمار ہوا، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِرْجِعْ ، فَإِنَّ لَهُ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَبْقٰى ، وَكُلٌّ لِأَجَلٍ بِمِقْدَارٍ۔''

["واپس جاؤ (اور یہ پیغام پہنچا دو) پس یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو انہوں نے لے لیا ہے اور جو انہوں نے باقی رہنے دیا ہے اور ہر ایک کے لیے ایک مقررہ مدت ہے۔"] جب بچے کی جان کنی کا وقت آیا، تو انہوں نے (دوبارہ) پیغام ارسال کیا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا:

''قُوْمُوْا۔'' ['' اٹھو''] ''فَلَمَّا جَلَسَ ، جَعَلَ يَقْرَأُ {فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَأَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ } ([1]) حَتّٰى قُبِضَ ، فَدَمِعَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ۔''([2])

[1] سورۃ الواقعۃ، الآیتان ۸۳۔۸۴۔ [2] منقول از: مجمع الزوائد، كتاب الجنائز، باب ما جاء في البكاء، ۲/۱۸۔ حافظ ہیثمی لکھتے ہیں، کہ اسے بزّار نے روایت کیا ہے۔ اس میں (ایک راوی) اسماعیل بن موسیٰ مکی ہے، ان میں کلام ہے، (لیکن) ان کی توثیق کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق ۲/۱۸)۔

[جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (وہاں پہنچ کر) بیٹھے، تو آپ نے تلاوت کرنی شروع کی [ترجمہ: پس ایسا کیوں نہیں، کہ جب وہ (جان) حلق کو پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت (مجبورِ محض ہو کر) دیکھ رہے ہوتے ہو۔] یہاں تک کہ (بچے کی روح) قبض کر لی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔] اس حدیث شریف میں بھی یہ بات واضح ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کی وفات پر صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

حدیث شریف میں دیگر فوائد:

سابقہ حدیث شریف کی طرح اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادی سے گہرا تعلق اور نواسے سے شدید لگاؤ واضح ہے۔

(۱۰)

شدّتِ غم کے باوجود بیٹیوں کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، کہ سیرتِ طیبہ میں ایک نمایاں بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹیوں کے معاملات سے خصوصی دلچسپی رکھنا ہے۔ اسی اہتمام کا ایک مظہر ان کی وفات کے موقع پر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید غم کے باوجود، ان کے غسل، تجہیز و تکفین اور تدفین کے معاملات کی براہِ راست نگرانی فرمانا ہے۔ توفیقِ الٰہی سے ذیل میں اس سلسلے میں تین واقعات پیش کیے جا رہے ہیں:

ا: بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کے متعلق ہدایات دینا:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت امّ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

'' دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ([1])بِيْ ۔ تُوَفِّيَتْ ابْنَتُهُ، ([2]) فَقَالَ: ''اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ ، وَاجْعَلْنَ فِيْ الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ۔ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ ۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فوت ہوئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''انہیں بیری کے پتے ملے ہوئے پانی کے ساتھ تین یا پانچ مرتبہ غسل دو۔ اگر مناسب سمجھو، تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو۔ اور آخر میں کافور یا کچھ کافور استعمال کر لینا۔ جب تم (انہیں غسل دینے سے) فارغ ہو جاؤ، تو مجھے اطلاع کرنا۔'' جب ہم فارغ ہوئیں، تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، تو آپ نے ہمیں اپنی چادر دی اور فرمایا:

[1]صحیح مسلم میں ہے: ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ ۔'' رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔'' (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، جزء من رقم الحديث ۳۶۔ (۹۳۹) ، ۲/۶۴۶)۔ [2] صحیح مسلم میں ہے: ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''لَمَّا مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ، قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا فوت ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا... الحديث۔ (المرجع السابق ، جزء من رقم الحديث ۴۰۔ (۹۳۹)، ۲/۶۴۸)۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

''أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ۔'' تَعْنِي ُ إِزَارَاهُ۔''([1])

''انہیں اس میں لپیٹ دو'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک دوسری روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَهُنَّ فِي ُ غُسْلِ ابنَتِهِ: ''ابْدَ أْنَ بِمَيَامِنِهَا، وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا۔''([2])

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کے غسل کے متعلق ان سے فرمایا: [ان کی دائیں طرف اور وضو کی جگہوں سے (غسل کی) ابتدا کرنا''] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادیوں سے قلبی تعلق چنداں محتاج بیان نہیں۔ ان کی تکلیف اور خصوصاً وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم واندوہ کی کیفیت احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں، لیکن اس سب کچھ کے باوجود صاحبزادی کے صحیح طریقہ پر غسل کروانے کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک لفظ سے ٹپک رہا ہے۔ فَصَلَوَاتُ بِيِّ ّ وَسَلاَ مُهُ عَلَيْهِ۔

ب: بیٹی امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے کنارے بیٹھ کر تدفین کروانا:

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

[1]متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر، رقم الحديث ۱۲۵۳ ، ۳/۱۲۵؛ وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، رقم الحديث ۲۶ـ (۹۳۹)، ۲/۶۴۶ـ الفاظ حدیث صحیح البخاری کے ہیں۔ [2] متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب يبدأ بميامن الميت، رقم الحديث ۱۲۵۵، ۳/۱۳۰؛ وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، رقم الحديث ۴۳ـ (۹۳۹)، ۲/۶۴۸ـ الفاظ حدیث صحیح مسلم کے ہیں۔

''شَهِدْ نَا بِنْتًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ۔'' قَالَ: ''وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ۔ قَالَ: ''فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْ مَعَانِ ۔'' قَالَ: '' فَقَالَ: ''هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟''

[''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی (کے جنازے میں) حاضر تھے''

انہوں نے بیان کیا: ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر (کے کنارے) پر تشریف فرما تھے''

انہوں نے بیان کیا: ''اور میں نے دیکھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔'' انہوں نے بیان کیا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے، جس نے آج شب ہم بستری نہ کی ہو؟'' ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: '' میں (ہوں)۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَانْزِلْ'' ''تم (قبر میں) اترو''

انہوں نے بیان کیا: ''سو وہ ان کی قبر میں اترے۔''([1])

سبحان اللہ! صاحبزادی کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے کنارے بیٹھے بنفسِ نفیس ان کی تدفین کی نگرانی فرما رہے ہیں۔ اس میں نہ تو کوئی مشغولیت آڑے

[1]صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : ''يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته'' ، رقم الحديث ١٢٨٥، ٣/١٥١۔

آئی اور نہ ہی رنج والم کی شدّت۔ فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

ج: ایک بیٹی کی قبر کے کنارے بیٹھے دوسری بیٹی کے آنسو پونچھنا:

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِلْحَقِيْ بِسَلَفِنَا الْخَيِّرِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ ۔''

[''ہمارے بہترین سلف (یعنی ہم سے پہلے فوت ہونے والے) عثمان بن مظعون کے ساتھ مل جاؤ''] انہوں نے بیان کیا: ''عورتیں رونے لگی، تو عمر رضی اللہ عنہ سے انہیں اپنی چھڑی سے مارنا شروع کیا۔ اس پر نبی کریم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''دَعْهُنَّ يَبْكِيْنَ ، وَإِيَّاكُنَّ وَنَعِيْقَ الشَّيْطَانِ ۔''

''انہیں رونے دو۔ اور (اے عورتو) شیطان کی چیخ وپکار سے اجتناب کرنا۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَهْمَا يَكُنْ مِنَ الْقَلْبِ وَالْعَيْنِ فَمِنَ اللّٰهِ وَالرَّحْمَةِ، وَمَهْمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَاللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ ۔''

''جو کچھ دل اور آنکھ سے ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور (اس کا باعث) شفقت ہے اور جو کچھ ہاتھ اور زبان سے ہو، تو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔''

وَقَعَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ ، وَفَاطِمَةُ رضى الله عنها إِلٰى جنبه تَبْكِيْ ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَمْسَحُ عَنْهَا ، فَاطِمَةَ بِثَوْبِهِ رَحْمَةً عَلَيْهَا۔''([1])

[اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر تشریف فرما ہوئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پہلو میں بیٹھی رو رہی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازراہِ شفقت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے اپنے کپڑے سے آنسو پونچھ رہے تھے۔] بیٹیوں کے باپ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ کس قدر شفیق ومہربان تھے! غم واندوہ کی شدّت ملاحظہ فرمائیے: ایک صاحبزادی قبر میں اتاری جارہی ہے اور دوسری پہلو میں بیٹھی رو رہی ہے۔ قبر میں اتاری جانے والی بیٹی کی تدفین اپنی نگرانی میں کروارہے ہیں اور رونے والی بیٹی کے آنسوؤں کو خود اپنے کپڑے سے پونچھ رہے ہیں۔

فِدَاهُ بِأَبِيْ وَأُمِّيْ ،وَصَلَوَاتُ بَيِّ وَسَلاَمُهُ عَلَيْهِ۔

(۱۱)

بیٹیوں کو صبر کی تلقین

سیرتِ طیبہ سے یہ بات بھی ثابت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کو صبر کی تلقین فرماتے۔ نہ صرف یہ، بلکہ مصیبت کے آنے سے پہلے ذہنی طور پر انہیں مصیبت پر صبر کرنے کے لیے تیار فرماتے۔ ذیل میں اس بارے میں توفیقِ الٰہی سے دو واقعات پیش کیے جارہے ہیں:

[1]المسند، جزء من رقم الحديث ۳۱۰۳، ۵/۴۱۔ شیخ احمد شاکر نے اس کی [سند کو صحیح] قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: هامش المسند ۵/۴۱)۔ تنبیہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر موجودگی کے متعلق شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے: ''فَالظَّاهِرُ أَنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ النَّهْيِ عَنْ زِيَارَةِ النِّسَآئِ الْمَقَابِرِ لِأَنَّ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ رضی اللہ عنہ مَاتَ عَقِبَ غَزْوَةِ بَدْرٍ سَنَةَ ۲ مِنَ الْهِجْرَةِ۔'' (المرجع السابق ۵/۴۱-۴۲)۔ [''ظاہر یہ ہے کہ، بے شک یہ عورتوں کو قبرستان کی زیارت سے روکنے سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ۲ھ میں ہونے والے غزوۂ بدر کے متصل بعد ہوئی]..

۱: حالتِ نزع میں موجود نواسے کے فوت ہونے پر بیٹی کو صبر کی تلقین:

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ جَائَهُ رَسُوْلُ إِحْدَى بَنَاتِهِ تَدْعُوْهُ إِلَى ابْنَهَا فِي الْمَوْتِ۔''

[''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی کا قاصد یہ پیغام لے کر آیا، کہ ان کا بیٹا حالتِ نزع میں ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشریف لانے کے لیے عرض کر رہی ہیں۔''] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِرْجِعْ فَأَخْبِرْهَا أَنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَمُرْهَا، فَلْتَصْبِرْ، وَلْتَحْتَسِبْ۔''([1])

[''(اس کے پاس) واپس جاؤ اور اسے بتلاؤ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو انہوں نے لے لیا اور انہی کے لیے ہے، جو انہوں نے دیا اور ہر چیز ان کے ہاں ایک مقررہ مدت کے لیے ہے۔ اسے حکم دو، کہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے حصول کی نیت کرے۔''] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابھی بچے کی وفات نہ ہوئی تھی، بلکہ حافظ ابن

[1]متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ {قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمٰن... الآية، جزء من رقم الحديث ۷۳۷۷، ۱۳/۳۵۸؛ وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، جزء من رقم الحديث ۱۱-(۹۲۳)، ۲/۶۳۵۔ الفاظ حدیث صحیح البخاری کے ہیں۔

حجر نے لکھا ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپ دیا اور بیٹی کو صبر کرنے کی نصیحت فرمائی، تو اللہ تعالیٰ نے مریض کو عافیت عطا فرمادی۔([1]) اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو بچے کی وفات سے قبل ہی صبر و احتساب کی نصیحت فرمائی۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

ب: بیٹی کو اپنی وفات کی خبر دیتے وقت تقویٰ وصبر کی تلقین:

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: "ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں آپ کے پاس تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی وہاں سے گئی نہ تھی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتے ہوئے آئیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! ان کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال سے مختلف نہ تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا، تو خوش آمدید کرتے ہوئے فرمایا:

"مَرْحَبًا بِابْنَتِي"۔

"میری بیٹی کو خوش آمدید"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھایا، پھر ان سے سرگوشی کی، تو وہ شدید رونے لگ گئی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غم کو دیکھا، تو دوبارہ ان کے کان میں بات کی، تو وہ ہنسنے لگی۔ سب بیویوں میں سے میں نے ان سے کہا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو چھوڑ کر آپ کو سرگوشی کا شرف بخشا، پھر بھی رو رہی ہیں؟"

[1] ملاحظہ ہو: فتح الباري: ۳/۱۵۶۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے سرگوشی کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا کرنے والی تو نہیں ہوں۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے، تو میں نے ان سے کہا: "آپ پر میرا جو حق ہے، اس کی بنا پر میں آپ کو تاکید کرتی ہوں، کہ مجھے وہ بات بتلا دیجئے۔" انہوں نے جواب دیا: "ہاں، اب بتلا سکتی ہوں۔"

پھر انہوں نے مجھ سے بیان کیا:

"أَمَّا الْيَوْمَ فَسَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي: "أَنَّ جِبْرِيلَ عليه السلام كَانَ يُعَارِضُهُ الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَأَنَّهُ قَدْ عَارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، لَا أُرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ، فَاتَّقِي اللَّهَ وَاصْبِرِي، فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ لَكِ۔"

"جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ سرگوشی کی تھی، تو آپ نے مجھے خبر دی تھی، کہ بے شک جبریل۔ علیہ السلام۔ ہر سال مجھ سے قرآن (کریم) کا ایک مرتبہ دور کرتے تھے، لیکن اس سال انہوں نے دو دفعہ دور کیا۔ میرا یہی خیال ہے، کہ موت کا وقت یقینا قریب آپہنچا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا اور صبر کرنا، کیونکہ بے شک میں تمہارے لیے بہترین آگے جانے والا ہوں۔" انہوں نے (بیان کرتے ہوئے مزید) فرمایا: "جیسا کہ آپ نے دیکھا، میں نے رونا شروع کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پریشانی دیکھی، تو مجھ سے دوبارہ سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا:

''يَا فَاطِمَةُ! أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ ؟'' أَوْ ''سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟''([1])

''اے فاطمہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کیا تو اس بات پر راضی نہیں، کہ تم (جنت میں) ایمان والی عورتوں کی سردار ہو؟'' یا([2]) (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): ''تم اس امت کی عورتوں کی سردار ہو؟'' اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو اپنی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے ہی اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادی کو قبل از وقت خبر دینے میں۔ واللہ تعالیٰ اَعلم۔ یہ حکمت بھی تھی، کہ وہ ذہنی طور پر اس عظیم صدمہ کو برداشت کرنے کے لیے کسی حد تک تیار ہو جائیں۔

[1] متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب من ناجى بين يدي الناس، ، رقم الحديث ٦٢٨٥، ٦٢٨٦، ١١/٧٩-٨٠؛ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل فاطمة رضى الله عنها بنت النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم الحديث ٩٨- (٢٤٤٩)، ٤/١٩٠٢-١٩٠٥- الفظ حديث صحيح البخاری کے ہیں۔ [2] راوی کو شک ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے کون سا جملہ ارشاد فرمایا۔

حدیث شریف میں دیگر چار فوائد:

۱: بیٹی کی پریشانی کے موقع پر باپ کا اسے دلاسا دینا۔

۲: تسلی دینے کی خاطر سچی بات پر اکتفا کیا جائے۔

۳: فتنہ کا ڈر نہ ہونے کی صورت میں اولاد کے رُوبرو ان کی عظمت و منقبت کی بات بیان کرنا۔

۴: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی سے قلبی لگاؤ، کہ ان کے پریشان ہوتے ہی انہیں دلاسا دینا شروع فرمایا۔ فَصَلَوَاتُ رَبِّيْ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

حرفِ آخر

درختوں کے پتوں، ریت کے ذرّات اور پانی کے قطرات سے زیادہ حمد و ثنا اللہ عزّوجلّ کے لیے، کہ انہوں نے محض اپنی عنایت و نوازش سے مجھ ایسے کمزور اور ناتواں کو اپنے خلیل و حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ایک اہم پہلو [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ معلم اور بحیثیتِ والد] کے متعلق یہ صفحات ترتیب دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ اب انہی سے اس ٹوٹی پھوٹی معمولی سی کوشش کو قبول فرما لینے اور اسے میرے قابل صد احترام والدین، حضرتِ اساتذہ، میرے اور اہلِ اسلام، بلکہ پوری انسانیت کے لیے نفع، خیر، برکت اور رحمت کا ذریعہ بنا دینے کی عاجزانہ التجا ہے۔ إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ ۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

خلاصہ کتاب:

اس کتاب میں بیان کردہ گفتگو کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱: اولاد اور نواسوں کی ملاقات کے لیے جانا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، سفر سے واپسی پر ازواج مطہرات کے حجروں میں جانے سے پہلے انہی کے ہاں تشریف لے جاتے، شیر خوار صاحبزادے کو دیکھنے کی غرض سے ان کی رضاعی والدہ کے گھر، وہاں موجود بھٹی کے دھویں اور مسافت کی دوری کے باوجود تشریف لے جایا کرتے تھے، علاوہ ازیں نواسے سے ملاقات کی غرض سے اپنی صاحبزادی کے دروازے پر تشریف لے گئے۔

۲: بیٹی کا حسنِ استقبال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے استقبال کے لیے اٹھ کر آگے بڑھتے، [مَرْحَبًا بِابْنَتِي] کے الفاظِ مبارکہ سے انہیں خوش آمدید کہتے، انہیں بوسہ دیتے، ان کا ہاتھ تھام لیتے اور مجلس میں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھاتے۔ بیٹی کے استقبال میں ان سب باتوں کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا۔

۳: صاحبزادیوں کی اولاد سے غیر معمولی پیار:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حسن رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھایا، اللہ کے رُوبرو ان سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ ہی سے انہیں اور ان سے محبت کرنے والوں کو اپنا محبوب بنانے کی دعا کی، نواسی کو کندھے پر اٹھائے لوگوں کو نماز پڑھائی، مہمان کے رُوبرو نواسے کو بوسہ دیا اور اس بارے میں مہمان کی گفتگو کو ناپسند فرمایا، دونوں نواسوں کو گرتے ہوئے دیکھ کر خطبہ جاری نہ رکھ سکے، انہیں اٹھا کر اپنے آگے بٹھایا، پھر خطبہ دیا، دونوں نواسوں کو دنیوی خوشبو میں سے اپنا حصہ قرار دیا۔

۴: اولاد کے لیے دعائیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہاگ کی رات بیٹی، ان کے شوہر، ان کی اولاد اور نسل اور معاملات میں برکت کے لیے دُعائیں کی، اسی رات بیٹی کی خدمت اور نگہبانی کے لیے آنے والی خاتون کو دُعائیں دیں۔ ایک اور موقع پر بیٹی، داماد اور نواسوں سے گندگی کی دوری اور خوب پاکیزگی کی دعا کی، نواسے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے اور رحمتِ الٰہیہ پانے کی فریاد کی، دونوں نواسوں کے اللہ تعالیٰ کے محبوب بننے اور ان کے لیے پناہِ الٰہی حاصل ہونے کی دعا کی۔

۵: اولاد کی تعلیم کا اہتمام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو صبح و شام پڑھنے والی اور خادم سے بہتر دعا کی تعلیم دی، بیٹی اور داماد دونوں کو نماز کے بعد اور بستر پر آنے کے بعد پڑھنے والے کلما تسکھلائے اور نواسے کو دعائے قنوت پڑھائی، علاوہ ازیں نواسے نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر دین کی باتیں سیکھیں اور یاد کیں۔

۶: نواسوں کو کھلانا ہنسانا:

اس غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے کے پیچھے پیچھے پکڑنے کے لیے راستے میں چلے، نواسوں کے لیے اپنی زبان مبارک کو باہر نکالا، دورانِ سجدہ انہیں پشت مبارک پر سوار ہونے دیا، بلکہ طویل وقت تک دورانِ سجدہ ہی نواسے کو پشت مبارک پر سوار رہنے دیا۔

۷: بیٹیوں کی عائلی زندگی سے تعلق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کی شادیوں کا خود اہتمام فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی کے لیے واضح فرمایا، کہ انہوں نے ان کے رشتہ کی خاطر خاندان میں سے عزیز ترین شخص کے انتخاب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، داماد کو ولیمہ کی تلقین کی، رخصتی کے وقت بیٹی کو تحائف دیے، بیٹی کی عائلی زندگی میں ہونے والے نزاع کی اصلاح فرمائی، داماد کی رہائی کے وقت بیٹی کو بھیجنے کی شرط لگائی، خانگی زندگی میں بیٹی کو دین میں مبتلائے فتنہ کرنے والی بات سے بچانے کی سعی فرمائی۔

۸: نواسوں کے معاملات سے گہری دلچسپی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان دی، نواسوں کی طرف سے عقیقہ کیا اور ان کے نام رکھے، بیٹی کو نواسہ کے سر کو مونڈھنے اور ان کے سر کے بالوں کے برابر وزن کی چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا، پیاس کی وجہ سے نواسوں کے رونے پر بر قرار ہوئے اور ان کی پیاس بجھانے کی کوشش فرمائی۔

۹: بیٹی اور داماد کی ضرورت پر فقیر طلبہ کی ضرورت کو ترجیح دینا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی اور داماد کی ضرورت کے باوجود انہیں خادم نہ دیا۔ ان کی ضرورت پر فقیر طلبہ کی ضرورت کو ترجیح دی اور ان خادموں کو فروخت کر کے ان کی رقم فقیر طلبہ پر خرچ کرنے کے ارادہ کا اظہار فرمایا۔

۱۰: بیٹی اور داماد کو نمازِ تہجد کی ترغیب:

اس مقصد کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں انہیں جگانے کی غرض سے دو مرتبہ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔

۱۱: صاحبزادی کو دنیاوی زیب وزینت سے دور رکھنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی کے ہاں رنگ برنگ پردہ دیکھ کر دروازے سے ہی واپس ہو گئے۔ صاحبزادی کی طرف سے علی رضی اللہ عنہما کے پیچھے آکر استفسار پر واپس لوٹ آنے کا سبب بتلایا اور دنیاوی زیب وزینت سے دور رہنے کی نصیحت فرمائی۔

۱۲: بیٹی کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ کی خود کوشش کرنے کی تلقین:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی پر واضح فرمادیا، کہ اسباب کی دوری کی صورت میں رشتہ داری کی قربت کچھ کام نہ آئے گی، لہٰذا انہیں اپنے آپ کو دوزخ سے محفوظ رہنے کے لیے خود جدوجہد کرنا ہوگی۔

۱۳: اولاد کا احتساب:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کے ہاں سونے کی زنجیر پر قدرے سخت رویہ سے احتساب فرمایا، حضرت عائشہ کو سخت سُست کہنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا اسلوبِ عاطفی کے ساتھ احتساب فرمایا، صدقہ کی کھجور منہ میں ڈالنے پر نواسوں کا احتساب کیا۔

نواسے کو جھڑکا، کھجور پھینکنے کا حکم دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے منہ سے کھجور باہر نکال کر پھینک دی، علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم عمری کی بنا پر ترکِ احتساب کی تجویز کو مسترد فرمایا۔

۱۴: دامادوں کے ساتھ گہرا تعلق اور عمدہ معاملہ:

ا: دعائیں سکھلانا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داماد کو غم اور سختی کے وقت پڑھنے والی دعا، قرض ادا کروانے والی دعا اور نماز کے بعد اور بستر پر آنے کے بعد پڑھنے والے کلمات سکھلائے۔

ب: داماد کے لیے دعائیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داماد کے دل کی راہنمائی، زبان کی پختگی، شفایابی اور گرمی اور سردی کا احساس ختم ہونے کی دعائیں کی۔ علاوہ ازیں حضرت فاطمہ، حسن وحسین کے ساتھ دامادرضی اللہ عنہم کے لیے گندگی کی دوری اور خوب پاکیزگی کی دعا کی۔

ج: دامادوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ بہترین معاملہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مضرّ صحت چیز کھانے سے روکا اور مفید چیز لینے کی تلقین فرمائی، غزوۂ بدر میں قید ہونے والے داماد کو حضراتِ صحابہ کے مشورہ سے فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا، بیٹی کی طرف سے داماد کو دیئے ہوئے امان کو برقرار رکھا، اور داماد کی تکریم کا حکم دیا، داماد کے تجارتی قافلے کا مال واپس کروادیا، داماد کی حق گوئی اور ایفائے عہد کی برسرِ منبر تعریف کی، داماد کے مسلمان ہونے پر بیٹی کو ان کی زوجیت میں لوٹادیا، ایک دوسرے داماد کے ہاں پہلی بیٹی کی وفات پر انہیں دوسری بیٹی کا رشتہ دے دیا، ایک تیسرے داماد کے ساتھ بیٹی کی

کھٹ پٹ کی صورت میں خود داماد کے پاس تشریف لے گئے، اپنے دستِ مبارک سے ان کے جسم سے مٹی صاف کی اور ازراہِ مزاح ابوتراب کے لقب سے آواز دی اور بیٹی کے ساتھ نزاع کے متعلق کسی بھی قسم کی کوئی بات نہ کی۔ د: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں تہجد کی خاطر، اپنی بیٹی کے ساتھ ساتھ داماد کو بیدار کرنے کی غرض سے، ان کے ہاں دو مرتبہ تشریف لے گئے۔

۱۵: اولاد کی بیماری اور وفات پر صبر:

بیٹی کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، لیکن زبان مبارک سے صبر کے منافی ایک لفظ بھی نہ نکالا، بڑھاپے میں ملنے والے اکلوتے فرزند کی وفات پر آنسوؤں کے بہنے اور دل کے غمگین ہونے کے باوجود لسانِ رسالت سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا کوئی لفظ نہ نکالا، پیاری نواسی کی شدید بیماری پر صبر کا دامن نہ چھوڑا، نواسے کی وفات پر کمال صبر کا مظاہرہ فرمایا۔

۱۶: شدّتِ غم کے باوجود بیٹیوں کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا:

صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غسل دینے کے بارے میں ہدایات دیں، صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات پر ان کی قبر کے کنارے بیٹھ کر ان کی تدفین کا بندوبست کروایا، صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے کنارے بیٹھ کر تدفین کی نگرانی فرمائی اور پاس بیٹھی دوسری صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنسو اپنے کپڑے سے پونچھے۔

۱۷: بیٹیوں کو صبر کی تلقین:

حالتِ نزع میں موجود نواسے کی وفات پر ایک صاحب زادی کو صبر کی تلقین فرمائی، دوسری صاحبزادی کو اپنی وفات کی قبل از وقت خبر دیتے وقت تقویٰ و صبر کی تلقین فرمائی۔

اپیل:

میں اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے، درخواست کرتا ہوں،

ا: تمام مسلمان والدین، بلکہ روئے زمین کے تمام والدین سے، کہ:

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی [سیرتِ پاک کے بحیثیت والد] پہلو کے متعلق آگاہی حاصل کریں۔

وہ اپنی اولادوں اور ان کی اولادوں سے تعلّق اور معاملہ میں درجِ ذیل امور کا اہتمام کریں:

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

٭ ان سے خوب پیار کریں اور اس کا مبالغہ کے بغیر اظہار بھی کریں۔ جائز طریقوں سے انہیں کھلائیں، ہنسائیں۔

٭ انہیں وقت دیں۔ اگر وہ کسی دوسری جگہ ہوں، تو ان کی ملاقات کے لیے جائیں، ان کی آمد پر اور خصوصاً بیٹیوں کی آمد پر عمدہ استقبال کریں۔

٭ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے خوب فریادیں کریں۔ ان سے گندگی کی دوری، پاکیزگی کے حصول، ان کی شفایابی، دل کی راہنمائی، ثباتِ لسانی، اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور پناہ کے حصول کی دعائیں کریں۔

٭ ان کی تعلیم کا اہتمام کریں، انہیں قرآن و سنت سے ثابت شدہ دعائیں سکھلائیں، نوافل کی ترغیب دیں، دنیاوی زیب و زینت کے شیدائی بننے سے روکیں، دوزخ سے بچاؤ کے لیے کوشش کرنے کی تلقین کریں۔

٭ ان کی غلطیوں پر ان کا احتساب کریں۔ دورانِ احتساب صوتِ حال کے مطابق نرم اور سخت رویہ اختیار کریں۔ اولاد کی کم عمری کی بنا پر احتساب ترک نہ کریں۔ اس سلسلہ میں کسی کی تنقید کو قابلِ توجہ نہ سمجھیں۔

٭ بیٹیوں کی شادیوں کا خود اہتمام کریں، بیٹیوں کو اسراف و تبذیر اور نمود و نمائش سے دور رہتے ہوئے تحائف دیں، ان کی خانگی زندگی سے مناسب حد تک دلچسپی رکھیں اور اس میں بدمزگی کی صورت میں اصلاح کی کوشش کریں۔

٭ اولاد کی اولاد کے معاملات میں بھی مقدور بھر دلچسپی رکھیں اور تاحدِّ استطاعت ان کی خدمت کریں۔

٭ اولاد اور ان کی اولاد سے تعلّق دین کے طالب علموں، نادار اور ضرورت مند لوگوں کے ساتھ تعاون کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیں، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے ایسے لوگوں کی ضروریات کو اپنی اولاد کی ضروریات پر ترجیح دینا سعادت سمجھیں۔

٭ دامادوں کو دین کی باتیں سکھلائیں، ان کے لیے دُعائیں کریں، انہیں نوافل کی ترغیب دیں۔

٭ علاوہ ازیں ان کے ساتھ بہترین معاملہ کریں۔ ان کی تکریم کریں، عائلی زندگی میں نزاع کی صورت میں بلا سوچے سمجھے بے جا بیٹیوں کی حمایت میں لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ حتّی الامکان ان پر تنقید اور باز پرس سے اجتناب کریں، البتہ بیٹیوں کے دین کو خطرہ میں مبتلا کرنے والی باتوں کے خلاف ہمت و استقلال سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ڈٹ جائیں۔

٭ اولاد کی بیماری اور وفات پر صبر کریں۔ اپنی زبانوں سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکالیں، جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں۔

٭ ایسی مصیبتوں کے آنے پر اپنی ذمہ داریوں کو نہ بھولیں۔ رنج و الم کے وقت بھی بحیثیت والدین اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی کوشش جاری رکھیں۔

٭ مصیبتوں کے آنے پر اولاد کو صبر کی تلقین کریں، بلکہ ان کی آمد سے پہلے ہی انہیں ذہنی طور پر اس طرح تیار کریں، کہ وہ ان کے آنے پر تقویٰ و صبر کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

۲: حضرات علمائے کرام، طلبہ وطالبات اور تربیت کرنے والے حضرات وخواتین سے، کہ وہ [سیرتِ پاک کے بحیثیت والد] روشن پہلوؤں اور گوشوں کو خود سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں۔ رب حيّ قيّوم سے عاجزانہ التجا ہے، کہ وہ مجھ گناہ گار اور سب والدین کو اولاد سے تعلّق اور معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر مضبوطی سے کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائیں، ہماری اولادوں کی اصلاح فرمائیں، اس سلسلہ میں ہماری سابقہ کوتاہیوں کو معاف فرمائیں، ان کی وجہ سے ہونے والی کمی کی اپنی رحمت سے تلافی فرمائیں اور اولادوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیں۔ آمین يَاحَيُّ يَا قَيُّومُ ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

ابو عطاء المنعم رضاء الله بن الحاج خان بادشاه حفظه الله ورعاه وجعل الجنة مثواه

مؤلف کے دیگر تالیفات

1۔ کتاب الحجامة پښتو ..... مطبوع

2۔ حوارات المسلم عربی ..... مطبوع

3۔ حوارات النسوة عربی ..... مطبوع

4۔ حوارات ابناء الاسلام ..... غیر مطبوع

5۔ حوارات بنات الاسلام عربی ..... مطبوع

6۔ حدیقة المسلم عربی ..... غیر مطبوع

7۔ حدیقة النسوة عربی ..... غیر مطبوع

8۔ تذکرة بیاد شیخ اردو ..... مطبوع

9۔ اتحاد الامت پښتو ..... غیر مطبوع

10۔ معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو . مطبوع

11۔ اسان اصول فقه پښتو ..... غیر مطبوع

12۔ لغة الاطفال عربی ..... غیر مطبوع

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

13۔میزان الصرف عربی .....۔۔ مطبوع

14۔صرف بھائی عربی ..... غیر مطبوع

15۔مه غمژن کیګه ..... غیر مطبوع

16۔اسلامی نغمے پښتو ..... غیر مطبوع

17۔دعوت الی الله ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

18۔روضة الاطفال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

19۔پښتو ترجمه اسان مونځ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

20۔ماحکم المیراث فی الاسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

21۔اَلْمُکَالَمَةُبَیْنَ یَدَیکَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

22۔اسانه طریقه دقرآن مجید دحفظ۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

23۔علم القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

24۔اهل القرآن ورجال القرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

25۔پرسکون گھرانه اور حقوق نسواں۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

26۔المکالمه بین النساء ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

27۔څلویښت دعاګانی اوځلویښت حدیثونه ۔۔۔۔۔۔مطبوع

28۔عظمت قرآن بزبان قرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

29۔الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج ۔۔۔۔۔غیر مطبوع

30۔اصول الحدیث فی حدیث الرسول ۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

31۔توحید باری تعلیٰ سے متعلقه شکوک وشبهات کا ازاله۔ غیر مطبوع

32۔پښتو ترجمه رهنمائے اساتذه مطالعۂ قرآن حکیم ۔۔غیر مطبوع

نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

33۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآنِ حکیم جلد اول ۔۔غیر مطبوع

34۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآنِ حکیم جلد دویم۔ غیر مطبوع

35۔پښتو ترجمه خیرالاصول فی حدیث الرسول ۔۔۔۔مطبوع

36۔فتنوں مؤمن کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

37۔نورالقرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

38۔فکری منصوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (1)

(40) جهنم کا بیان اور الله سے محبت کیوں اور کیسے

(41) اصول الفقه فی علوم الفقه

(42) مؤمن کی نماز اور طهارت کے مسائل واحکام

43)نماز کا مسنون طریقه اور اس کے احکام و مسائل

(44)زکاۃ کے فرضیت اور فضائل واحکام

(45) حج کے فضائل واحکام حج وعمرہ

(46) روزہ کے حقیقت اور رمضان المبارک کے احکام و مسائل

(47) خواتین سے متعلق مخصوص احکام و مسائل

(48) نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	۵۔ روزِ قیامت حسرت وندامت کا سامنا:	165
2	۳۔ عزت واحترام اور تعظیم وتوقیر کرنا:	166
3	ایک وضاحت:	167
4	نیز قاضی ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:	168
5	8۔ احمد بن سلیمان القطان کہتے ہیں:	170
6	ادب واحترام کی ایک اور صورت:	172
7	۵۔ احکام واوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب:	173
8	10۔ پیش قدمی نہ کرنا:	174
9	۷۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نامرغوب چیزوں اور لوگوں سے براءت وبیزاری کا اظہار:	175
10	بیانِ سیرت اور نعت گوئی:	182
11	۹۔ دفاعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:	190
12	دفاعِ حدیثِ رسول:	192
13	دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم:	194
14	۱۰۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت:	195
15	۱۱۔ نصرتِ رسول:	196
16	نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے:	198
17	۳۔ تعلیمی اداروں کی سطح پر:	199
18	۵۔ پڑھے لکھے لوگوں، مفکرین، صحافیوں اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی سطح پر:	200
19	7۔ انٹرنیٹ پر کام کرنے والوں کی سطح پر:	201
20	یہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں:	202

21	یہ کہاں کی نصرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے؟	204
22	مشرکینِ مکہ کا بائیکاٹ:	206
23	معاشی پابندیاں:	208
24	اولاد اور نواسوں کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا	211
25	ب: صاحب زادے کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا:	212
26	ج: نواسے کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا:	213
27	بیٹی کا حسنِ استقبال	214
28	بیٹیوں کی اولاد سے غیر معمولی پیار	217
29	ج: حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینا:	219
30	ھ: حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دنیاوی خوشبو میں سے اپنا حصہ قرار دینا:	221
31	دونوں حدیثوں سے معلوم ہونے والی چھ باتیں:	225
32	ج: حسن رضی اللہ عنہ کے اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کی دعا:	227
33	۳: امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے:	228
34	ھ: حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے اللہ تعالیٰ کے محبوب بننے کی دعا:	230
35	اولاد کی تعلیم کا اہتمام	231
36	ب: بیٹی کو خادم سے بہتر دعا کی تعلیم:	232
37	حدیث شریف سے مستفاد پانچ باتیں:	233
38	ج: نواسے رضی اللہ عنہ کو دعائے قنوت سکھانا:	234
39	د: نواسے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست دین کی باتیں سیکھنا:	235
40	نواسوں کو کھلانا ہنسانا	236
41	ب: نواسوں کے لیے اپنی زبان مبارک کو باہر نکالنا:	237

42	ج: دورانِ سجدہ نواسوں کو پشت مبارک پر سوار ہونے دینا:	239
43	۲: حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں کا پشت مبارک پر کود کر چڑھنا:	240
44	۳: نواسے کو طویل وقت تک پشت مبارک پر سوار رہنے دینا:	241
45	بیٹیوں کی عائلی زندگی سے تعلّق	243
46	اولاد کا احتساب	245
47	اولاد کی بیماری اور وفات پر صبر	248
48	ج: نواسی کی شدّتِ مرض پر صبر:	249
49	ھ: نواسے کی وفات پر صبر:	251
50	شدّتِ غم کے باوجود بیٹیوں کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا	252
51	ب: بیٹی امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے کنارے بیٹھ کر تدفین کروانا:	253
52	ج: ایک بیٹی کی قبر کے کنارے بیٹھے دوسری بیٹی کے آنسو پونچھنا:	254
53	بیٹیوں کو صبر کی تلقین	255
54	ب: بیٹی کو اپنی وفات کی خبر دیتے وقت تقویٰ و صبر کی تلقین:	256
55	حرفِ آخر	257
56	خلاصہ کتاب:	258
57	۵: اولاد کی تعلیم کا اہتمام:	259
58	۱۱: صاحبزادی کو دنیاوی زیب و زینت سے دور رکھنا:	260
59	۱۵: اولاد کی بیماری اور وفات پر صبر:	261
60	مؤلف کے دیگر تالیفات	263
61	فہرست	266